كُنتُم اَموَاتاً فَاَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم (الآية)

اَلاَنبِيَآءُ اَحيَاءٌ فِی قُبُورِهِم يُصَلُّونَ (الحديث)

تسکین الصدور

فی

تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور

تالیف

ابوالزاہد مولانا **محمد سرفراز خان** صفدر دامت برکاتہم

مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ الآیۃ (قرآن کریم)

اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَآءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (حدیث شریف)

تَسْکِیْنُ الصُّدُوْر

فِیْ

تَحْقِیْقِ اَحْوَالِ الْمَوْتٰی فِی الْبَرْزَخِ وَالْقُبُوْرِ

جس میں قرآن کریم صحیح احادیث اور حضرات سلف صالحین رحمہم اللہ کی واضح عبارات سے قبر کا مفہوم اور راحت و عذاب قبر کے بارے میں اسلامی نظریہ بیان کیا گیا ہے اور صحیح احادیث اور ٹھوس عبارات سے قبر میں اعادۂ روح پر تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے نیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور میں حیات اور عند القبور ان کے سماع پر واضح دلائل اور براہین سے تحقیق کی گئی ہے اور عام سماعِ موتٰی پر بھی مختصر مگر اصولی بحث کی گئی ہے اور مسئلہ توسل پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ سیر حاصل اور باحوالہ بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں کئے گئے جملہ اعتراضات کے کتب تفسیر و عقائد شروح حدیث اور فقہ سے بفضلہ تعالیٰ مسکت جوابات عرض کئے گئے ہیں نیز اس طبع میں تسکین الصدور پر کئے گئے قابل توجہ اعتراضات کا بھی خوب جائزہ لیا گیا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَیَھْدِی السَّبِیْلَ ؕ

مؤلفہ

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

طبع سیزدھم .... جنوری ۲۰۰۷ء
۱۰

نام کتاب .... تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور

تالیف .... پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم

مطبع .... فائن بکس پرنٹرز لاہور

تعداد .... گیارہ سو (1100)

قیمت .... -/۲۰۰ (دوسو) روپے

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

☆ ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار

☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور

☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد

☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ

☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت

☆ مکتبہ حقانیہ ملتان

☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان

☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد

☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد

☆ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ

☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
تصدیقات علماء کرام	۱۸
حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند	۱۸
حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ سابق مفتی دار العلوم دیوبند	۱۹
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند	۲۰
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (بھارت)	۲۰
حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ	۲۱
حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی	۲۲
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ	۲۲
حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی	۲۶
حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحبؒ درخواستی	۲۷
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ	۲۸
حضرت مولانا عبد الحق صاحب (اکوڑہ خٹک)	۲۸
حضرت مولانا عبد الخالق صاحبؒ (مظفر گڑھ)	۲۹
حضرت مولانا خان محمد صاحب (کندیاں شریف)	۳۰
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (کراچی)	۳۲
حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحبؒ	۳۳
حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشیؒ	۳۴
حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب (سرگودھا)	۳۴
حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحب (گجرات)	۳۵
حضرت مولانا مفتی محمود صاحب	۳۶
دور حاضر کے اکابر علماء دیوبند کے مزید حوالے	۳۷
شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانصاحبؒ کا مسلک	۴۲
جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اپنا فتویٰ	۴۲
دیباچہ طبع دوم	۴۵
تسکین الصدور لکھنے کی وجہ؟	۴۵
فریقین میں مصالحت کے لیے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا مسوّدہ	۴۷
دیوبند کا فتویٰ	۴۹
بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ ہے (فتاویٰ رشیدیہ)	۵۰
تسکین الصدور سے متعلق آراء ونظریات	۵۱
پہلا نظریہ اکابر علماء دیوبند کا	〃
دوسرا نظریہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کا	۵۲
محترم نے اپنے بعض سابقہ نظریات سے رجوع کرلیا ہے۔	۵۳
ان کے سابق بعض نظریات	۵۴
محترم کی بعض الفاظ وتراکیب پر گرفت اور اس کا جواب	۵۸
تیسرا نظریہ نیلوی صاحب اور بندیالوی صاحب کا	۵۹
ندائے حق کے مقدمہ کا خلاصہ اور اس پر اجمالی تبصرہ	۶۰

جرح تعدیل پر مقدم ہے اس کا محمل اور جواب	۶۱
حسن حدیث کے حجت نہ ہونے کا دعوٰی اور اس کا جواب	۶۲
ندائے حق کے بعض مضامین پر اجمالی تبصرہ	۶۳
جمہور نہ بخور (معاذ اللہ تعالیٰ)	″
مؤلف ندائے حق کا پرویزی ذہن	۶۴
کیا حضرۃ ابوہریرۃ رض غیر فقیہ تھے؟	۶۵
جسدِ مثالی	۶۵
زاویہ نگاہ کی خرابی	۶۶
حضرت فقہاء کرام رح پر بہتان	۶۸
راہِ فرار	۶۹
نرالی تحقیق	۷۱
بیکار بھرتی	″
فتنہ انگیز کارنامہ	″
روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق میں عقلاً کوئی استبعاد نہیں	۷۲
امریکہ نے جو خلائی جہاز چاند پر اتارے اُن کا اور خلانوردوں کا زمینی مرکز سے باقاعدہ تعلق رہا	۷۳
ستمہائے گفتنی	۷۶
باب اوّل	۸۲
قبر کی راحت و عذاب حق ہے اور اس کا انکار کفر ہے	۸۲
علامہ طاہر بن احمد الحنفی رح	۸۳
حافظ ابن الہمام الحنفی رح	″
امام قرطبی رح	۸۳
علامہ ابو الشکور السالمی رح	۸۴
مولانا بحر العلوم رح	″
قرآن کریم سے عذاب قبر کا ثبوت	۸۵
پہلی، دوسری اور تیسری آیت	۸۵
حافظ ابن کثیر رح سے تفسیر	۸۶
چوتھی آیت	۸۶
عذابِ قبر کی بعض احادیث	۸۷
حضرت ابنِ عباس رض کی حدیث	۸۷
حضرت زید رض بن ثابت کی حدیث	۸۷
حضرت انس رض بن مالک کی حدیث	۸۸
حضرت ابوہریرہ رض کی حدیث	۸۸
قبر کا حقیقی مفہوم	۸۹
قرآن کریم	۸۹
متعدد صحیح احادیث	۹۰
قبر کا مجازی معنٰی	۹۲
عذابِ قبر سے متعلق ایک اشکال اور اس کا جواب۔	۹۲
امام قرطبی رح اور حافظ ابن القیم رح	۹۳
امام سیوطی رح	۹۳
عذابِ قبر کے بارے میں مذاہب	۹۴
پہلا مذہب کہ سرے سے عذاب ہی نہیں ہوتا	۹۴
دوسرا مذہب کہ بے جان کو عذاب ہوتا ہے	۹۴

علامہ خیالی سے اس کا رد ۹۴

تیسرا مذہب کہ عذاب وسرور صرف روح کو ہوتا ہے مگر جمہور اس کے قائل نہیں ۹۵

چوتھا مذہب کہ یہ کاروائی بدن مثالی سے ہوتی ہے۔ بدن مثالی کا فی الجملہ ثبوت ہے ۹۵

مگر یہ حضرات بدن عنصری سے بھی عذاب کا تعلق مانتے ہیں۔ ۹۵

حضرت مولانا تھانویؒ کی متعدد عبارتیں ۹۶

غریق وسوختہ ومصلوب کو عذاب وثواب قبر کی صورت ۹۶

ثواب وعذاب کا تعلق جسدِ عنصری سے بھی ہوتا ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ ۹۶

پانچواں مذہب کہ بدن کے نصف اعلیٰ میں روح ڈالی جاتی ہے۔ ۱۰۱

جانوروں کے پیٹ میں مُردہ سے سوال ہوتا ہے بزازیہ وغیرہا ۱۰۱

چھٹا مذہب کہ جب جسم محفوظ ہوتا ہے تو جسم اور روح دونوں کو ورنہ صرف روح کو سرور وعذاب ہوتا ہے ۱۰۲

ساتواں مذہب کہ سوال کے وقت رُوح کا اعادہ ہوتا ہے اس کے بعد رُوح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے ۱۰۲

آٹھواں مذہب کہ قبر میں عذاب وراحت جسم اور روح دونوں سے وابستہ ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اور یہی حق ہے ۱۰۳

جامع الرموز //

راکھ شدہ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہ) //

باب دوم اعادۂ روح ۱۰۷

اعادۂ روح اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔ ۱۰۷

اعادۂ رُوح کے ثبوت پر متعدد کتب حدیث سے صحیح حدیث مع توثیق رُوات ۱۰۸

امام حاکمؒ، علامہ ذہبیؒ اور حافظ ہیثمیؒ سے اس کی تصحیح ۱۱۱

علامہ سید احمد حسنؒ۔ حافظ ابن تیمیہؒ۔ حافظ ابن مندہؒ اور حافظ ابن القیمؒ سے اس کی تصحیح ۱۱۲

حافظ اصبہانیؒ امام قرطبیؒ اور قاضی ثناء اللہؒ سے اس کی تصحیح۔ ۱۱۳

علامہ سُبکیؒ۔ مولانا فرہارویؒ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سلیمانؒ بن داؤد البغدادیؒ سے اس کی تصحیح۔ ۱۱۴

اس حدیث پر کلام اور اس کا جواب

سب سے پہلے علامہ ابن حزم الظاہریؒ نے اس پر کلام کیا ہے۔ ۱۱۵

انہوں نے متعدد مسائل میں ٹھوکر کھائی ہے ۱۱۶

حافظ ابن حجرؒ۔ امام سخاویؒ اور علامہ ذہبیؒ ۱۱۶
اعتراض اوّل کہ منہال بن عمروؒ ضعیف ہے ۱۱۷
اس کا جواب حافظ ابن تیمیہؒ سے //
حافظ ابن القیمؒ سے ۱۱۸
علامہ سُبکیؒ اور مولانا سید احمد حسنؒ سے ۱۱۹
اعتراض دوم کہ امام شُعبہؒ نے اس کو ترک کر دیا تھا ۱۱۹
اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۰
اعتراض سوم کہ یہ روایت منقطع ہے ۱۲۱
اس کا جواب حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۲
اعتراض چہارم کہ بعض سندوں میں الحسن بن عمارہ آیا ہے جو ضعیف ہے ۱۲۳
اس کا جواب حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۳
اعتراض پنجم کہ قبر میں اعادہ روح قرآن کریم کے خلاف ہے ۱۲۴
اس کا جواب کہ قبر کی حیات ایک تفسیر کے رو سے خود قرآن کریم سے ثابت ہے ۱۲۵
علامہ ابو السعودؒ۔ بیضاویؒ۔ رازیؒ ابن کثیرؒ آلوسیؒ اور الجصاص الرازیؒ سے ۱۲۵
حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۷
اعتراض کہ حافظ ابن القیمؒ روح کا تعلق جسم عنصری سے نہیں مانتے ۱۲۸
اس کا جواب خود حافظ ابن القیمؒ کی اپنی عبارات سے ۱۳۱
حافظ ابن تیمیہؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ۱۳۸
حافظ ابن تیمیہؒ کے مزید حوالے ۱۳۹
امام سیوطیؒ ۱۴۰
ابن زاغونی کون تھے؟ ۱۴۱
علامہ داؤد بن سلیمانؒ کا حوالہ //
قاضی شوکانیؒ کا حوالہ //
قبر میں حیات مطلقہ نہیں بلکہ فی الجملہ ہے (امام قونویؒ) ۱۴۲
اور یہ ہمارے ادراک سے بالا ہے (علامہ آلوسیؒ) //
خود علامہ آلوسیؒ کی تشریح //
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ ۱۴۵
حیات فی القبور اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ ۱۴۵
تصویر کا دوسرا رُخ ۱۵۱
اور اس کا جواب خود ان کی عبارات سے //
حضرت شیخ عبد الحق دہلویؒ ۱۵۵
حافظ ابن حجرؒ //
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ۱۵۶
باب سوم ۱۵۷
اس حدیث کا شاہد اوّل حضرت ابن عباسؓ سے //
شاہد دوم حضرت ابو ہریرہؓ سے ۱۵۸
شاہد سوم حضرت جابرؓ سے ۱۵۹
باب چہارم ۱۶۱
حضرت امام ابو حنیفہؒ اعادہ روح کے قائل تھے فقہ اکبر //

شرح فقہ اکبر از ملا علی القاریؒ سے اس کی تفصیل ۱۶۱
فقہ اکبر حضرت امام ابو حنیفہؒ ہی کی تالیف ہے معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے (طاش کبری زادہؒ) ۱۶۲
حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ بھی اعادۂ روح کے قائل تھے۔ ۱۶۲
اور اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے (امام نوویؒ) ۱۶۳
امام نوویؒ کی عبارت میں ابن جریرؒ کرامی ہے۔ ۱۶۴
امام ابن جریرؒ سنی کے حوالے ۱۶۵
حافظ ابن حجرؒ ۱۶۶
حافظ بدر الدین عینیؒ ۱۶۸
علامہ مناویؒ ۱۶۹
ملا علی القاریؒ ۱۷۰
فتح الباری ۱۷۱
حافظ ابن القیمؒ و مولانا سید احمد حسنؒ ۱۷۲
امام صدر الدین قونویؒ ۱۷۳
قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے (علامہ آلوسیؒ) 〃
علامہ بدر الدین بعلی الحنبلیؒ اور امام الرازی الحنفیؒ ۱۷۴
علامہ سبکیؒ 〃
قاضی عضد الدین الایجیؒ ۱۷۵
علامہ سید شریفؒ ۱۷۷
حافظ ابن الہمامؒ 〃
علامہ کمال الدین المقدسیؒ ۱۷۸
امام ابو المظفر اسفرائنیؒ اور امام بزدویؒ ۱۸۱
فخر المناطقہ امام غزالیؒ ۱۸۲
علامہ تفتازانیؒ ۱۸۴
علامہ فرہارویؒ اور علامہ الخیالیؒ ۱۸۵
علامہ ایلوبیؒ اور مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ ۱۸۷
مولانا فرہارویؒ۔ علامہ ابو الشکور السالمیؒ اور محقق دوانیؒ ۱۸۸
مولانا عبد الحکیمؒ ۱۸۹
امام غزالیؒ کا ایک اور حوالہ ۱۹۰
علامہ بدر الدین عینی الحنفیؒ 〃
امام نیشا پوریؒ اور علامہ ابو البرکات النسفیؒ ۱۹۱
علامہ شامیؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ۱۹۲
ارواح شہداء کا مستقر جنت میں سبز رنگ کے پرندوں کا پیٹ ہے مگر بایں ہمہ جسم سے بھی تعلق ہے ۱۹۳
عام مومنوں کی ارواح بھی جنت میں ہوتی ہیں ۱۹۵
حتّٰی یرجعہ اللہ الحدیث کا مطلب ملا علی القاریؒ سے ۱۹۵
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ سے ۱۹۶
اعادۂ روح کی تحقیق علامہ سلیمانؒ بن سحمانؒ سے 〃
علامہ عبد الوہاب الشعرانیؒ ۱۹۷
حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا حوالہ 〃
العرف الشذی سے 〃
فیض الباری سے ۱۹۸

مفتی اعظم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا حوالہ	۱۹۹
صاحب ہدایہ بھی حیات فی القبر کے قائل ہیں علامہ بابرتی الحنفیؒ سے اس کی تشریح	۲۰۰
عذاب قبر کے سلسلہ میں بدن مثالی کی حاجت ہی نہیں ہے۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ	۲۰۱
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مفصل عبارات	۲۰۲
عذاب قبر میں جسم کا تعلق ہوتا ہے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ	۲۰۶
علامہ ابن عبد الہادیؒ	〃
غیر مقلدین حضرات۔ قاضی شوکانیؒ	۲۰۷
حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کا واقعہ مؤطا امام مالکؒ سے	۲۰۹
مسئلہ حیات اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ	〃
باب پنجم	۲۱۱
حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات ایک قطعی امر ہے۔	〃
قرآن کریم سے اس کا ثبوت	〃
حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کا بیان زیر حاشیہ)	〃
وفات کا حدیث سے ثبوت	۲۱۵
علامہ عبد الکافی سبکیؒ	۲۱۶
حضرت مولانا نانوتویؒ سے موت کا معنیٰ۔	〃
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا عقیدہ ضروری ہے (از نانوتویؒ)	۲۱۷
باب ششم	۲۱۹
قبور میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام	〃
پہلی دلیل حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث	〃
امام بیہقیؒ ابن حجرؒ۔ ہیثمیؒ۔ ملا علی القاریؒ علامہ عزیزیؒ۔ عثمانیؒ۔ شیخ عبد الحقؒ اور قاضی شوکانیؒ سب اس کی تصحیح کرتے ہیں	۲۲۱
علامہ سمہودیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں	
اعتراض کہ اس کی سند میں حسن بن قتیبہ ضعیف ہے۔ اس کا جواب کہ مسند ابویعلیٰ کی سند میں یہ راوی نہیں ہے۔	〃
یہ راوی مسند بزارؒ کی سند میں ہے اور وہ ہمارا مستدل نہیں۔	۲۲۳
حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک جیّد۔ قوی اور ثابت مترادف الفاظ ہیں (تدریب الراوی)	۲۲۴
علامہ ذہبیؒ کا وہم اور اس کا جواب	۲۲۵
منکر اور شاذ کی تعریف امام مسلمؒ اور امام شافعیؒ سے	۲۲۸
حافظ ابن حجرؒ۔ امام سیوطیؒ اور علامہ جزائریؒ سے	۲۲۹
علمائے اسلام اور مسئلہ حیات (حافظ ابن حجرؒ)	۲۳۰
امام بیہقیؒ اور ملا علی القاریؒ	۲۳۱

علامہ سمہودیؒ اور عبد الکافی السبکیؒ ۲۳۲
علامہ تاج الدین سبکیؒ ۲۳۳
عرضِ اعمال کی باحوالہ مختصر بحث (حاشیہ) ۲۳۴
امام ابو الحسن الاشعریؒ پر بہتان اور اس کا جواب ۲۳۵
علامہ سبکیؒ ۲۳۶
امام قشیریؒ ۲۳۸
علامہ شامیؒ ۲۴۰
علامہ داؤد بن سلیمانؒ اور امام سیوطیؒ ۲۴۱
حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات متواتر احادیث سے ثابت ہے ۲۴۳
امام سیوطیؒ اور علامہ داؤد بن سلیمانؒ 〃
آپ قبر میں نماز پڑھتے ہیں امام شعرانیؒ ۲۴۴
علامہ عثمانیؒ ۲۴۵
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں اذان و اقامۃ ثابت ہے 〃
علامہ بدر الدین عینیؒ قبور میں حیات مانتے ہیں 〃
مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ ۲۴۶
مؤلف ندائے حق کا اعتراض اور اس کا جواب ۲۴۷
علامہ ابن عقیلؒ حنبلیؒ، شرنبلالیؒ اور شامیؒ ۲۴۸
امام ابو منصور بغدادیؒ۔ سخاویؒ۔ اور محمد عابد سندھیؒ ۲۴۹
شیخ عبد الحقؒ نواب قطب الدین خانؒ اور فضل اللہ تورپشتیؒ ۲۵۰
مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اور مولانا عبد الہادی نجیب آبادیؒ ۲۵۱
مولانا عثمانیؒ۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا سید محمد انور ۲۵۲
مولانا تھانویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ ۲۵۳
حافظ ابن حجرؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید تھے ۲۵۴
بخاری۔ مستدرک اور زرقانی شرح مواہب ۲۵۵
اکابر علماء دیوبند کی دینی خدمات ۲۵۶
المہند کی عبارت ۲۵۷
حافظ ابن حجرؒ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ۲۵۹
علامہ آلوسیؒ ۲۶۰
حیات حضرات انبیاء علیہم السلام اور غیر مقلدین حضرات قاضی شوکانیؒ۔ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ و مولانا عظیم آبادیؒ ۲۶۲ تا ۲۶۴
مولانا محمد حنیف صاحب کا حوالہ اور علماء نجد کا جو مسلکاً حنبلی ہیں۔ ۲۶۵
محمد ابن السید درویشؒ ۲۶۶
ان کی عبارت پر کلام — بیداری میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہو سکتی ہے۔ ۲۶۷
علامہ قسطلانیؒ اور محمد بن السید درویشؒ ۲۶۸
امیر یمانیؒ قاضی عیاضؒ۔ علامہ سبکیؒ ابن القیمؒ سمہودیؒ۔ سخاویؒ۔ ۲۶۹
مؤلف شفاء الصدور کا اعتراض اور اس کا جواب ۲۷۰
مولانا عبد الغفور امرتسریؒ 〃
امام عبد القادر بغدادیؒ مولانا تھانویؒ۔ ۲۷۱ و ۲۷۲
اجماعی مسئلہ کا انکار گناہ ہے (مولانا گنگوہیؒ) ۲۷۲

کیفیت حیات میں اختلاف ہے۔ ۲۷۳
ایک گروہ دنیوی حسّی مانتا ہے شیخ عبدالحقؒ وغیرہ ″
علامہ نور الحقؒ و فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۲۷۴
مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ ۲۷۵
حیات دنیوی کا معنیٰ حضرت نانوتویؒ سے ۲۷۶
ارواح کا ابدان عنصریہ سے فی الجملہ تعلق ہے۔ مولانا نانوتویؒ ″
اعتراض کہ قبر کی حیات اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الآیۃ کے خلاف ہے اس کا جواب اور نیز یہ کہ حیات دنیوی کا قائل اہل السنت سے خارج نہیں ہے۔ ۲۸۰
حیات حسّی دنیوی سے مراد؟ ۲۸۵
دوسرا گروہ کہتا ہے کہ روح کا جسم سے اشراقاً تعلق ہے ۲۸۶
حافظ ابن القیمؒ ۲۸۷
مولانا عثمانیؒ ۲۸۸
عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا۔ ۲۹۰
عاجزانہ واویلا ″
اس کا جواب ″
حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا حوالہ ۲۹۲
مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ ″
اس اجماع کے پہلے منکر شاہ صاحب گجراتی ہیں ۲۹۳
حضرت سلطان باہوؒ کا حوالہ ۲۹۴
دوسری دلیل ردّ اللّٰہ علیّ روحی الحدیث ″
اس کے روات کی توثیق۔ ۲۹۵
امام سبکیؒ۔ ابن حجرؒ۔ عزیزیؒ۔ نوویؒ۔ ابن تیمیہؒ زرقانیؒ۔ نواب صاحبؒ۔ سمہودیؒ۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ، مولانا عثمانیؒ اور بنوریؒ سے اس کی تصحیح ۲۹۵ و ۲۹۶
اعتراض کہ یہ روایت منقطع ہے اور اس کا جواب ۲۹۷
مطلب حدیث؟ ۲۹۸
مولانا تھانویؒ۔ علامہ مراغیؒ۔ مولانا نانوتویؒ اور مدنیؒ ۲۹۹
مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ۳۰۰
اس حدیث پر اشکال اور اس کا جواب ۳۰۱
حافظ ابن حجرؒ مولانا عثمانیؒ اور امام سخاویؒ سے ۳۰۲
امام سبکیؒ۔ حافظ ابن الملقنؒ اور علامہ عزیزیؒ ۳۰۳
امام سیوطیؒ اور علامہ خفاجیؒ ۳۰۴
مولانا سہارنپوریؒ۔ ایک شبہہ ۳۰۵
اور اس کا جواب مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ سے ۳۰۶
تیسری دلیل اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ ۳۰۷
اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ ″
اس کے روات کی توثیق (حاشیہ) ″
امام حاکمؒ۔ ذہبیؒ۔ ابن خزیمہؒ۔ ابن حبانؒ دار قطنیؒ، نوویؒ اور علامہ ابن عبد الہادیؒ اس کو صحیح کہتے ہیں ۳۰۸
علامہ عبد الغنی مقدسیؒ۔ ابن حجرؒ۔ ابن القیمؒ۔ ابن عبد الہادیؒ۔ علامہ عینیؒ منذریؒ۔ نابلسیؒ اور ۳۰۹

شیخ عبد الحقؒ اس کو صحیح کہتے ہیں ۳۰۹
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ بھی اس کو صحیح کہتے ہیں۔ ۳۱۰
اعتراض کہ اس کا ایک راوی ضعیف ہے 〃
جواب کہ وہ مزعوم اور ضعیف راوی اس میں نہیں ہے۔ (حافظ ابن القیمؒ) ۳۱۱
ابن حجرؒ، ملا علی القاریؒ، سخاویؒ، سید احمد حسنؒ اور منذریؒ ۳۱۲
مولانا محمد زکریا صاحب ۳۱۳
حافظ ابن القیمؒ اور شیخ الہندؒ ۳۱۵
ملا علی القاریؒ۔ ابن تیمیہؒ اور مولانا ابو العتیقؒ ۳۱۶
چوتھی دلیل فنبی اللہ حی یرزق کی حدیث ۳۱۷
اس کے رواۃ کی توثیق (حاشیہ) 〃
حافظ منذریؒ اس کو بسند جیّد کہتے ہیں۔ ۳۱۸
علامہ عزیزیؒ۔ مناویؒ۔ زرقانیؒ۔ ابن حجرؒ سمہودیؒ۔ ملا علی القاریؒ۔ شوکانیؒ اور عظیم آبادیؒ بھی اس کو بسند جیّد کہتے ہیں ۳۱۹
اعتراض کہ امام بخاریؒ اس کو منقطع کہتے ہیں 〃
اس کا جواب کہ یہ سند متصل ہے۔ ۳۲۰
اگر یہ منقطع بھی ہو تب بھی اس سے ترجیح و تفسیر درست ہے ۳۲۱
ادراج کا دعویٰ نرے احتمال سے ثابت نہیں ہوتا ۳۲۲
ادراج کی علامت (تدریب الراوی) 〃
حدیث کا راوی حدیث کے مطلب کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ ۳۲۲
امیر یمانیؒ و مبارک پوریؒ 〃
مولانا گنگوہیؒ اور تھانویؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے ۳۲۳
پانچویں ۵ دلیل اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ الحدیث 〃
اس کے رواۃ کی توثیق (حاشیہ) 〃
علامہ سمہودیؒ۔ ابن عبد الہادیؒ۔ عزیزیؒ۔ ہیثمیؒ۔ حاکمؒ۔ ذہبیؒ اور سخاویؒ اس کو صحیح کہتے ہیں۔ ۳۲۴
حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے اس کو مستدل قرار دیا ہے 〃
سلام کی طرح صلوٰۃ بھی آپ پر معروض ہے۔ (دار قطنی) 〃
علامہ البنیشہیؒ۔ عزیزیؒ اور مولانا نعمانیؒ ۳۲۵
چھٹی ۶ دلیل مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِیْ الحدیث ۳۲۶
علامہ کنانیؒ کا حوالہ (حاشیہ) 〃
امام سیوطیؒ کا حوالہ ۳۲۸
حافظ ابن حجرؒ، سخاویؒ، ملا علی القاریؒ، نواب صاحب اور مولانا عثمانیؒ اسکو بسند جیّد کہتے ہیں۔ ۳۲۸
جیّد اور صحیح مترادف ہیں۔ ۳۲۹
امت کے تعامل سے ضعیف حدیث بھی

حجت ہو جاتی ہے۔ (علامہ ابن حزمؒ) ۳۳۱
اعتراض کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس کو غریب جداً کہا ہے ۳۳۲
اس کا جواب متن کی غرابت اور چیز ہے اور سند کی اور ہے 〃
غریب صحیح بھی ہوتی ہے اور غرابت صحت کے منافی نہیں ۳۳۴
جمہور کا استدلال ابو الشیخؒ کی سند سے ہے نہ کہ محمد بن مروان سدی کی سند سے 〃
فنی کوتاہ فہمی۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا حوالہ ۳۳۵
ابن عبد الہادیؒ کے حوالے ۳۳۶
امام ابن عبد البرؒ کا حوالہ (نیل الاوطار) ۳۳۷
مؤلف ندائے حق کا وہم سراسر مردود ہے ۳۳۸
علامہ ابن عبد الہادیؒ کا زعم صحیح نہیں 〃
ساتویں دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر اگر آپ کو بلائیں گے تو آپ جواب دیں گے۔ مجمع الزوائد باسناد صحیح ۳۳۹
اس کا شاہد مستدرک اور درِّ منثور سے ۳۴۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ ۳۴۱
من السماء کے الفاظ کتب حدیث میں موجود ہیں 〃
ان کے نزول کا منکر قطعاً کافر ہے۔ 〃
مرزا غلام احمد قادیانی کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے ۳۴۲
باب ہفتم۔ عند القبر سماع کے بارے میں ۳۴۳
علماء اسلام کا نظریہ
علامہ مناویؒ اور عزیزیؒ 〃
ملا علی القاریؒ۔ طحطاویؒ۔ غور غشتویؒ خفاجیؒ اور گنگوہیؒ ۳۴۴
علامہ ابن عبد الہادیؒ۔ مولانا سہارن پوریؒ ۳۴۶
اور تھانویؒ 〃
قیامت کے دن کی شفاعت حق ہے ۳۴۷
قبر شریف پر شفاعت کی درخواست کا ثبوت (سمہودیؒ) 〃
امام عبد الکافی السبکیؒ ۳۴۸
حضرت بلالؓ بن الحارث کی یہ روایت صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور ابن حجرؒ ۳۴۹
ابن ابی شیبہ کی سند کے راوی اور ان کی توثیق 〃
یہ واقعہ ۱۷ھ یا ۱۸ھ کا ہے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ 〃
مؤلف اقامۃ البرہان کا تعصب و جہالت ۳۵۰
مؤلف ندائے حق کی ہرزہ سرائی ۳۵۱
اتمام حجت۔ تحریرات حدیث کا حوالہ ۳۵۲
مؤلف اقامۃ البرہان کی غلطی کا سبب اور سینہ زوری ۳۵۳

منع کی دلیل اور اس کا جواب ۳۵۴
قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ (ملا علی القاریؒ) ۳۵۵
فتح القدیر اور وفاء الوفا ۳۵۶
حضرت امام مالکؒ اور استشفاع عند القبر (شفاء کا حوالہ) ۳۵۶
اس کی سند جیّد ہے عبد الکافیؒ اور سمہودیؒ ۳۵۷
ضرب کاری 〃
علامہ ابن عبد الہادیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ ۳۵۸
اور اس کا جواب 〃
اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں ۳۵۹
حافظ ابن تیمیہؒ کا وہم اور اس کا رد (خفاجیؒ) ۳۶۰
خود ابن تیمیہؒ سے روایت (نوویؒ) ۳۶۱
حافظ ابن کثیرؒ۔ نوویؒ۔ نسفیؒ، سبکیؒ، شیخ عبد الحقؒ، بحر العلومؒ اور سمہودیؒ وغیرہ تمام استشفاع عند القبر کا یہ واقعہ مشہورہ نقل کرتے ہیں۔ ۳۶۳
قسطلانیؒ، زرقانیؒ اور محمد بخیتؒ بھی یہ نقل کرتے ہیں ۳۶۴
عتبیؒ پر گرفت اور اس کا جواب 〃
حضرت تھانویؒ بھی یہ واقعہ باحوالہ نقل کرتے ہیں۔ 〃
مولانا نانوتویؒ، ظفر احمد عثمانیؒ، سبکیؒ اور سمہودیؒ ۳۶۵
اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔
امام ابو عبد اللہ الحنبلیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۳۶۶
اس روایت پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کی جرح کا جواب ۳۶۷
ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو فضائل میں قابلِ عمل ہے۔ نوویؒ۔ نذیر حسین صاحبؒ اور نواب صاحبؒ ۳۶۸
تعامل کس طبقہ کا معتبر ہے؟ 〃
ابن الہمام الحنفیؒ عند القبر طلبِ شفاعت کا طریقہ بتاتے ہیں 〃
فتاویٰ عالمگیری ۳۶۹
بحر العلومؒ 〃
علامہ سمہودیؒ۔ قاری سعید احمد صاحبؒ اور علامہ شرنبلالیؒ ۳۷۰
حضرات شیخینؓ کے ہاں توسل ۳۷۱
طحطاویؒ۔ آفندی۔ حلبیؒ اور نوویؒ ۳۷۲
علامہ رحمت اللہ سندھیؒ اور ملا علی القاریؒ ۳۷۳
حضرات شیخینؓ سے توسل کا طریقہ ۳۷۴
علامہ بغدادیؒ اور سمہودیؒ ۳۷۵
علامہ شامیؒ اور مولانا حسین علی صاحبؒ ۳۷۶
اس واقعہ پر اعتراض اور اس کا جواب ۳۷۷
شہداء احد سے طلبِ شفاعت (ملا علی القاریؒ) 〃
حضرت مولانا گنگوہیؒ اور مسئلۂ استشفاع 〃

حضرات فقہاء کرامؒ کی ان عبارات کے جوابات	۳۷۸
ع۱ مؤلف ندائے حق سے اس کا جواب اور اس کا رد	〃
نجدیوں سے بھی دو قدم آگے وہ بھی اس مسئلہ میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے صرف بدعتی کہتے ہیں	۳۷۹
مائۃ مسائل اور مسائل اربعین کی عبارت کا مطلب	۳۸۰
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فتوٰی	〃
مغالطہ۔ فتاوٰی عزیزی کا حوالہ	〃
اہل قبور سے مرادیں مانگنا حرام و شرک ہے متعدد حوالے	۳۸۴
ع۲ مؤلف ندائے حق کا جواب اور اس کا رد	۳۸۵
ع۳ مؤلف ندائے حق کا جواب اور اس کا رد	۳۸۶
مؤلف اقامۃ البرہان کا جواب اور اس کا رد	〃
اعتراض کہ عند القبر سماع قرآن وحدیث کے خلاف ہے	۳۸۷
حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ اور إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور حضرت زینبؓ کی روایت اس کے خلاف ہے	〃
اس کا جواب کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کا عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں۔	۳۸۸
قرآن وحدیث کا کونسا مطلب معتبر ہوتا ہے؟	۳۸۹
علامہ ابن الہادیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ	〃
إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے استدلال کا جواب	۳۹۰
علماء حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو لیتے ہیں اور سلفؒ کا سماع موتٰی پر اجماع ہے۔ (ابن کثیرؒ)	〃
نفی سماع نافع کی ہے (ابن کثیرؒ)	۳۹۱
ورنہ لازم آئے گا کہ کافر دنیا میں نہیں سنتے	〃
مولانا تھانویؒ اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ	۳۹۲
مولانا نانوتویؒ اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کہ نفی اسماع کی ہے	۳۹۳
مولانا عثمانیؒ اور علامہ آلوسیؒ فی الجملہ سماع ثابت ہے	۳۹۴
حافظ ابن تیمیہؒ سماعِ موتٰی کو حق کہتے ہیں	۳۹۵
سماعِ موتٰی پہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت دلیل ہے	〃
یہ روایت صحیح ہے ابن عبد البرؒ عبد الحق اشبیلیؒ۔ ابن عبد الہادیؒ۔ شوکانیؒ۔ عثمانیؒ۔ اور ابن القیمؒ	۳۹۶
حافظ ابن القیمؒ کے قصیدہ نونیہ کے چند اشعار	〃
غیر متعلق آیات سے استدلال قابل توجہ نہیں	۳۹۷

دُنیا میں حُجرہ سے باہر کی آواز نہ سُننے پر قیاس صحیح نہیں اور یہ نص کے مقابلہ میں ہے جو مسموع نہیں۔ ۳۹۷
باب ہشتم ۳۹۸
مسئلہ توسل اور دُعا کا مسنون طریقہ؟ ″
توسل کا رد سب سے پہلے ابنِ تیمیہؒ نے کیا ہے۔ سُبکیؒ شامیؒ اور آلوسیؒ ۳۹۹
شفاء السقام کا رد الصارم المنکی اور اس کا رد المبرد المبکی اور السعی المشکور سے کیا گیا ہے ۴۰۰
شفاء السقام درست رائے پر محمول ہے نہ کہ تعصب پر (مولانا عبد الحیؒ) ″
توسل کا مسئلہ صرف جواز کا مسئلہ ہے (آلوسیؒ) ۴۰۱
توسل ببرکت شیخ کا معنیٰ ابن تیمیہؒ سے ″
توسل بالنبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا معنیٰ ۴۰۲
توسل بصالح الاعمال درست ہے بخاری و مسلم کی روایت ۴۰۳
امام نوویؒ سے اس کا معنیٰ ″
توسل بالذات و بصالح الاعمال میں نزاع صرف لفظی ہے مآل ایک ہے ″
حافظ ابن تیمیہؒ کا وہم اور سبکیؒ سے اس کا رد ۴۰۴
توسل در اصل نیک لوگوں سے محبت
کی بنا پر ہوتا ہے۔ (مولانا تھانویؒ) ۴۰۵
توسل کی بعض صورتیں حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی صحیح ہیں ″
جمہور علماء کرام اور مسئلہ توسل ۴۰۷
مولانا تھانویؒ۔ سمہودیؒ و سُبکیؒ ″
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ۴۰۸
حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ ″
حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ ″
قاضی شوکانیؒ نے جواز توسل پر مستقل رسالہ لکھا ہے ۴۰۹
اس کا کچھ مضمون بوادر النوادر سے ″
علامہ آلوسیؒ جواز توسل کے قائل ہیں ۴۱۰
ہاں مگر کسی سے مراد مانگنا جائز نہیں ″
اذا تحیرتم فی الامور کا مطلب (مولانا عبد الحیؒ) ۴۱۱
اکابرین علماء دیوبند اور مسئلہ توسل ۴۱۲
المہند کا حوالہ ۴۱۳
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے چند حوالے ″
مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ ۴۱۴
مولانا گنگوہیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۴۱۵
توسل کے کچھ دلائل ۴۱۶
بعض حضرات نے قرآن کریم سے بھی استدلال کیا ہے ″

علامہ آلوسیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ ۴۱۷
مؤلف ندائے حق کی تلبیس اور اس کا جواب 〃
حافظ ابن القیمؒ اور علامہ بغدادیؒ ۴۱۸
بحق فلاں کے لفظ سے توسل کی تفصیل ۴۱۹
جس معنی میں معتزلہ اس کو استعمال کرتے ہیں اس معنی میں مکروہ ہے۔ ہدایہ، سراجیہ و شرح فقہ اکبر ۴۲۰
اور اگر حق بمعنی تفضل اور وعدہ ہو تو درست ہے ۴۲۱
علامہ ابو جعفرؒ۔ مولانا گنگوہیؒ 〃
توسل بالدعاء اور استشفاع 〃
علامہ آلوسیؒ۔ حدیث بخاری و طحاوی حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کو بطور توسل پیش کرنا ۴۲۲
ابن تیمیہؒ ۴۲۳
حافظ ابن حجرؒ۔ عینیؒ اور شوکانیؒ سے اس کی شرح 〃
اور یہ توسل بھی درحقیقت آپؐ کی برکت سے تھا۔ (سبکیؒ) ۴۲۴
توسل فعلی 〃
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ 〃
حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ ۴۲۵
ابن عبد البرؒ۔ ابن تیمیہؒ۔ ابن کثیرؒ۔ بعلیؒ ۴۲۶
شیخ سلیمان بن سحمانؒ ۴۲۶
توسل قولی ۴۲۷
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے آخر میں اس کی اجازت دی ہے (فیض الباری) 〃
خطمی اور حطمی اور مدنی و مدینی کا چکر دینا بے سود ہے ۴۲۸
کسی کے وسیلہ سے دعا مانگنا 〃
حضرت عثمانؓ بن حنیف کی روایت ۴۲۹
اس کے رواۃ کی توثیق (حاشیہ) 〃
امام حاکمؒ۔ ذہبیؒ۔ خفاجیؒ۔ سمہودیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں ۴۳۱
اس کی سند میں ابو جعفر خطمیؒ ہے نہ کہ رازی وغیرہ 〃
امام احمدؒ۔ ابن سنیؒ۔ حاکمؒ۔ ذہبیؒ۔ طبرانیؒ ابن حجرؒ۔ ابن تیمیہؒ نے یہی کہا ہے ۴۳۱ و ۴۳۲
ترمذی کے مصری نسخہ میں بھی الخطمی ہی ہے 〃
مولانا تھانویؒ سے اس حدیث کی تفسیر 〃
منکرین توسل غیر متعلق آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ (شوکانیؒ) ۴۳۳
مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا حوالہ 〃
ایک شبہ کہ یہ توسل آپؐ کی زندگی سے مخصوص تھا اور اس کا جواب ۴۳۴
طبرانیؒ کی روایت میں آپؐ کی وفات

کے بعد بھی توسل ثابت ہے ۔ ۴۳۵
اور یہ روایت صحیح ہے طبرانیؒ منذریؒ ″
نشر الطیب اور برلیعہ محمودیہ کا حوالہ ″
ابن الحاجؒ اور ابن حجر مکیؒ کا حوالہ ۴۳۶
مولانا عثمانیؒ کے چند حوالے ۴۳۷
مسئلہ توسل اور غیر مقلدین حضرات ۴۳۷
حضرت مدنیؒ کا حوالہ ″
مبارک پوریؒ عدم جواز کے قائل ہیں ″
مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ اور مولانا وحید الزماں خانؒ جواز کے قائل ہیں ۴۳۸

نوٹ ضروری :

اردو زبان میں لفظ روح تو مونث ہی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع ارواح کو اکثر حضرات نے مونث استعمال کیا ہے مگر بعض حضرات نے مذکر بھی استعمال کیا ہے اور انہی حضرات کی پیروی میں اس کتاب کے بعض مقامات میں یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے علاوہ بھی اردو ادب کی بعض باریکیوں کو اہل زبان کے قواعد کے مطابق تراجم وغیرہا میں زیادہ ملحوظ نہیں رکھا جا سکا، قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اپنی نگاہ صرف مقصود پر مرتکز رکھیں اور ادبی باریکیوں کو نہ دیکھیں۔

(مؤلف)

تصدیقات علماء کرام

منبع العلوم و مخزن الفهوم محی السنۃ الغرّاء ماحی البدعۃ الظلماء سند العلماء رأس الاتقیاء نمونۂ سلف۔ صدر المدرسین۔ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند صانہا اللہ تعالیٰ عن شر کل حاسد۔

محترم مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کتاب تسکین الصدور کا دو مرتبہ مطالعہ کیا پہلی مرتبہ سرسری طور پر اور دوسری مرتبہ کافی غور کے ساتھ مطالعہ میں کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بے مثل ہے اور واقعی اسم با مسمی تسکین الصدور ہی ہے ہر مسئلہ نہایت واضح طریق پر دلائل سے آراستہ پیراستہ اور مخالفین کے دلائل کا صحیح ردّ جس سے دیکھنے والے کو حق معلوم کرنے میں زبردست امداد حاصل ہو سکے اور بشرطِ انصاف انکار کی گنجائش باقی نہ رہے پھر اس کے ساتھ مسلک کی پوری پوری رعایت یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ دِل سے دعاء نکلتی ہے کہ خدایا اس کتاب کو اہل حق کے لیے مقبول بنا دے اور اس کے جامع کو دنیوی عزت کے ساتھ آخرت میں خادمانِ دین متین میں محشور فرمائے۔ آمین میں نہایت عدیم الفرصت ہوں اسی بناء پر اس قدر تاخیر واقع ہوئی جس سے آنمحترم کو ضرور کلفت ہوئی ہوگی میں معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

فخر الدین احمد غفرلہٗ
۲؍ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

عروۃ الحبل المتین۔ رئیس الشیوخ الکرام۔ قطب فلک العلوم والعرفان۔ استاد العلماءؒ رئیس المناظرین۔ صدر المفتیین حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتیؒ اعظم دار العلوم دیوبند رحمہٗ اللہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دامت فیوضہم

سلام مسنون عافیت مزاج کا طالب و داعی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ کافی عرصہ کے بعد حاضر خدمت بذریعہ عریضہ ہو رہا ہوں جس کے لیے معذرت خواہ ہوں کتاب تسکین الصدور وصول ہوئی شکر گذار ہوں وصول ہوتے ہی پڑھنا شروع کر دیا جناب والا نے کتاب کے ہر مبحث کو تشنہ نہیں چھوڑا مسائل کو دلائل صحیحہ اور نقول معتبرہ سے باحسن وجوہ ثابت کر دیا اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بطریق صحیح ثابت کرنے میں کسی قسم کا فتور واقع نہیں ہوا۔ اثبات عذاب قبر اور اثبات حیات انبیاء فی القبور کو جن دلائل حقہ سے ثابت کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے طالب حق وہدایت کو کسی قسم کے چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے متعنت اور معاند سے امید نہیں کہ وہ ہدایت قبول کرے۔ ان مسائل میں معاندین کے شبہات، رکیکہ اور اعتراضات واہیہ میں ان کے جوابات دندان شکن دیئے ہیں اور ان شبہات کو زائل کر دیا ہے الحاصل کتاب تحقیقات سے مملو اور دلائل سے مشحون ہے عوام وخواص دونوں طبقوں کے لیے بہت مفید ہے۔ پڑھنے کے بعد مجھ جیسے نا اہل کے صدر کو تسکین اور دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا کر دیا اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر آپکو عطا فرمائے اور کتاب کو مقبول عام بنائے اور گمراہوں کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کرے آمین۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایسے مسائل کی تحقیق کے لیے موفق کیا ہے فللہ الحمد والشکر اسی طرح آپ کی دوسری تصانیف بھی دلائل حقہ صحیحہ سے مزین ہیں کتاب مذکور میں جن مسائل پر آپ نے قلم فرسائی کی اور داد تحقیق دی ہے میں اس کے ساتھ متفق ہوں کہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے واللہ اعلم دعا گو وطالب دعا سید مہدی حسن غفرلہٗ از شاہجہانپور محلہ جھنڈا کلاں مکان ۱۸، ۲۷ اگست ۱۹۶۸ء

میں سترہ ماہ سے وطن میں ہوں صاحب فراش ہوں مفلوج ہوں نشست وبرخاست دشوار ہے دار العلوم سے رخصت لے رکھی ہے ۸۸ سال کی عمر ہو گئی ہے ضعیف وکمزور ہوں کتاب دیوبند ہوتی ہوتی شاہجہانپور پہنچ گئی۔ کل اعزاز نامہ بھی پہونچا چند سطور بمشکل لکھ کر حاضر خدمت ہوا ہوں

ودمتم بالمعافیۃ والخیر

شمس فلک الشریعۃ البیضاء و بدر سماء الطریقۃ الغراء فخر الاماثل۔ جامع الفضائل۔ رازئ وقت۔ غزالئ دوراں حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت معالیہم مہتمم دار العلوم دیوبند

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

رسالہ نافعہ تسکین الصدور مؤلفہ حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر سے استفادہ نصیب ہوا۔ رسالہ کی وقعت و عظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خاں صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ اور معتدلانہ طرز تالیف میں معروف ہیں۔ تسکین الصدور حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کے مسائل میں تسکین الصدور ہی ہے جس سے روحی اور قلبی تسکین ہو جاتی ہے۔ جن جن مسائل پر کلام کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ نہ صرف یہ کہ اہل السنت والجماعت کے مسلک اور مذہب منصور کے مطابق ہی نہیں بلکہ فی نفسہ اپنی تحقیقی رنگ کی وجہ سے پوری جامعیت کے ساتھ منضبط ہو گئے ہیں اور ان سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ مؤلف ممدوح کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم و عرفان اور عمل و ایمان میں روز افزوں ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۴/۱۱/۸۹ھ

جامع العلوم العقلیہ و النقلیہ۔ المحدث الجلیل۔ ماہر اسماء الرجال۔ فقیہ زماں۔ حامی توحید و سنت و ماحئ شرک و بدعت۔ رئیس المحققین حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت فیوضہم العالیہ

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ ۵ مارچ ۶۹ء

محب مکرم جناب الحاج مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر سلمہ اللہ تعالیٰ و عافاہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

ندامت ہے کہ آپ کے نامۂ لطف و کرم کا جواب بڑی تاخیر سے روانہ کر رہا ہوں، ایک طرف سنِ

سعید بن منصور جلد سوم کا دوسرا حصہ چھپ رہا تھا، دوسری طرف المطالب العالیہ فی زوائد المسانید الثمانیہ کی تحقیق و تعلیق میں مصروفیت تھی، اب اس کا ایک ربع پریس بھیج چکا ہوں تو ذرا دم لینے کی فرصت ملی ہے، اسی فرصت میں آپ کی کتاب تسکین الصدور کا اکثر حصہ بالاستیعاب پڑھا۔ باقی پر سرسری نظر ڈالی، ماشاء اللہ خوب لکھا ہے، ہر ہر گوشے پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور ہر ہر دعویٰ کو مدلل و مبرہن کیا ہے، اور اصل مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجھے کتاب پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، حق تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ و سلامت رکھے، اور دین کی مزید خدمت کے لیے توفیق بخشے۔

ص ۱۱۱ پر آپ نے لکھا ہے کہ "ممکن ہے بزار کی سند میں بھی الحسن بن قتیبۃ الخزاعی" ہو آپ کا یہ خیال صحیح ہے، بزار کی سند میں بھی وہ واقع ہے، مسند بزار میں سند کا ابتدائی حصہ یوں ہے۔ حدثنا محمد بن عبد الرحمن بن المفضل الحرانی ثنا الحسن بن قتیبۃ المدائنی الخ میں نے یہ حدیث کشف الاستار فی زوائد مسند البزار للہیثمی میں دیکھی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ خیر و عافیت سے مطلع فرمائیں۔ والسلام،

حبیب الرحمٰن الاعظمی

رئیس المناظرین۔ استاذ العلماء عالم بے بدل پیر طریقت ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ اجمعین

کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور مؤلفہ حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خاں صفدر صاحب اطال اللہ بقاءہ و عم فیضہ کو میں نے اول سے آخر تک حرفاً حرفاً سنا اتباع سلف صالحین میں ہر مسئلہ میں مذہب جمہور کو قرآن مجید و حدیث شریف صحیح و حسن و فقہ حنفی کے ذخیرہ کی روشنی میں مسائل کو ادلہ کثیرہ سے ایسا مبرھن کیا ہے کہ اس سے زائد کی گنجائش نہیں۔ ہر مسئلہ میں دلائل صحیحہ کا اسقدر انبار لگا دیا ہے کہ ہر منصف اس پر اقتدار و اعتماد کرتے ہوئے اس کہنے پر مجبور ہے۔

ع یں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند :

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

سابق وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان وشیخ التفسیر دار العلوم دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وحال صدر شعبۂ تفسیر اسلامی یونیورسٹی بہاولپور۔ جامع العلوم العقلیۃ والنقلیۃ حضرت العلام مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم السامیۃ

محترم المقام جناب مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر دامت فیوضاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کی کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور پہونچی اس کے مندرجات مطالعہ سے گذرے الم[۱] وراحت قبر اور انبیاء علیہم السلام کی حیات[۲] فی القبور اور انکے سماع[۳] عند القبور اور عام سماع موتی[۴] اور توسل۔ بمقبولین کے ابحاث کی تفسیری کلامی اور فقہی وحدیثی دلائل اور نقد الرواۃ کے مباحث بھی نظر سے گذرے ان ابحاث پر آپ کی کتاب کا لُب لباب اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے مطابق ہے اور منہج سلف صالحین کا آئینہ دار ہے۔ احقر ان سے متفق ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ جل مجدہ اس کتاب کو اہل زیغ کے لیے موجب ہدایت بنائے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی برکت سے متنازعین کا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ بشرطیکہ توفیق الٰہی اور خشیۃ اللہ دستگیری فرمائے اور اتباع ہوی کی آلائش سے قلب وضمیر کو پاکی نصیب ہو۔

احقر شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ بہاولپور۔ ۸ رجمادی الاخری ۱۳۸۶ھ۔

بحر العلوم۔ المحدث الکامل۔ الفقیہ الجلیل۔ المحقق النبیل حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصا علی سیدنا محمد المصطفیٰ وآلہ وصحبہ ما کفیٰ وشفیٰ

امّا بعد۔ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف ومتفقہ مسئلہ تھا۔

شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی۔ لیکن بُرا ہو اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہو گئی کتنے تاریخی بدیہات کو کج بحثیوں نے نظری بنا دیا اور کتنے حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ و زنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی۔ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ اور کیا امام حسینؓ کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المومنین خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا۔ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لیے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھا بس کافی تھا کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد تمام کے تمام آئمہ مجروح ہو کر دین کا سرمایہ ہی ختم ہو جائے گا۔ الغرض حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کے کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے۔ علماء معصوم تو ہیں نہیں کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی و کلامی بحثیں پیدا کر دیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سے بدعات کا خاتمہ ہو جائے گا گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاء کرام سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم ہو سکتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ بہرحال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں اس خلفشار کو ختم کرنے کے لیے ارباب فکر و اخلاص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے ختم کرنے کی کوشش کریں راقم الحروف کا نام بھی ان میں شامل تھا تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب موثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کے جواب بھی دیئے جائیں اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے باتفاق رائے اس کام کے انجام دہی کے لیے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہو گئے جن کے دماغ میں بحث و تمحیص کی صلاحیت بھی ہے قلم میں پختگی بھی علوم دینیہ اور حدیث و رجال سے اچھی قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے مختلف مکان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے

اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی۔ الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کرکے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع و واضح و عالمانہ بلکہ محققانہ ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو خلعتِ قبول سے نوازے اور مزید اس قسم کی خدمات کی توفیق عطا فرمائے ۔ عرصہ ہوا کہ میرے رفیق محترم جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری جن کو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نہ صرف شرفِ تلمذ حاصل ہے بلکہ فرزند نسبتی کا شرف بھی حاصل ہے جن کے قلم سے صحیح بخاری کی محققانہ اردو شرح انوار الباری وجود میں آرہی ہے۔ اور اب سے اکتیس بتیس سال قبل مصر و استنبول کے علمی سفر میں رفیق طریق رہے ان کے جواب میں ۱۳۷۹ھ قلم برداشتہ نہایت عجلت میں جو کچھ لکھا تھا نامناسب نہ ہوگا کہ اس خط کا کچھ اقتباس نقل کیا جائے ۔ تاکہ میری ذاتی پرانی رائے بھی اس مسئلہ کے بارے میں معلوم ہو جائے اگرچہ وہ اشارات ہیں اور مخاطب ایک عالم تھے تفصیل کی حاجت نہیں تھی لیکن اس موضوع پر ایک جامع فیصلہ کی حیثیت سے ایک متن ہے۔ تشریح جتنی چاہیئے کر لیجیئے واللہ المستعان

محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات

① شہداء کے لیے بنصِ قرآن "حیات" حاصل ہے اور مزید دفع تجوز کے لیے "یرزقون" کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جیسے آجکل کا محاورہ بھی ہے "فلاں حی یرزق" عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

② جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ و اکمل ہوگی۔

③ اسی حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں، اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ ۔ اور حدیث اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ ۔ اور ان ہی احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیحہ موجود ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ حج ۔ اور اس کے علاوہ روایات۔

④ روح کے تعلق اجساد سے پانچ قسم کے ہیں۔ ۱ فی حالۃ الجنین۔ ۲ بعد الولادۃ فی الدنیا۔ اور اسکی دو صورتیں ہیں، ۳ حالتِ نوم میں، اور حالتِ یقظہ میں۔ ۴ بعد الموت فی البرزخ ۔ ۵ بعد البعث فی المحشر۔ ضعیف ترین

اول ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے، کما حققہ المتکلمون وابن القیم فی کتاب الروح والقاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

⑤ انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے۔ ان عینای تنامان ولا ینام قلبی۔ اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم اخو الموت، اور عام موتٰی میں تحقیق موت کے لیے انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے۔ اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا، اور پھر علو مرتبہ جتنا ہوتا ہے۔ اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

⑥ مفارقت روح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا

⑦ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کی کیفیت طاری ہوئی۔ تجسد ارواح اور تروح اجساد دونوں کی نظیریں عالم شہادت میں ہیں۔ تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے،

⑧ دنیا میں۔ صوفیہ کرام کے یہاں۔ ابدانِ مثالیہ سے تعدد وقت واحد میں متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالاجساد المتروحہ اس کی نظیر ہوگی۔

⑨ الغرض انبیاء کرام کے لیے حیات، بقا، اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

⑩ یہ حیات دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی، اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو "حیات دنیوی" سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے۔ تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہر حال وہ حیات دنیوی بھی ہے اور حیات برزخی بھی۔ صرف حیات برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں، بلکہ اقویٰ واکمل ہے، اس لیے حیات دنیوی کے مماثل، بلکہ اس سے بھی اقوی ہے۔ اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے، اس دنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے۔ اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

⑪ اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے، اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے۔ بہر حال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرۃ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے۔ اور اس علت کی تنقیحِ اصولیہ تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صاحب الفہم الباہر والرشد الزاہر فقیہ النفس والبصیرۃ التامۃ۔ والملکۃ الراسخۃ
حضرت العلام المفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت فیوضہم۔

مُبسلاً و محمدلاً و مصلیاً و مسلماً

حضرت مولانا علامہ فاضل فخر اماثل محمد سرفراز خان صفدرؔ صاحب کی تازہ تالیف تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور اول سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھی، یوں تو علامہ موصوف کی ہر تالیف عمدہ سلیقہ کے ساتھ نہایت تحقیقات پر مشتمل ہر ایک بہت بہت معلومات افزا روح پرور اور دلنشین ہوتی ہے خصوصیت اور بے انتہا قابل قدر خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ بزرگانِ سلف سے ہی ہر بات ماخوذ ہوتی ہے خود رائی کو دین نہیں بنایا جاتا۔ جو آجکل عام ہو رہا ہے۔ مجھے اس کتاب سے کچھ خاص دلچسپی ہوئی اور اس قدر کہ ہارٹ اٹیک اور بلڈ پریشر کی تشخیص پر ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود شروع سے آخر تک دیکھ گیا۔

وجہ یہ تھی کہ تیس ۳۰ سال سے مجھے خود بھی ذاتی تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جس مسئلہ میں جو نظریہ قائم کیا ہے واقع میں وہی راجح و حق ثابت ہوتا ہے جب خوب مکمل اور گہری تحقیقات کی جاتی ہے تو وہ اس سے سرمو تجاوز نہیں کرپاتی پوری تحقیقات کا نچوڑ آخر میں وہی دو لفظی مسئلہ نکلتا آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اس وقت ان حضرت کے علم کا لدنیّ علم ہونا منکشف ہوتا ہے۔ اپنے اس ذاتی تجربہ اور ایسے ہی اور علماءؒ کے اس تجربہ کا یہ نتیجہ دل و دماغ کی تہ میں جم جانا ضروری ہے کہ جو شخص کسی مسئلہ میں بھی ذرہ برابر ان سے اختلاف رکھتا ہے وہ یقیناً کم نظری یا غلط فہمی یا کسی خارجی اثر میں مبتلا ہے۔

ہم چند لوگوں کا ہی نہیں تمام امت کا کم و بیش یہی تجربہ ہے چنانچہ دیوبندی عالم وہی نہیں کہلاتا جو دیوبند کا باشندہ یا تعلیم یافتہ ہو بلکہ ہر وہ عالم دین جو فقہ حنفی و عقائد کے راجح و قوی ترین مسائل پر عامل اور متقی ہو دیوبندی عالم کہلانے لگا۔ دہلی کے شاہ صاحبان لکھنؤ کے مولانا عبدالحی اور دوسرے اطراف کے اہل حق و تحقیق علماء جنہوں نے دیوبند کی شکل نہ دیکھی ہوگی علمائے دیوبند کہلائیں گے۔ حق و تحقیق و تقویٰ ان کی ایسی خصوصیت بن گیا کہ خود اسی کا نام دیوبندیت بن گیا۔

۸-۱۰ سال سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا انکار بعض ایسے عالموں کی طرف سے شائع ہونے لگا جو ہمارے اپنے شمار ہوتے تھے، بہت جی چاہتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس مسئلہ کی پوری

پوری تحقیق لکھدے تو یقیناً ہر مسئلہ کی طرح یہاں بھی حق بات وہی ثابت ہوگی جو ان حضرات کی تحقیق کا دو لفظوں میں ثمرہ شائع ہو چکا ہے پھر ممکن ہے اشتباہ والے بزرگوں کو بھی صحیح راہ نظر آسکے۔ خود تو کم صحت کم فرصت کم استعداد اس سے قاصر تھا بس دل میں یہ تمنا موجزن تھی۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے بڑی محنت جانفشانی اور عرقریزی سے یہ تحقیق مکمل کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے میری وہ دلی تمنا مولانا کے ہاتھوں پوری فرمادی اس لیے حرف حرف مزے لے کر پڑھتا چلا گیا ہر ہر بحث پر دل باغ باغ ہوتا گیا اور دعاؤں میں سرشار ہوتا رہا۔

للہ الحمد بر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

الحمد للہ جیسا دل چاہتا تھا یہ کام انجام پا گیا احادیث کے اسناد کی صحت اور مفہومات کی تحقیقات شبہات کے جوابات ماشاء اللہ نور علی نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو بہترین جزاؤں سے دونوں جہاں میں سرفراز فرمائیں اور تشنہ آنکھوں کے لیے کتاب کو سرمۂ بصیرت بنائیں۔

جمیل احمد تھانوی

جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۱۹ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

اسوۃ الاصفیاء۔ ذروۃ سنام الدین۔ مجاہد جلیل۔ حافظ الحدیث امیر جمعیتہ علماء اسلام پاکستان حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم

واجب الاحترام حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم

سلام اللہ تعالیٰ علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ تسکین الصدور کے اکثر حصے دیکھے اپنے موضوع میں مسلک اہل السنت والجماعت کے بیان میں کافی وشافی ہے اور پچھلی تصانیف سے مُغنی ہے۔ دعا میں یاد فرمائیں

والسلام
محمد عبد اللہ مدرسہ عربیہ مخزن العلوم
عید گاہ خانپور
۷ ر نومبر ۱۹۶۷ء

قدوۃ العارفین۔ زبدۃ المحدثین۔ عمدۃ الفقہاء۔ واُسوۃ العلماء حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالےٰ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہدیہ سنیہ تسکین الصدور موجب سرور وسکون ہوا۔ جستہ جستہ مقامات سے دیکھا دل خوش ہوا۔ ماشاء اللہ آپ نے حیات النبی اور سماع موتٰی پر خوب کلام کیا ہے اور درمیان درمیان میں اصول حدیث اور تنقید حدیث کا طریقہ بھی اچھا بیان کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ فرصت ملی تو کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کروں گا جعلنی اللہ و ایاکم کما یحب ویرضٰی وجعل آخرتنا خیراً من الاولیٰ والسلام۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو آلہ یار (سندھ) ۲۵ ج ۱ ۱۳۸۹ھ

یادگارِ سلف۔ استاذ العلماء۔ العالم النحریر۔ امام الفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد الحق صاحب دامت معالیہم

مخدومی المحترم المکرم حضرت مولانا صاحب۔ شکر اللہ مساعیکم ودمتم للاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے مزاج گرامی بالخیر ہوں گے۔ کتاب "تسکین الصدور" سرور قلب، اور تبرید بصر کا موجب بنا۔ الحمد للہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس عظیم اور اہم کام کی تکمیل اور اس کی اشاعت پذیر ہونے کا موقعہ میسر فرمایا۔ آنجناب جیسے فاضل بے بدل اور محقق یگانہ کی نگارشات کے بارے میں کچھ کہنا گستاخی ہے۔ جن کی تحقیق کا سکہ سب مان چکے ہیں۔

بہرحال تعمیل ارشاد میں اور استفادہ کی غرض سے کتاب کا مطالعہ کیا۔ بحمد اللہ کتاب میں جتنے مسائل کی تنقیح اور تشریح کی گئی ہے۔ سب کو اہل سنت والجماعۃ خصوصاً اکابر دیوبند کے مسلک کے موافق پایا۔ جس محنت اور عرق ریزی سے آپ نے ان مسائل کو تحقیقی دلائل اور اکابر ملت اور معتمد علماء کے اقوال سے مبرہن کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے اتحاد واتفاق اور ان مسائل میں مسلک حق کی پیروی وتمسک بالکتاب والسنۃ کا ذریعہ بنائے۔ مسئلہ حیات انبیاء میں طرفین کے دلائل کو جس تفصیل سے مشرح

فرمایا ہے ۔ خدا کرے اگلے ایڈیشن میں دیگر مسائل از قسم توسّل وغیرہ میں بھی فریق ثانی کے دلائل سے اس تفصیل سے تعرض فرمایا جائے ۔ والسلام

بندہ عبد الحق غفرلہ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

سید العلماء ۔ صفوۃ الصلحاء ۔ سند الابرار ۔ جامع الکمال ۔ صادق الاحوال
حضرت العلام مولانا محمد عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

میں کمترین عبد الخالق مظفر گڑھی تلمیذ و خلیفہ مُجاز حضرت قبلہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد سرفراز خانصاحب کی تصنیف لطیف تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور کو بالاجمال اول سے آخر تک دیکھا ہے اور بعض مواقع تفصیلاً بھی دیکھے ہیں ۔ اس میں مندرجہ مسائل کو نہایت محققانہ طور پہ بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں کئے گئے جملہ اعتراضات کے مسکت جواب دیئے گئے ہیں (۱) قبر کے ثواب و عقاب کے مسئلہ کو چند آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی مسئلہ مانا گیا ہے (۲) اور اعادۃ الروح الی الجسد کو صریح حدیثوں اور جمہور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے (۳) اور جس طرح ہر ذی رُوح کی موت قطعی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی وفاۃ کو قطعی مانا گیا ہے اور کتاب و سنۃ سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اور اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے ۔ (۴) حیوۃ الانبیاء فی القبور کو متواتر احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اس کو بھی اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے (۵) سماع الانبیاء عند القبور بلا واسطہ کو بھی احادیث سے اور حضرات صحابہ کرام رضؓ کی تقریر سے اور جمہور علماء اہل السنۃ کے اقوال سے ثابت مانا گیا ہے ۔ (۶) توسل فی الدعاء کے مسئلہ کو بھی نہایت احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے اور توسل بصالح الاعمال کے جواز بلکہ استحباب کو متفق علیہ اور توسّل بالذات کو مُتنازع فیہ بنزاع لفظی مانا گیا ہے فللّٰہ در المؤلف بارك اللہ تعالیٰ فی حیاتہٖ وفی حسناتہٖ مجھے ان کی تحقیقات سے کلی اتفاق ہے ۔

کتبہٗ عبد الخالق مظفر گڑھی

شیخ الاتقیاء۔ بقیۃ السلف۔ قدوۃ الخلف۔ وحید العصر حضرت العلامہ مولانا خان محمد صاحب عمّت مکارمہم خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات والتحیات۔ فقیر ابوالخلیل خان محمد عفی عنہ

تسکین الصدور فی احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور

حامداً ومصلیاً ومسلماً

اما بعد فقیر نے تالیف منیف "تسکین الصدور" مؤلفہ حضرت مولانا العلام محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم کا مطالعہ بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا اور بحمدہ تعالیٰ احوال موتیٰ کے بارے اس کو اسم بامسمی پایا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ۴۴۵-۴۴۶ھ ہجری میں فرقہ کرامیہ علیہا ما علیہا نے نیشاپور میں امام اہل السنۃ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر افترادت کا ایک طوفان بے پناہ اٹھایا تھا جس کی وجہ جماعت حقہ اہل السنۃ والجماعۃ کو سخت مصائب سے دوچار ہونا پڑا جن کی تفصیل "تبیین کذب المفتری" اور "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں مذکور ہے کہ کرامیہ کے افترادت کا اصل منشاء یہ تھا کہ انہوں نے اپنی فساد طبع اور عناد اہل حق کی بناء پر اولاً اہل السنۃ پر یہ الزام تراشا کہ اہل السنۃ کا خیال وعقیدہ یہ ہے کہ موت کے بعد میت علم وادراک سے بے نصیب ہو جاتا ہے پھر اسی پر یہ شاخ دیگ لگائے کہ اس سے یہ لازم کہ میت سے ایمان بھی مسلوب ہو جائے کیونکہ ایمان بھی علم ومعرفت کا ہی نام ہے مزید براں یہ بھی لازم آئے گا کہ نبی بھی بعد الموت نبوت سے معزول ہو جائے کیونکہ نبوت کا ثمرہ بھی علم ومعرفت ہی ہے۔

امام بیہقی اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہما نے اس دور پرفتن کے مصائب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ ان الزامات کی تردید میں رسائل تحریر فرمائے اور ثابت کیا اہل السنۃ کے نزدیک تو میت کا صاحب ادراک واحساس وجود کے ساتھ قبر میں زندہ ہونا امر مسلم ہے کیونکہ عذاب قبر وثواب قبر جو متواترات شرعیہ میں سے ہے اس کا ترتب بدون حیات متعذر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر مع بقاء اجساد مطہرہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ مجمع علیہا ہے۔ جس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے مثلاً سفر بقصد الزیارت الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عرض صلوٰۃ وسلام در بارگاہ رسالت متوجہاً الی روضۃ الاطہر علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام ابد الدہر، عرض اعمال امۃ اور توسل بسید الانبیاء و

صلحاء امت علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہ مسائل جن پر متعدد اور مستقل رسائل اہل حق علمائے تصنیف فرمائے ہیں خلاصہ یہ کہ حیوۃ الانبیاء فی القبور کا مسئلہ تو تقریباً ضروریات دین میں سے شمار ہو کر امت کا ایک اجماعی مسئلہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما جو مداخل شرک کی تحقیق و تفتیش میں کافی توسع سے کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے سفر الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتوسل بہ علیہ السلام وغیرہ مسائل کو معرکۃ الآراء بنا دیا گیا ہے مگر اصل مسئلہ کے بارے میں ان کی رائے بھی امت مرحومہ کے مسلمہ عقیدہ کے موافق رہی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ رحمہ اللہ خود بعد ذکر دلائل تحریر فرماتے ہیں

یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا موجودین احیاء الخ ص۳۶ کتاب الروح

مقام افسوس ہے کہ دور حاضر میں بعض قاصرین فی العلم طبائع نے اپنی متوحدانہ نظریات توحید میں اس قدر غلو اور تجاوز عن حد الاعتدال اختیار کر رکھا ہے کہ بعض مسنونات و مستحبات کو بھی حدود شرک میں کھینچ لانے کے من مانی تصرفات کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ انہی عناصر نے اپنی متوحدانہ رنگ کی توحید کے نشہ میں عقیدہ حیوۃ الانبیاء کو بھی منافی توحید خود ساختہ قرار دے کر ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور صدیوں کے مردہ کرامیہ کی یاد تازہ کر دی اراھم اللہ تعالےٰ الحق حقا ورزقھم اتباعہ۔

اہل حق نے جب اس شرذمہ قلیلہ کی ان ہنگامہ آرائیوں کو دیکھا تو حفظ دین اور عقیدہ اجماعیہ کے تحفظ کی حتی الامکان سعی فرمائی۔ انفرادی مساعی کے علاوہ اجتماعی طور پر ان مسائل پر ایک مکمل دستور العمل مرتب کرنے کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد سرفراز صاحب کو منتخب کیا۔ جنہوں نے رسالہ "تسکین الصدور" تالیف فرما کر اس مسئلہ میں پوری پوری داد تحقیق دی اور پوری جماعت پر عائد شدہ فریضہ کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ انجام دے کر سب کو سبکدوش کر دیا جزاھم اللہ تعالےٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء وتقبلھا اللہ تعالےٰ منھم قبولاً حسناً۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر استقامت کرامت فرمائے اور اس رسالہ متبرکہ نافعہ سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین ع

ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔

امام الفضلاء۔ سند الابرار۔ رئیس الحکمائ۔ جامع الاصول والفروع۔ جامع المعقول والمنقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالٰے

۸۹۶ء

عزیز محترم مولانا سرفراز صاحب زادکم اللہ تعالٰے علماً وعملاً وانجح مساعیکم للدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ میں آپ نے رشتہ تلمذ کا ذکر کیا۔ ماشاء اللہ آپ کے علمی کمالات کے سامنے اس کا تصور بھی مجھے نہیں ہو سکتا۔ اور ضعف سن اور غلبۂ نسیان کا خدا بھلا کرے اس نے اس سب کو بھلا بھی دیا ہے۔ بہر حال آپ کی سابقہ تصانیف کو اجمالاً دیکھا تھا اور مرسلہ کتب تنقید متین اور تسکین الصدور کو کسی قدر تفصیلاً دیکھنے کی نوبت آئی۔ جوں جوں دیکھتا جاتا تھا دل سے دعائیں نکلتی تھیں کہ ماشاء اللہ تحقیق کا حق بھی پورا ادا کر دیا اور دوسروں پہ تنقید کا طرز بھی بہت اچھا اور متین ہے۔ آج کل کے انشا پردازوں یا واعظوں کی زبان اختیار نہیں کی۔ جس میں الزام تراشی اور فقرے کسنے کا جذبہ اصلاح کے جذبہ کو دبا دیتا اور بے اثر بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالٰے آپ کے علم اور حسن عمل اور اخلاص میں ترقیات لامتناہی عطا فرمائیں ؎

ہمچنیں می رو کہ زیبا می روی

یہ ناکارہ تو پہلے بھی ناکارہ ہی تھا اور اب تو ضعف سن اور ہجوم افکار نے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ اپنے چند رسائل جدیدہ بھیج رہا ہوں۔ دعاؤں میں کبھی احقر کو بھی یاد فرمایا کریں تو عنایت ہو یہاں ایک ضروری بات یاد آئی کہ آجکل کے پیش آنے والے نئے مسائل جو مشینی دور نے پیدا کر دیے ہیں اس طرح کچھ اور مسائل جو عوامی اور عمومی ضرورت اختیار کر چکے ہیں، ان کے متعلق احقر کی پرانی تجویز دیوبند کے زمانے سے یہ تھی کہ ایسے مسائل میں انفرادی فتووں سے اجتناب کیا جائے۔ اجتماعی صورت سے کسی نتیجہ پر پہونچکر جواب لکھے جائیں اگر باوجود بحث وتمحیص کے آپسمیں اختلاف بھی رہے تو اس اختلاف کو بھی معتدل صورت سے اسی فتوٰی میں واضح کر دیا جائے۔ دیوبند میں تو اللہ کے فضل سے اپنے اساتذہ موجود تھے اور سب کے بزرگ حضرت تھانوی قدس سرہ موجود تھے احقر نے کسی ایسے مسئلے میں ان حضرات سے استصواب کے بغیر قلم نہیں اٹھایا۔ پاکستان میں یہ میدان بالکل خالی نظر آیا جس سے کمر ٹوٹ رہی ہے مگر تاہم ضروری کام چھوڑے نہیں جا سکتے اس لیے بڑے پیمانے پر علماء کی رائیں جمع کرنے کی تو ہمت فرصت نہ نکل سکی۔

کراچی شہر میں علماء اہل فتوی کی ایک مجلس ہم نے مقرر کرلی ہیں جس میں مولانا محمد یوسف بنوری نیوٹاؤن کراچی سے مولانا مفتی رشید احمد مدرسہ اشرف المدارس سے اور ان کے دوسرے رفقاء اور اپنے دار العلوم کے چند اہل علم ماہ بماہ جمع ہو کر ایسے مسائل پر بحث وتمحیص کر کے کچھ لکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں اس وقت تک مسائل ذیل مستقل رسالوں کی صورت میں تیار ہو چکے ہیں۔ اب ان کی اشاعت اس مقصد کے لیے کرنے کا ارادہ ہے کہ اپنے ملک اور بیرون ملک کے علماء کے پاس پہلے بھیجے جائیں ان حضرات کی آراء حاصل ہو جائیں تو ان کو شامل کر کے مکرر اشاعت عام کی جائے۔ رسائل یہ ہیں

تداوی باجزاء الانسان ۔ بیمہ زندگی ۔ پراویڈنٹ فنڈ۔ بلاسود کی بنکاری ۔ مشینی ذبیحہ ۔ مواقیت حج اور عمرہ ۔

ماشاء اللہ آپ کی وسعت نظر اور ذوق تحقیق کے پیش نظر دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس مجلس میں بھی آپکی شرکت ہوتی تو بہتر تھا مگر بُعد بعید کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا۔ اب یہ رسائل طبع ہوتے ہی میں آپ کے پاس بھیجوں گا۔ غور وفکر کے ساتھ دیکھ کر اپنی رائے ثبت فرمادیں۔ طباعت میں ظاہر ہے کہ کافی مدت لگے گی اس لیے یہ بھی ارادہ ہے کہ اگر اس درمیان کبھی لاہور وغیرہ کا سفر ہوا تو مسودات ساتھ لاؤں اور آپ کو دیکھنے کے لیے دوں۔ واللہ الموفق والمعین   والسلام   محمد شفیع دار الافتاء، دار العلوم کراچی ۱۴

مجاہد حق گو۔ فاضل عصر۔ کامل دھر۔ صادق الاحوال حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۱ شعبان ۱۳۸۸ھ

بخدمت صاحب المجد والسعادۃ جناب مولانا سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم جناب مولانا عبد العزیز صاحب زاد اللہ فضلہ نے آپ کی لکھی ہوئی کتاب "تسکین الصدور" فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور ہدیۃ دی۔ میں خود بھی اس کتاب کے انتظار میں تھا کتاب میں جو مسائل حقہ آپنے جمع کی ہیں اور اہل سنت والجماعت کے صحیح مسلک وعقیدہ کی جو آپنے ترجمانی کی ہے، اس کے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کے مجلس شوری نے آپ پر پورے اعتماد کے ساتھ مسائل مذکورہ کی ترتیب و جمع

جو خدمت آپ کو سپرد کی تھی۔ یقیناً آپ اس اعتماد کے پورے اہل ہیں پاکستان میں اہل سنت والجماعۃ حنفی مسلمانوں کا عظیم غلبہ اور اکثریت ہے پاکستان میں دشمنانِ اسلام اعتزال وخارجیت کے فتنے پیدا کر رہے ہیں تاکہ پاکستان میں اہل سنت والجماعت حنفی مسلمانوں کی جو عظیم وحدت ہے اس کو توڑ دیا جائے اور آسانی سے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالدیا جائے۔

علماءِ حق مسلمانوں کے ایمان کے محافظ ہیں۔ آپ نے اس حفاظت کا پورا فریضہ ادا کیا۔ ہمارا پختون علاقہ جو کل کے کل اہل سنت والجماعت حنفی مسلمان ہیں آپ کی اس کتاب سے ان کو پوری تسکین ہوگی اللہ آپ کو جزاءِ خیر دے اور خدمتِ دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

سید گل بادشاہ امیر جمیعۃ علماء اسلام پشاور ڈویژن

اقامت گاہ سواریان طلعو ضلع مردان

امام المناظرین۔ صاحب الرأی الصائب۔ ذوالفہم الثاقب حضرت مولانا الحاج دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ تعالےٰ

حضرت مولانا زید مجدہٗ

سلام مسنون۔ جناب کی تصنیف شدہ تسکین الصدور بوساطت مولانا عبد العزیز صاحب پہنچی اس عاجز نے اس سے پہلے اسکے اہم مقامات کا مطالعہ کر لیا تھا جناب نے اس کتاب میں ہمارے اسلاف کی صحیح ترجمانی اور تشریح فرمائی ہے خدا تعالےٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کے لیے اسے مشعل راہ بنائے۔ ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فقیر دوست محمد قریشی صدر تنظیم اہل سنت پاکستان۔

عالم نحریر۔ فاضل بے نظیر۔ جامع العلوم النقلیہ والفنون العقلیہ۔ ذوالمجد الفاخر والفہم الباہر حضرت العلام مولانا المفتی احمد سعید صاحب عم فیضہم العمیم

ھوالحی القیوم

ذوالمجد والکرم جناب مولانا صاحب مدظلہ،
السلام علیکم وعلی من لدیکم۔ مزاج شریف۔

کتاب تسکین الصدور کے متعدد اور اکثر مقامات کا مطالعہ کیا الحمد للہ کتاب دفع وساوس کے لیے کافی اور

اطمینان قلب کے لیے وافی ہے۔ منصفت کے ہاتھ ایک مشعل ہدایت ہے اور متردد کے لیے برہان ساطع۔ بلاریب یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ میں سفر پہ تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہوگئی۔

والسلام خیر الختام احمد سعید عفی عنہ

از جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا

۲۲ر جنوری ۶۹ء

المجاہد الجلیل۔ مخزن محاسن الاخلاق۔ ناشر عقیدۃ الاکابر۔ ربیع ریاض الاسلام مقتدائے انام۔ ابوالاعجاز حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب کثر اللہ تعالیٰ امثالہم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد: ۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صفدر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کا علم وتقویٰ۔ علماء وصلحاء کے نزدیک مسلم ہے۔ جلّہ علماء نے موصوف کو اس مہتم بالشان امر کے لیے منتخب کیا۔ بحمد اللہ تسکین الصدور اہل انابت کے لیے اسم بامسمیٰ ثابت ہوئی۔ معاندین کے لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور حجۃ اللہ فی الارض کتاب اللہ آخری کتاب بھی باعث ہدایت نہیں ہوتی جو شخص بھی خصوصاً اہل علم غائرانہ مطالعہ کرے گا تو تہ دل سے یہی فیصلہ کرے گا کہ اہل علم اور طلباء کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ حوالجات کا ذخیرہ موجود ہے۔ اور مستحکم دلائل اور واضح حجج سے مسئلہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام کو مبرھن اور واضح فرمایا۔ اصول حدیث میں مہارت رکھنے والے علماء حضرت موصوف کو ہمیشہ داد تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتے اور طالبین حق کی گردن پر بہت بڑا احسان ہے۔ منصف اور منیب کے لیے وسیلہ ہدایت اور معاند اور مخالف کے لیے فزادھم اللہ مرضاً۔ من یھد اللہ فھو المھتد ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا المعاندین۔ وما ھو الا شفاء لما فی الصدور ھی شمس الضحیٰ او بدر الدجیٰ فی حیاۃ الانبیاء کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ متکلمین محدثین اور فقہاء کے اقوال وآراء سے مسائل کو مدلل فرمایا۔ خداوند کریم باقیات صالحات کو قبول فرما کر مابہٖ ثواب آخرت فرمائے اور قیامت تک اس کتاب مستطاب سے علماء اور طلباء کو مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

وما التوفیق الا باللہ العزیز الحکیم۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

صلی اللہ علیٰ من قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین۔

راقم الحروف حفیظ الرحمٰن الشہیر محمد نذیر اللہ خان الدیوبندی الحنفی خطیب جامع مسجد حیات النبی گجرات

مسقطہ پنچوڑیاں من مضافات کاریاں من ملحقات گجرات ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

عمدۃ الاقران والاماثل۔ ذوالمجد الفاخر والعلم الذاخر منطقۃ بروج الفضائل مطرح انظار السادۃ والافاضل قائد جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نفعنا اللہ تعالیٰ بعلمہم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ ھداۃ خلق اللہ فی احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور اما بعد زیر نظر کتاب تسکین الصدور مصنفہ مخدوم محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی کا بغور مطالعہ کیا۔

مولانا موصوف نے جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے فیصلہ کے مطابق اس کتاب کی تالیف کی ابتدا فرمائی اور مسودہ کی تکمیل کے بعد ملتان کے مجلس علماء کے ایک اجتماع میں اس مسودہ کو پڑھ کر سنایا۔ میں خود اس مجلس میں شریک تھا۔ بعض مقامات میں انہیں ترامیم کے لیے مشورہ بھی دیا جو مولانا نے بخوشی قبول فرمایا آخر منظوری کے بعد حضرت مولانا نے اُسے پھر سے مرتب کر کے کتابت وطباعت کی زینت سے آراستہ فرمایا فجزاھم اللہ احسن الجزاء حضرت مولانا نے بالکل مثبت علمی انداز میں اہل السنت والجماعت کے متفقہ عقائد کو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کتاب وسنت اور اقوال فقہاء ومتکلمین اُمت کے جامع استدلالات سے مسلمانوں کے سامنے پیش فرمایا کسی مخالف کی تشخیص وتعیین یا اس پر تنقید وتنقیص سے کامل احتراز کیا۔ عبارت سلیس۔ صاف اور عمدہ اختیار کی گئی ہے۔ جس کے پڑھنے سے مطالب خود بخود ذہن میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں میں اس دینی عظیم خدمت پر مولانا موصوف کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کر کے دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس تالیف کو قبول فرما کر عامۃ المسلمین کے لیے مفید بنائے اور اسے زائغین کی ہدایت کا ذریعہ بنا کر حضرت مولانا موصوف کی فلاح دُنیوی ونجات اُخروی کا سبب بنا دے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم قاسم العلوم "ملتان" و

ناظم عمومی کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق دورِ حاضر کے

اکابر دیوبند کا مسلک

اور ان کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے۔ اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین۔ اور متکلمین اہل سنت والجماعۃ کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر "آب حیات" کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لیے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعوے کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(۱) مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

(۲) مولانا عبد الحق عفی عنہ مہتمم دار العلوم
حقانیہ اکوڑہ خٹک

(۳) مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ،
سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور

(۴) مولانا ظفر احمد عثمانی، عفا اللہ عنہ
شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہیار سندھ

(۵) مولانا شمس الحق عفا اللہ عنہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

(۶) مولانا محمد ادریس کان اللہ لہ
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

(۷) مولانا مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (۸) مولانا رسول خاں عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (۹) مولانا مفتی محمد شفیع عفا اللہ عنہ مہتمم دار العلوم کراچی

(۱۰) مولانا احمد علی عفی عنہ امیر نظام العلماء وامیر خدام الدین لاہور (تلک عشرۃ کاملۃ)

(ماہنامہ پیام مشرق لاہور جلد ۳ شمارہ ۴ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ / ستمبر ۱۹۶۰ء)

س کتاب کے موضوع کے مناسب چند اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا ایک تازہ استفتاء اور اس کا جواب افادۂ عوام کے لیے شامل کیا جارہا ہے جو درج ذیل ہے۔

بخدمت اکابرین دیوبند رحمہ کے جانشینان کرام متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائکو بالخیر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ —— عرض یہ ہے کہ آج کل بعض حضرات ① انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حیات برزخی جسمانی کا انکار کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر میں بھی کسی حس و حرکت کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی روضہ پاک پر سلام عرض کرنے والے کے سلام سننے کے قائل ہیں اور ساتھ ہی اس خیال کو اکابر دیوبند کا مسلک بتاتے ہیں ② عالم برزخ میں ثواب و عذاب کا تعلق صرف روح سے مانتے ہیں جسم عنصری پر عذاب و عتاب کے قائل نہیں ہیں اور اسے دیوبندی مسلک قرار دیتے ہیں۔ ③ ذوات انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کو صحیح نہیں سمجھتے اور اسے بزرگان دیوبند کا مسلک سمجھتے ہیں ④ سماع موتیٰ کے قائل ہونے کو شرک کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے ہیں سوال یہ ہے کہ آپ حضرات جو مسلک دیوبند کے ترجمان ہیں اور بزرگان دیوبند کے سابقین اولین سے براہ راست مستفیض اور مستفید ہونے والے ہیں یہ وضاحت فرماویں کہ مندرجہ بالا خیالات رکھنے والے صاحبان مسلک دیوبند سے منسوب و منسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور کیا اکابرین دیوبند کا یہی مسلک تھا یا یہ ان کی ذاتی آراء ہیں اور بزرگان دیوبند کے مسلک سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بیّنوا توجروا، السّآئلون

حضرت مولانا (خان محمد) صاحب خانقاہ سراجیہ، نزد کندیاں ضلع میانوالی —— مولانا (محمد رمضان) صاحب مہتمم مدرسہ تبلیغ الاسلام میانوالی —— حافظ (سراج الدین) صاحب کلورکوٹ

الجواب وباللہ التوفیق

مسائل مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بارہا اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ نیز علماء دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں عام و خاص میں معروف و مشہور ہیں مثلاً (۱) آب حیات (۲) جمالِ قاسمی (۳) نشر الطیب (۴) الشہاب الثاقب، (۵) المصالح العقلیہ (۶) فیض الباری (۷) المہند علی المفند (۸) اور متفقہ اعلان وغیر ذلک (۹) حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ —— چنانچہ المہند علی المفند میں بجواب سوال خامس صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیوٰۃ عام مومنین یا عام لوگوں کی طرح برزخی ہی نہیں ہے بلکہ عالم برزخ میں دنیوی (جسمانی) ہے مگر مکلف بالاعمال نہیں ہیں اور یہ

www.Ahnaf.com

حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع انبیاء علیہم السلام کے خصوصیات میں سے ہے۔

واضح رہے کہ اس مضمون پر علماء دیوبند کے طبقہ اولیٰ وعلیا کے تقریباً تمام اکابرین کے دستخط موجود ہیں مثلاً شیخ الہند حضرت تھانویؒ، مفتی عزیز الرحمٰنؒ، حضرت شاہ عبد الرحیمؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے تو یہ مضمون خود ہی تحریر فرمایا ہے ——— ب ——— اسی طرح تقسیم ہند کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب اس مسئلہ حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بعض صاحبان کی تقریروں اور تحریروں سے بزرگانِ دیوبند کا مسلک مشتبہ ہونے لگا تو اس وقت کے اکابر علماء نے بھی متفقہ اعلان کے نام سے اپنی دستخطوں سے ایک تحریر شائع کر کے مسلک دیوبند کی وضاحت فرمائی چنانچہ اس وقت بھی وہ مقام حیات از مولانا خالد محمود اور دوسرے رسائل میں مطبوع ہے۔ اس میں بہ صفائی سے لکھا گیا ہے کہ ——— حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاً کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسدِ عنصری کے ساتھ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیاتِ دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس پر جو درود شریف پڑھے وہ بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے ——— اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ——— اس متفقہ اعلان پر مرحومین حضرات میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ خلیفہ اجل حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا رسول خانصاحب سابق اعلیٰ مدرس دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مؤلف اعلاء السنن ورحمۃ القدوس وغیرہ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

عذاب قبر:۔ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک قبر میں ثواب وعتاب کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ رہتا ہے اور جسم سے جسمِ عنصری مراد ہے نہ کہ جسم مثالی جو کہ حقیقی جسم نہیں ہے۔ بلکہ عالم مثال کے آئینہ میں جسم کا ایک عکس ہے کما صرح بہ المجددؒ الالف الثانیؒ اور جیسا کہ کتبِ فقہ وعقائد میں مذکور ہے کہ ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذٰلک یحصل لروحہ وبدنہٗ (کتاب الروحؒ) یہی اکابرینِ دیوبند کا مسلک ہے۔

توسل بالانبیاء والصلحاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ——— توسل بالانبیاء علیہم السلام بھی بزرگان دیوبند کے نزدیک جائز ہے المہند علی المفند ص۲۸ مطبوعہ جہلم۔ نشر الطیب للعلامۃ التھانویؒ اور الشہاب الثاقب للشیخ المدنیؒ میں اس کی تصریح موجود ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے تحت توسل بالمقبولین کو جائز قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا مآل بھی توسل بالصفات ہی

ہے۔ کانہ یقول برحمتک وفضلک علی فلان ادعوا منک ھذا اھ۔

سماع موتیٰ :۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں فرمایا ہے وھذا السلام (ای السلام عند زیارۃ القبور) والخطاب والنداء لموجود یسمع ویعقل ویرد السلام وان لم یسمع المسلم الرد والسلف مجمعون علیٰ ھذا وقد تواترت الآثار عنھم بان المیت یعرف الحی ویستبشر بہ ـــــ ہمارے مشائخ بھی فی الجملہ سماع موتیٰ کے قائل ہیں جیسا کہ فیض الباری للعلامۃ الکشمیریؒ وغیرہ میں ہے اور اسے ہرگز شرک کی بنیاد قرار نہیں دیتے۔ جو لوگ ان مسائل میں کچھ اور رائے رکھتے ہوں وہ کچھ بھی ہوں بہرحال مسلک دیوبند سے ان کا تعلق نہیں ہے انہیں بزرگانِ دیوبند کی طرف غلط نسبت نہیں کرنی چاہیئے ـــــ واضح رہے کہ بزرگان دیوبند کے یہ نظریات بحمد اللہ قرآن و سنت اور سلف صالحین کی تصریحات کے عین مطابق ہیں ـــــ سائلین کو چونکہ صرف مسلک دیوبند کا تعین اور تشخص مقصود تھا اس لیے صرف مسائل کے بیان پر اکتفاء کیا گیا دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

کاتب الحروف عبدالکریم عفی عنہ
بحکم سیدی حضرت افغانی مدظلہ

دستخط و مہر
مولانا شمس الحق افغانی عفا اللہ

دستخط و مہر
مولانا محمد یوسف بنوری

احمد الرحمٰن غفرلہ

ولی حسن عفا اللہ

از احقر جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا افغانی زید معالیہم کا املائی جواب حق و صواب ہے۔ چاروں مسئلوں میں علمائے دیوبند کا یہی مسلک ہے بلکہ ② کل اہل السنت والجماعت کا اجماعی یہ مسئلہ ہے۔ عدم حیات کا قول تو صرف بعض معتزلہ اور رافضیہ کا ہے۔ اہل حق میں سے کسی کا نہیں البتہ اہل السنت والجماعۃ میں تین قول ہیں (۱) حیات من وجہ کا مسلسل رہنا (۲) منقطع ہو کر عود کرنا پھر منقطع ہو کر عود کرنا (۳) منقطع ہو کر عود کرنا اور تاقیامت رہنا مگر یہ اختلاف ترجیح [illegible] باطل کا نہیں ہے اور معتزلہ سے حق و باطل کا اختلاف ہے چونکہ عذابِ قبر تواتر سے ثابت ہے اور بغیر حیات کے ثواب و عقاب نہیں ہو سکتا اس لیے حیات قبری ہر انسان کیلیے اس قدر یقینی و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جس سے عذاب و ثواب کا ادراک ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست فتاویٰ عزیزی ج ۱ صـ ۹۳، بحذف دلائل تفصیلی دلائل وہاں ہیں ② جمہور امت کے نزدیک قول اصح جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے اور عذابِ قبر اس کے متواتر ثبوت کی دلیل ہے کیونکہ عذابِ قبر اسی کو ہوتا ہے جو قبر میں ہو، اگر قبر میں فقط جسم ہو تو نہ عذاب ہے اور نہ ثواب کہ وہ ادراکات سے خالی ہے اور صرف

روح قبر میں ہو جسم نہ ہو یہ ظاہر ہے کہ باطل ہے لہذا دونوں پر عذاب ہوگا، عذاب قبر سے صرف عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار رہے گا قبر خاص ہے برزخ (جو موت سے قیامت تک کا زمانہ ہے) عام ہر قبر تو برزخ ہے مگر برزخ ہر ایک قبر نہیں جو عام خاص کا خاصہ ہے اگر عذاب قبر ہو تو عذاب برزخ ہے۔ عذاب برزخ عذاب قبر نہیں اگر صرف روح کو عذاب مانا گیا تو وہ قبر میں نہیں ہوگا تو عذاب قبر نہ ہوا گو عذاب برزخ ہوگا یہ انکار متواتر کا ہے۔ ③ وسیلہ اس کی ذات سے ہو تو بے اصل ہوگا لیکن حق تعالیٰ کی ایسی صفت سے ہو جس کا تعلق اس سے ہے مثلاً محبت و نسبت وغیرہ پھر تو وسیلہ صورۃً گو ان سے کیا جا سکے حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی صفت سے ہے اس کو ناجائز کون کہہ سکتا ہے فقط حدیث شریف میں انبیاء سے توسل آیا ہوا ہے بعیسٰی روحک و موسٰی نجیّک او کما قال لمبی حدیث ہے ④ میں ہمارے بزرگوں نے احتیاط کی ہے کہ صحابہ میں اختلاف رہا ہے ایسا نہ ہو دوسروں کی بے تعظیمی ہو جائے مگر مدار اس کا حیات پر ہے اگر حیات بقدر ادراک عذاب و ثواب ثابت ہو، تو سماع بھی ثابت ہے اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حیات بقدر ادراک نعم و نقم ثابت ہے حیات کے لیے سماع لازم ہے یہی بات علامہ سیوطیؒ نے اس کو سوال و جواب کر کے نظم بھی کیا ہے جس میں یہ شعر بھی ہے (الحاوی ج۲ ص۱۷۴)۔

؎
سماع موتٰی کلام الخلق معتقد
جاءت بہ عندنا الآثار فی الکتب

یعنی جمہور اُمّت کا عقیدہ ہے احادیث قریب بمتواتر دلالت کرتی ہیں مثلاً احادیث سلام احادیث معرفت قاتل وغیرہ احادیث تلقین جو بکثرت وارد ہیں اور مجموعہ متواتر بن جاتا ہے اس لیے حضرت شاہ صاحب سرخیل علماء ہند کا ہی فتویٰ راجح و قوی صحیح ترین معلوم ہوتا ہے۔ اور علماء دیوبند وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو ان اسلاف کا تھا اور چودہ سو سالہ اسلاف کا ہے۔

مہر و دستخط
جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور ۱۳؍ رمضان ۱۴۰۶ھ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کا مسلک

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۵۹ء ص ۱۰۵ میں ایک مفصل استفتاء ہے۔ جس کی پانچ شقیں ہیں۔ جن میں دو یہ ہیں۔ نمبر ۴ آیا روح مبارک کا تعلق بدن پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے، یا نہیں؟ نمبر ۵ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع عند القبر احناف اور علماء دیوبند کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟ جو جواب تحریر فرمایا جائے اس پر حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب کے دستخط ضروری ہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اُن کی اور اُن کی جماعت کی اس مسئلہ میں کیا تحقیق ہے؟

(السائل عمر حیات شاہ ۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ)

الجواب واللہ الموفق للصواب (پہلی تین شقوں کا جواب سُننے کے بعد) ۴ تعلق باقی ہے چنانچہ فتح العزیز کی عبارت مذکورہ میں مصرح ہے و تعلقے بہ قبر نیز ارواح را میباشد۔ قبر کے ساتھ تعلق باقی ہے تو اجساد کے ساتھ خود باقی ہے اور فقہاء کرام نے بھی تصریح کی ہے کہ تنعّم وغیرہ میں اجساد کو بھی شمولیت ہے اور وہ اسی بقاء تعلق پر مبنی ہے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ یہ تعلق مثل تعلق دنیا کے ہے۔

۵ کئی اکابر علماء نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے، خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ بلفظہ

عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ
الجواب صحیح لاشک فیہ غلام اللہ خان

مہر دار الافتاء

جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اپنا فتویٰ

تسکین الصدور ص ۲۸۳ و ص ۲۸۴ میں ہم نے ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست ۱۹۶۰ء ص ۳۲ کے حوالہ سے جناب شاہ صاحب کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ جس پر پچاس علماء کرام کی تصدیقات موجود ہیں۔ اس فتوے کے آخر میں ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بعد الموت سب سے اعلیٰ و ارفع اجمل و افضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی یہ جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اس پر کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شاہد ہیں بلفظہٖ

عنایت اللہ شاہ بخاری عفی عنہ مسجد جامع گجرات

حضرات علماء دیوبند کے نزدیک یہ حیات دنیویہ برزخیہ ہے دنیویہ تو اس لیے کہ روح مبارک کا تعلق اس جسد اطہر سے ہے جو آپ کو دُنیا میں حاصل تھا گو وہ حیات اہل دُنیا کے ادراک و شعور سے بالاتر ہے اور وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کا مصداق ہے اور برزخیہ اس لیے ہے کہ برزخ میں ہے ظاہر امر ہے کہ یہ حیات روح کی تو ہرگز ہو نہیں سکتی کیونکہ روح پر تو موت نہیں آتی موت تو جسم پر وارد ہوتی ہے اور یہ حیات برزخیہ بقول جناب شاہ صاحب کتاب اللہ (یعنی بَلْ أَحْيَاءٌ الآیۃ) اور احادیث صحیحہ (مثلاً فتعاد روحہ فی جسدہ وغیرہ) اور ارشادات حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اور یہی جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے جب حیات ثابت ہے تو اسی حیات کی وجہ سے اہل اسلام عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں اور اسی بات کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ یوں بیان فرماتے ہیں "مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اھ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۰۰ ج۱ طبع دہلی)۔ اور یہ بات حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کو بھی مسلّم ہے۔ کیونکہ روضہ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلاواسطہ حضورؐ پر پیش ہوتا ہے اور آپ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں اھ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص۱۱۲ ج۱ اور اسی کے بارے ماہنامہ تعلیم القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء ص۱۸ میں ہے

باقی رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے سماع کا مسئلہ تو اس میں فریقین کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا الخ تو ہماری گذارش ہے کہ اس اتفاقی مسئلہ میں اختلاف پیدا کرنا چھوڑ دیں اور جرأت کا مظاہرہ کریں۔ راقم اثیم بھی پہلے جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا جناب شاہ صاحب بخاری گجراتی کے غلو کی وجہ سے الگ ہوا ہے اس دیرینہ تعلق کی بناء پر جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بزرگوں سے پُر زور اپیل ہے کہ جمہور اہل اسلام اور اہل السنت والجماعت کے مدلل بالکتاب والسنۃ اور منصور بالبراہین

مسلک کو ترک نہ کریں اور تمام مصلحتوں سے بالاتر ہو کر حق بات کہنے کا واشگاف اعلان کریں ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست کی توفیق مرحمت فرمائے مگر ؎

تغافل ان کی عادت ہے مناجاتیں مرا شیوہ　　نہ وہ طرزِ ادا بدلے نہ میں رنگ دعا بدلا
زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا　　نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا

دیباچہ

(طبع دوم)

مبسملاً و محمدلاً و مصلیاً

تسکین الصدور لکھنے کی وجہ؟

اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کی وجہ اجمالی طور پر طبع اول میں مذکور ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے تفصیل سے اس کی وجہ عوام کے سامنے عرض کر دی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کو بھی اس کا علم ہو سکے اور بات کی تہ تک پہنچنا ان کے لیے آسان ہو۔

(۱) چند سال ہوتے ہیں کہ پاکستان کی زرخیز زمین میں بعض حضرات نے بزعم خود توحید کے نشہ سے سرشار ہو کر کچھ ایسے نظریات اپنا رکھے ہیں جو اہل السنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تصریحات کے بھی سراسر خلاف ہیں لیکن وہ حضرات محض سینہ زوری کے ساتھ اپنے ان نظریات کو علماء دیوبند کے نظریات بتانے اور باور کرانے کے درپے ہیں اور بعلاوہ جلسوں میں ان کی خوب تشہیر کرتے ہیں اور اس طریق کو وہ بزعم خویش توحید کا ایک حصہ یا شرک کے رد کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں اور بقول ان کے ان نظریات کی تشہیر نہ کرنے سے قوم کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا شدید خطرہ ہے لہذا اس میں مداہنت کسی طرح بھی روا نہیں ہے اور بالعموم وہ انہی نظریات کی تبلیغ و تشہیر کو اپنی مستعار اور فانی زندگی کا عظیم مقصد سمجھتے ہیں اور اسی کے لیے ہمہ تن وہ کوشاں رہتے ہیں ان کے بعض نظریات یہ ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر کے ساتھ قبر شریف میں کوئی تعلق نہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) ہاں دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر قبر مبارک میں بالکل محفوظ ہے۔

(۲) آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا سماع نہیں فرماتے ہاں خرقِ عادت کے طور پر جیسے اللہ تعالیٰ پتھروں کو سنا سکتا ہے ویسے ہی آپ کو بھی سنا دے تو جدا بات ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۳) عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کی جتنی حدیثیں ہیں وہ ان کے خیال میں موضوع اور جعلی اور کم از کم ضعیف ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۴) الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ کی حدیث ان کے نزدیک باطل۔ نہایت ضعیف اور بے اصل ہے۔ ان کے نزدیک تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان کے نزدیک یہ ساری کاروائی ارواح کرتی ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد عنصریہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۵) قبر میں ثواب و عذاب کا تعلق صرف روح سے وابستہ ہے بدن عنصری کا اس سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر بدن تسلیم بھی کیا جائے تو بدن مثالی ہے (جسے ان کے وکیل نفس ناطقہ اور نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ندائے حق ص۲۱۲) بدنِ خاکی و عنصری ہرگز نہیں۔

(۶) عند القبور عام مُردوں کے سماع کا نظریہ ان کے نزدیک مشرکانہ نظریہ اور خیال ہے اور سماع الموتیٰ کا قائل ان کے خیال میں مشرک ہے اور اقل درجہ یہ ہے کہ بذریعہ شرک ہے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا امت میں سے کسی بزرگ شخصیت کے طفیل وسیلہ برکت اور حرمت وغیرہ سے دعاء کرنا ھٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِندَ اللّٰہِ کا مصداق ہے جو حرام اور خالص شرک ہے اور انہی نظریات کی الاقوال المرضیہ۔ شفاء الصدور۔ ندائے حق اور اقامت البرہان وغیرہ میں تائید کی گئی ہے اور بخیال خویش ان کو مبرھن کیا گیا ہے مگر یہ نظریات اہل السنت والجماعت کے نظریات کے سراسر خلاف ہیں اب اگر انہوں نے کلًّا یا بعضًا ان نظریات سے رجوع کر لیا ہو تو ہمیں علم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے لیکن پہلے ان کے یہی نظریات تھے

پاکستان کی مشہور دینی مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر ان میں سے بعض حضرات نے اپنے

نظریات کی تبلیغ شروع کر دی جس کا اسی موقع پر شدید ردعمل ہوا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکابر کی تائید کرتے ہوئے علمی طور پر باحوالہ جلسۂ عام میں ایسے غلط نظریات کی تردید کر دی جس سے ان نظریات کے بعض حاملین حضرات کو بہت ہی صدمہ ہوا اور یہ تردید انہیں سخت ناگوار گذری اور اس کارروائی کو انہوں نے اپنی ذاتی توہین سمجھ کر پھر اپنے نظریات کی برملا ہر جگہ تشہیر شروع کر دی۔

③ اس راقم اثیم سے لے کر مرکزی اکابر تک بعض بزرگوں نے اس معاملہ کو سلجھانے اور عوام کو افتراق سے بچانے کے لیے حتی الوسع کوشش کی مگر صد افسوس ان حضرات پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور معاملہ بجائے سلجھنے کے مزید الجھ کر رہ گیا حتیٰ کہ فخر الاماثل رئیس المتکلمین الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند کی علمی اور مرکزی طور پر بین الاقوامی شخصیت کو درمیان لایا گیا اور حضرت نے راولپنڈی میں طرفین کے ذمہ دار حضرات سے ذیل کی تحریر پر دستخط لے کر صلح کرا دی اور تشتت و افتراق سے بچنے کی یوں تلقین فرمائی کہ

> عامۂ مسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے۔
>
> وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پہ حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔

احقر محمد طیب (راولپنڈی)

نور محمد قلعہ دیدار سنگھ

محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ ۔ لاشئ غلام اللہ خان

۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ ۔ ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

الغرض مصالحت کی یہ دستاویز پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور معاملہ فریقین میں طے ہو گیا تو اس مسئلہ کو اٹھانے والے بزرگ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اس معاہدہ کو منسوخ کرانے کے لیے اپنے بعض

دوستوں کے ساتھ لاہور پہنچے جہاں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم ہندوستان جانے کے لیے تیار تھے چونکہ حضرت کو اپنے پروگرام کے مطابق دیوبند پہنچنا تھا اور مزید ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی اور ان میں سے بعض حضرات کو اس تحریر کو منسوخ کرانے پر شدید اصرار تھا اس لیے بات طے نہ ہو سکی البتہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم نے یہ فرمایا کہ میری سمجھ میں جو بات آسکتی تھی وہ میں کر چکا ہوں اگر مزید آپ کچھ کرنا اور کہنا چاہتے ہیں تو حضرت، مولانا خیر محمد صاحب جالندھری ؒ کی طرف مراجعت کریں جو یہاں پاکستان ہی میں رہتے ہیں یہ فرما کر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم دیوبند تشریف لے گئے۔

(۴) اس کے بعد پھر اس سلسلہ کا اجتماع ملتان میں ہوا اور وہاں کچھ ایسی ناگفتنی باتیں اور نامناسب کاروائیاں ہوئیں کہ شرم و حیا بھی سر پیٹ کر رہ جائے چونکہ معاملہ کو کھٹائی میں ڈالنا مقصود تھا اس لیے کامیابی نہ ہوئی اور معاملہ جوں کا توں الجھاؤ میں رہا اور تحزّب و افتراق کا یہ دروازہ بند نہ ہو سکا۔ فالی اللہ المشتکیٰ

(۵) ارباب علم و بصیرت تو ان تمام مسائل کی شرعی اور فقہی حقیقت کو جانتے ہی تھے لیکن طلبہ کرام اور عوام شش و پنج میں مبتلا تھے کہ دونوں طرف مولوی ہیں اور اپنے کو دیوبندی کہلاتے اور دیوبندی مسلک سے وابستہ بتاتے ہیں اور ان مسائل میں ان کے بیانات بالکل متضاد ہیں اب ہم کہاں جائیں؟ اور کس کو حق پر سمجھیں؟ اور کس نظریہ اور عقیدہ کو اپنائیں؟ اور کس نظریہ کو اکابر کے مسلک کے عین مطابق اور کس کو مخالف سمجھیں؟ اس مجبوری کے پیش نظر جمعیۃ علماء اسلام کا لاہور میں ایک عظیم اجتماع ہوا جس میں تمام صوبوں کے سینکڑوں حضرات علماء کرام موجود تھے۔ انہوں نے پانچ افراد کی ایک کمیٹی بنائی اور اس کا ناظم راقم اثیم کو بنایا (جس کی بقدر ضرورت تفصیل سخنہائے گفتنی طبع اول میں موجود ہے) اور ان مذکورہ بالا مسائل پر باحوالہ دلائل کے ساتھ کتاب مرتب کرنے کا فریضہ اس کوتاہ علم و فہم کے سپرد کیا گیا راقم اثیم نے انتہائی مصروفیت اور بے بضاعتی کے پیش نظر مسودہ تیار کیا اور پھر ملتان میں علماء کرام کی نمائندہ مجلس میں پیش ہوا جس کا نام تسکین الصدور تجویز ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد وہ اس مجلس میں متفقہ طور پر منظور ہوا اور پھر کتابی شکل میں معرض وجود میں آیا۔

جس کا طبع اول قارئین کرام اس سے قبل پڑھ چکے ہیں اور طبع دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے

(۶) تسکین الصدور کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد دوسرے فریق کی طرف سے اس پر خاصی برہمی ہوئی اور اس کا اُبال تسکین القلوب۔ ندائے حق اور اقامۃ البرہان وغیرہ کی شکل میں جوش مار کر نکلا مگر حق آخر حق ہوتا ہے اس کو تسلیم کیے بغیر بھی کسی باضمیر کے لیے چارہ نہیں بشرطیکہ کوئی ماننا چاہے چنانچہ صاحب تسکین القلوب نے حق تسلیم

کیا ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مگر بقیہ حضرات کو حق ماننے کی ابھی توفیق نہیں ہوئی ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی حق قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

⑦ علم غیب تو صرف پروردگار کو ہے لیکن قرائن وشواہد کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ تسکین الصدور کے جواب کے لیے دوسری جانب کے بزرگوں میں بحث وتمحیص کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام مجدھم کو آمادہ کیا گیا کہ وہ پرانے مدرس اور محقق عالم ہیں وہ علمی رنگ میں اس کا خوب رد کریں گے لیکن جب قاضی صاحب کی کتاب سامنے آئی تو نیلوی صاحب وغیرہ دوستوں کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی اور بالکل ان کی یہ حالت ہوگئی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن اور سب حیران ہوگئے کہ بن کیا گیا ہے نہ اگلتے بنے اور نہ نگلتے کیونکہ جناب قاضی صاحب نے اپنی کتاب تسکین القلوب میں اصولی اور بنیادی طور پر وہ سب مسائل تسلیم کر لیے ہیں جو تسکین الصدور میں درج تھے جیسا کہ آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مؤلف ندائے حق اور ان کے مشیروں نے راقم کو سامنے رکھ کر اور بظاہر تسکین الصدور کو نشانہ بنا کر درحقیقت تردید محترم جناب قاضی صاحب کی تسکین القلوب کی ہے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ غیر تو اپنے نہ بن سکے اور اپنے بھی ہاتھ سے نکل گئے تو اس کوفت کی وجہ سے ان کا پارہ چڑھ گیا اور یہی وجہ ہے کہ ندائے حق میں ان کا لہجہ خاصا ترش ہے اور ندائے حق ص۵۶ میں تسکین القلوب کا حوالہ دیا گیا ہے جو اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ یہ ندائے حق سے پہلے کی تالیف ہے اور مصنف ندائے حق نے اس کو بخوبی دیکھا ہے۔

دیوبند کا فتویٰ

اسی زمانہ میں ایک صاحب نے اپنی تسلی کے لیے مرکز علوم اسلامیہ دارالعلوم دیوبند ایک استفتاء بھیجا تھا جس کا با حوالہ جواب آیا اور اس وقت کے دینی رسائل میں وہ طبع بھی ہوا جس پر پاکستان کے بعض جلیل القدر علماء کرام کے دستخط بھی ثبت ہیں وہ استفتاء مع جواب یہ ہے۔

استفتاء ۱۹۹۸ یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہذا آپ کی قبر پر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدہ والے کی امامت کا کیا حکم ہے بینوا توجروا

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم

ہیں آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے۔ وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں آتا ہے إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ الحدیث وعن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلّم من صلّی عَلَيَّ عند قبری سمعته ومن صلی عَلَيَّ من بعید اعلمته' رواه ابو الشیخ وسنده جیّد القول البدیع ص۱۱۶ عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلّم الانبیاء (صلوات الله تعالیٰ علیهم) احیاء فی قبورهم یصلون رواه ابن عدیؒ والبیهقیؒ وغیرهما (شفاء السقام ص۱۳۴) دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنة والجماعة ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

مہر دار العلوم دیوبند

۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ر شوال ۱۳۷۶ھ

اجاب المجیب واجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہ، مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور

الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہ

راقم اثیم سے بھی اس فتوی پر جواب طلب کیا گیا تو راقم نے بھی اس پر الجواب صحیح لکھا غور فرمائیں کہ دار العلوم دیوبند کے جناب صدر مفتی صاحب مرحوم و مغفور اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور استاد الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو اہل السنة والجماعة سے خارج اور بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح فرمائی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے فتاوی سے چند حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱؎ سوال بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ الجواب۔ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے فقط (کذا فی الدر المختار باب الامامۃ) فتاوی رشیدیہ ج ۳ ص ۱۱۲ طبع جید برقی پریس دہلی۔

۲؎ سوال بدعتی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ الجواب مکروہ تحریمہ ہوتی ہے (ج ۳ ص ۱۱۳)

ے اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے جبکہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہے (ج ۲ ص ۹۷)

الغرض جو نظریات اکابر سے ہٹ کر ان حضرات اور مؤلف ندائے حق وغیرہ نے اپنے کے ہیں وہ اہل بدعت کے عقائد ہیں اہل السنت والجماعت کے ہرگز ہرگز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم ے بدعت کے عقائد و نظریات سے بچائے اور محفوظ رکھے آمین ثم آمین ۔

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے !

تسکین الصدور سے متعلق آراء و نظریات

تسکین الصدور کے طبع ہونے کے بعد ملک کے کونے کونے میں اس کے بارے میں مختلف خیالات اور آراء کا اظہار کیا گیا اور قدرتی و طبعی طور پر ایسا ہونا ناگزیر امر تھا جو حضرات صحیح طور پر مسلک دیوبند سے وابستہ ہیں ان تمام حضرات نے نہ صرف یہ کہ اس کی تائید ہی کی بلکہ اس کو بہت حد تک سراہا اور اس کو علمی و تحقیقی شاہکار کا درجہ دیا اور بیشمار خطوط اس تالیف کی داد و تحسین اور مبارک باد کے موصول ہوئے جہاں اس کتاب سے ان حضرات کو قلبی تسکین اور علمی اطمینان حاصل ہوا وہاں اس نظریہ کے مخالف حضرات کو اس کتاب کے معرض وجود میں آنے سے بے حد قلق اور صدمہ پہنچا اور بعض کے بارونق چہرے دفعۃً مرجھا گئے اور کچھ احباب تو سیخ پا بھی ہو گئے اور ایسا ہونا ایک نفسیاتی امر تھا کیونکہ یہ کتاب ان کے غلط نظریات پر ضرب کاری ہے اور اس کتاب نے بعض حضرات کے اوسان بھی خطا کر دیے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے یہ بالکل ظاہر ہے مگر یہ ایک فطری بات ہے کہ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ۔ اس وقت تک تحریری طور پر جو آراء و نظریات تسکین الصدور کے بارے میں ہمیں موصول ہوئے وہ تین قسم کے ہیں ۔

پہلا نظریہ

اس کتاب میں درج شدہ تمام مسائل و دلائل اسلام مذہب اہل السنت والجماعت فقہ حنفی اور مسلک علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے عین مطابق ہیں اور اس میں کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جو مذہب حق کے خلاف ہو اور اس کتاب میں درج شدہ تمام حوالے ٹھوس، صحیح اور مطابق ہیں اور یہ کتاب ایمان و ایقان کی عظیم دولت مہیا کرنے کا ذریعہ ہے (اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ہی بنائے آمین ثم آمین)

یہ نظریہ اور رائے پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند کی اُن واضح تحریرات اور زرّیں تقریظات میں چمکدار موتیوں کی طرح عیاں ہے جو اسی کتاب میں باقاعدہ درج ہیں قارئین کرام خود ان کو پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عیاں را چہ بیاں علماء کرام تو اپنے مقام پر ہے عام مسلمان بھی اس بات کو بخوبی

جانتے ہیں کہ اس دور کے اندر پاک و ہند میں اسلام مذہب اہل السنت والجماعت۔ فقہ حنفی اور مسلک علماء دیوبند کے صحیح ترجمان اور حقیقی جانشین یہی حضرات ہیں کیونکہ قرآن و سنت کے علاوہ علوم دینیہ میں جو بصیرت پختگی اور عمق ان کو حاصل ہے وہ اس وقت ان علاقوں میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے لہٰذا ان ہی حضرات کی رائے قابلِ اعتبار لائق اخذ اور صحیح ہے اور انہی حضرات کے دامن سے وابستہ رہنا ہی ذریعۂ نجات اور باعث فلاح و کامرانی ہے ؎

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے؟ خدائی

یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق ان کو اور ان کے پیروکاروں کو دیوبندی سمجھنے اور کہنے پر آمادہ نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اگر زمانۂ حال کے بناسپتی دیوبندی علماء کہیں الخ (ص۱۵۶) نیز اسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔ یہ نام نہاد بناسپتی دیوبندی دراصل تقیہ کرنے والے بریلوی ہیں الخ اور نیز لکھتے ہیں۔ اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں الخ (ص۹۶) ہر صاحب فہم و بصیرت مسلمان اس کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اگر اس دور میں یہ حضرات (جن کی تصدیقات اس کتاب میں شامل ہیں) صحیح مسلک علماء دیوبند پر گامزن نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ بناسپتی دیوبندی ہیں تو اصلی دیوبندی کہاں ہیں اور کون ہیں؟ اور اگر یہ "تقیہ" باز بریلوی ہیں تو جری اور حق گو دیوبندی کس دنیا میں رہتے ہیں اور کیا ان میں ؎

خوش بیانی۔ خوش کلامی یا خوش اسلوبی نہیں
تو ہے دلداری نہیں یا بوئے محبوبی نہیں

دوسرا نظریہ

استاذ العلماء سابق مدرس دار العلوم دیوبند جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ کے نائب امیر حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام مجدہم کا ہے جو تسکین القلوب میں میں درج ہے موصوف نے اس کتاب میں ہماری کتاب تسکین الصدور کے بعض حوالوں اور بعض استدلالات پر بزعم خود مناظرانہ تنقید بھی کی ہے اس کے علاوہ بزرگانہ زجر و توبیخ اور اپنی افتاد طبع کے موافق تعلّی۔ غصہ اور شکوہ بھی اس کتاب کے اوراق میں جابجا موجود ہے۔ سماع موتٰی کے مسئلہ کے علاوہ جو صدیوں سے اہل حق میں اختلافی چلا آرہا ہے (جس کی مبسوط اور باحوالہ بحث ہم نے بفضلہ تعالیٰ سماع الموتٰی میں کر دی ہے) اصولی طور پر تسکین الصدور میں درج شدہ باقی تمام مسائل حضرت قاضی صاحب دام مجدہم نے کچھ سیدھی زبان میں اور کچھ ہیر پھیر کی زبان میں تسلیم کر لیے ہیں ہمیں آں محترم کی تعظیم و توقیر کا بھی خیال ہے پھر اہم مسائل تسلیم کر لینے کے بعد اُن سے اُلجھنا بھی مناسب نہیں کیونکہ پھر تو نزاع صرف برائے نزاع ہی

ہو سکتا ہے اور ہم اس میدان کے سوار نہیں ہیں اور نہ اس فضول اور غیر مقصود بحث میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنا مناسب سمجھتے ہیں ان کی بعض مناظرانہ موشگافیوں کا ذکر عنقریب آرہا ہے قارئین کرام خود ان سے اندازہ لگا سکتے ہیں کاش کہ موصوف بجائے الاقوال المرضیہ۔ شفاء الصدور اور البصائر وغیرہ پر اعتماد کرنے کے (جن میں قطع و برید کر کے عبارتیں پیش کی گئی ہیں) اصل کتابوں کی طرف مراجعت فرماتے تو وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں ان پر اصل حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی مگر موصوف کو عموماً درسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کا مطالعہ کرنے کی نہ تو عادت ہے اور نہ فرصت و شوق اس لیے وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں۔ (تسکین الصدور میں اصولی طور پر ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں میت کی طرف رد اور اعادۂ روح حق ہے (جس سے نکیرین کے سوال کا فہم و شعور اور راحت و تکلیف کا احساس ہو سکے) اور روح کا بدن عنصری سے ایسا تعلق ہے جس پر سوال و جواب اور ثواب و عقاب مرتب ہو اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور حضرت قاضی صاحب محترم اس کے بارے تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم اپنی پہلی بعض کتابوں میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون لاشک فیہ اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک یہ عذاب و ثواب قبر اور تألم و تلذذ صرف روح سے تعلق رکھتا ہے (صوفیاء کرام رحمہم اللہ میں ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ قبر میں ثواب و عقاب کا تعلق روح کے ساتھ بمشارکت بدن مثالی ہے اور یہ حضرات روح کا تعلق جسم عنصری اور جسم مثالی دونوں سے تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ علامہ آلوسیؒ کے حوالے سے یہ بات اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اس جسم عنصری سے اس کا تعلق نہیں اور فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک یہ جسم خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو پھر بھی قبر کے عذاب و ثواب اور تألم و تلذذ میں وہ روح کا شریک[1] ہے اور فتویٰ بھی فقہاء کرام رحمہم اللہ کے قول پر دینا چاہیئے۔ اگر آپ کو ہماری اس گذارش پر اعتماد نہ ہو اور بدگمانی بدستور رکھیں تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں الخ (بقدر الحاجۃ تسکین القلوب ص۴۷) اور نیز وہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی ان عبارات کے اس اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب القبر حق اور فتویٰ قول فقہاء و متکلمین پر ہے کہ عذاب و ثواب تألم و تلذذ میں بدن بھی فی ای حال کان شریک روح ہے اور ان کے تعلق کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب (تسکین القلوب ص۴۷) موصوف کی خود نوشت سے معلوم ہوا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورہم یصلون

---

[1] قاضی صاحب التعلیق الصبیح علی المشکوٰۃ المصابیح ج۱ ص۳۹ میں بھی تصریح فرماتے ہیں وقال الفقہاء رحمہم اللہ ہو الروح مع الجسد ویشارکہ الجسد فیہ الخ

صحیح ہے اور اپنے مفہوم اور مدلول کے لحاظ سے لاشک فیہ اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر میں ثواب و عذاب کے سلسلہ میں روح کا جسم عنصری سے بھی تعلق ہوتا ہے اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کا یہی مسلک ہے اور اسی پر محترم جناب قاضی صاحب فتویٰ دیتے ہیں جب موصوف نے صحیح بات تسلیم کر لی ہے تو ان سے الجھنا پسندیدہ بات نہیں ہے البتہ نہایت ادب سے یہ گذارش ہے کہ ہم آپ کی کسی قسم کی بدگمانی نہیں کرتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ لیکن خود موصوف نے پہلے اس کے خلاف تصریح فرمائی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ بخاریؒ مسلمؒ ابوداؤدؒ تک حیات الشہداء والانبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) فی القبور کا یہی مفہوم سمجھا جاتا تھا جس میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک نہیں ملتا بلکہ روایات میں صراحۃً اس تعلق کی نفی ملتی ہے الخ بلفظہٖ (مسالک العلماء ص۲۷) اور ص۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعلق بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا الخ اور ص۳ میں لکھتے ہیں کہ تعلق روح بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں ملتا الخ اگر ان تصریحات کے بعد بھی بدگمانی کی نسبت ہماری طرف ہو تو یہ بالکل ناانصافی ہے بہرحال بہت ہی اچھا ہوا اور خوشی کی بات ہے کہ آپ نے حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرات متکلمینؒ کے قول پر فتویٰ دیا اللہ تعالیٰ جمہور کے اس مفتیٰ بہ قول پر آپ کو قائم رکھے جس کی وجہ سے آپ کے سینکڑوں شاگرد اور شاگرد در شاگرد (بفضلہٖ تعالیٰ) جمہور کے حق مسلک کی طرف رجوع کر لیں گے اور ید اللہ علی الجماعۃ کی نورانی چادر کے نیچے آجائیں گے لیکن محترم قاضی صاحب کی تحریر کے پیش نظر چند باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اولؔ صحابہ کرامؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ بخاریؒ۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ وغیرہ کی وہ کونسی صریح روایات اور عبارات ہیں جن میں عبارت النص کے طور پر یہ ثابت ہے کہ قبر میں ثواب و عذاب کا تعلق جسم عنصری سے نہیں؟ روح و جسم عنصری اور عدم تعلق کی تصریح ہونی چاہیئے۔ دومؔ وہ کون سی روایات ہیں جو صراحت سے روح کے جسم عنصری کے عدم تعلق کی تصریح کرتی ہیں؟ سومؔ۔ کیا حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ ائمہ اربعہؒ محدثینؒ۔ امام بخاریؒ۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ فقہاء کرامؒ و متکلمینؒ کی مد میں شامل نہیں ہیں؟ چہارمؔ: یہ حضرات آپ کے سابق نظریہ کے مطابق کچھ فرماتے ہیں اور آپ کے مفتیٰ بہ اور مرجوع الیہ قول کے موافق ان کی رائے کچھ اور معلوم ہوتی ہے؟ پنجمؔ حضرات فقہاء کرامؒ و متکلمینؒ نے ان حضرات کی بلاوجہ اور بلادلیل کیوں مخالفت کی ہے جب کہ ان کے نزدیک روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا اور حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ جسم عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرتے ہیں ششمؔ محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب

ص۴۱ میں اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قبور میں نماز پڑھنا اور اسی طرح دیگر جملہ امور۔ ان کی ارواح متشکل بشکل اجسامہم یا داخلہ فی اجسام مثالیہ کرتی ہیں (ص۴۲) بے حد حیرت اور انتہائی حیرانگی کی بات ہے کہ عام اموات کے اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ سے ان کے ارواح کا تعلق ہو اور ثواب و عذاب میں ان کے اجسام عنصریہ کا بھی تعلق ہو لیکن جب باری آئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی قبور میں نماز پڑھنے یا دیگر امور کی تو ان کے اجسام عنصریّہ کا ان کے ارواح سے تعلق نہ ہو حالانکہ انکے اجسام مبارکہ بالکل صحیح و سالم اور محفوظ ہیں چنانچہ خود قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ؛ ورایدان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان قبور میں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے تروتازہ اور اپنی حالت پہ قائم ہیں اور زمین پر حرام ہیں ساتھ حُرمت تکوینی کے نہ ان کو زمین چھیڑتی ہے اور نہ متغیر کرتی ہے الخ (مسالک العلماء ص۱۹۸) جب ان کے اجسام عنصریہ اصلی حالت میں موجود و محفوظ اور تروتازہ ہیں تو ان کے ارواح مبارکہ کا اجسام عنصریہ سے تعلق کیوں نہیں جب کہ عام اموات کے ارواح کا ان کے اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہے اور مفتیٰ بہ قول بھی یہی ہے پھر ان کے لیے اجسام مثالیہ کی کیا ضرورت ہے ؟-

۲- تسکین الصدور میں صحیح حدیث وتعاد الروح فی جسدہ کی مفصل تفصیل اور تشریح ہم نے کی ہے اور اعادۂ روح کے بارے میں خاصے حوالے ہم نے دیے ہیں۔ محترم جناب قاضی صاحب نے اسکو بھی اصولاً تسلیم کرلیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ردّ روح اور اعادۂ روح سے جو مراد ہے وہ حق ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا آگے اس کی پوری کیفیت ہم نے بحکم خداوندی عدم شعور میں رکھ دی ہے اھ (تسکین القلوب ص۵) پوری کیفیّت جاننے کا دعویٰ جمہور نے بھی نہیں کیا بلکہ وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ردّ روح اور اعادۂ روح الی الجسد و فی الجسد سے یہی مراد ہے کہ روح کے جسم عنصری سے ایک گونہ تعلق کے ساتھ ادراک اور فہم و شعور پیدا ہو جاتا ہے جس سے سوال نکیرین کو سمجھنا اور جواب دینا اور ثواب و عذاب کا احساس متحقق ہو جائے ۔

محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب ص۶۵ میں اعادۂ روح الی الجسد کی روایات کے بارے تعارض و اضطراب کا دعوےٰ بھی کیا ہے (اور مؤلف ندائے حق نے ص۲۴۷ میں اسی لا حاصل بحث کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے) کہ کسی روایت میں الی جسدہ کسی میں فی جسدہ اور کسی میں متصل ببدنہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں مگر علمی طور پہ اس شگوفہ کی بھی کوئی وقعت نہیں کیونکہ نحاۃ کوفہ مطلقاً اس کے جواز کے حق میں ہیں کہ حروف جارہ ایک دوسرے کی جگہ آسکتے ہیں (حاشیہ بخاری ج۱ ص۵۰۴ وغیرہ) لہذا اس نحوی قاعدہ کے مطابق الی الجسد

فی الجسد اور بدن میں کوئی اضطراب نہیں اسی طرح رد اعادہ اور اتصال ببدن سے روح کا بدن سے تعلق مراد ہے مگر ایسا تعلق جس سے مُردہ میں ادراک وشعور پیدا ہو جائے۔

۲ تسکین الصدور میں جمہور کے نظریہ کے مطابق باحوالہ یہ مسئلہ بھی عرض کیا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں محترم جناب قاضی صاحب نے اصولی طور پر اس کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اور مولوی صاحب نے سماع عند القبر کے عنوان سے بلوغ صلوٰۃ وسلام کا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مسئلہ بھی ذکر فرمایا مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالےٰ نے فرمایا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا تو ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی کو امّت کی طرف سے فرستادہ صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے اگر نہ پہنچتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا امر کیوں فرماتے؟ اور ایمان کے لیے اتنا کافی ہے کہ یقین محکم ہو کہ پہنچتا ہے آگے اس کی کیفیّت کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اگر ہمارے فہم اس کیفیت کے پانے سے قاصر ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرے گا اھ (تسکین القلوب ص۱۰۵) اس عبارت سے واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ وسلام صحیح ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ اس بلوغ اور ردّ (سلام) کی کیفیّت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے الخ ص۱۰۵) اس سے خوب روشن ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند القبر سلام کہنے والوں کو سلام کا جواب لوٹاتے اور ردّ سلام فرماتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کی کیفیّت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور جمہور نے بھی پوری کیفیت جاننے کا کب دعویٰ کیا ہے۔

۳ تسکین الصدور میں مسئلہ توسّل پر بھی خاصی بحث ہے اور موصوف مسئلہ توسّل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ اب ایک صورت رہ گئی بحرمت فلاں سے دعاء کرنا تو نہ اس میں شک ہے کہ سلف صالحینؒ قرون ثلاثہ میں اس کا رواج نہ تھا اور نہ اس میں شک ہے کہ متاخرین کافۃً (الا ماشاء اللہ تعالیٰ) اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یہ طریق ان کے ادعیہ میں بھی عام مذکور ہے اور نہ اس میں شک ہے کہ ہماری ساری جماعت بلا استثناء احد اور بلا استثناء سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اس کے جواز کے قائل ہیں مگر اس تاویل سے جو بزرگوں نے کی ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور حاصل توسّل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت کا ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا (جو ہمارا ایک نیک عمل ہے) بھی موجب جلب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد

رکھتے ہیں پس (ہمارا یہ نیک عمل مقبول فرما اور اس نیک عمل کے وسیلہ سے ہم پر بھی رحمت فرما تسکین الصدور ص۲۳۴ اور یہ مطلب بالکل واضح ہے پس و پیش کی گنجائش نہیں اور یہی تاویل بعینہ حضرت مرشدنا قدس سرہ العزیز نے فرمائی الخ (تسکین القلوب ص۱۰ پھر آگے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تحفہ ابراہیمیہ کا حوالہ دیا ہے جس میں اس تاویل کا ذکر ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ تو سواتی برادران (یعنی راقم ابوالزاہد محمد سرفراز اور عزیزم صوفی عبدالحمید) نے یہاں دو خیانتوں کا ارتکاب کیا ایک یہ کہ ناظرین کو یہ تاثر دیا کہ ہماری جماعت (یعنی جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ ۱۲ منہ) سرے سے بحرمت فلاں کے ساتھ دعا کی قائل ہی نہیں اور یہ سراسر افترا و بہتان ہے ہماری جماعت پر (آپ کی جماعت کے اس وقت وکیل اعظم مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں۔ عدم برسر مطلب توسل بذات المیت یا بدعاء المیت یا بذات النبی ﷺ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار کرنا پڑے گا بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رو سے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا الخ ص۱۰۸) اور دوسرا یہ کہ اکابر کی عبارات تو نقل کر دیں مگر جس تاویل سے وہ حضرات بحرمت فلاں سے دعا کرنے کے قائل ہیں اس کو نظر انداز کر گئے پھر اگر یہ نادانستہ کیا تو غباوت اور عدم فطانت ہے اور اگر دانستہ کیا تو خیانت ہے اھ (تسکین القلوب ص۱۱) اس عبارت سے بالکل آشکارا ہو گیا کہ محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب اور ان کی جماعت مسئلہ توسل کو تسلیم کرتی ہے مگر اُسی تاویل سے جو بیان ہوئی اور لکھتے ہیں کہ سواتی برادران ہم پر افترا و بہتان باندھتے ہیں اور مجوّزین حضرات کی تاویل کو نظر انداز کر کے غباوت یا خیانت کا ثبوت دے رہے ہیں۔

سو گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی جماعت کو مسئلہ توسل کے جواز پر قائم رکھے آمین مگر مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ اپنی جمعیۃ کے صدر جناب سیّد عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری سے بھی اس مسئلہ پر ذرا گفتگو فرما لیں۔ راقم کی تقریباً آج سے تیس۳۰ برس پہلے گکھڑ میں نہ صرف گفتگو ہوئی تھی بلکہ جھڑپ بھی ہوئی تھی جب کہ انہوں نے اس مسئلہ کے لیے پیش کی گئی کتاب المہند علی المفند دکھانے والے محترم جناب ماسٹر محمد حسین صاحب۔ او۔ ٹی ٹیچر گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ کی جھولی میں زور سے پھینک دی تھی الغرض مسئلہ توسل کے انکار کی نسبت آپ کی پوری جماعت کی طرف تو ہرگز نہیں کی گئی یہ نسبت ہم پر خالص بہتان اور نرا افترا ہے اور ہماری عبارات میں جو بزرگ مراد ہیں وہ اُس وقت اس کے منکر اور سخت مخالف تھے۔ اب کا علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کرے کہ وہ آپ کے ہمنوا ہو گئے ہوں۔ اور مؤلف ندائے حق کا حوالہ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ باقی دوسری بات بھی بڑی عجیب اور نری مضحکہ خیز ہے وہ اس طرح کہ ہم نے تسکین الصدور

میں حضرت تھانوی رحمہ کے حوالہ سے باقاعدہ اس تاویل کا تذکرہ کیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود جناب قاضی صاحب بھی ہماری بیان کردہ تاویل کا ہماری کتاب کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ہم نے توسل کے قائلین حضرات کی تاویل کو نظرانداز کردیا ہے انتہائی تعجب خیز بات ہے۔ موصوف نے تسکین القلوب میں اپنے بعض سابق نظریات کا اور خود اس کتاب میں بیان کردہ بعض نظریات کا بے شعوری میں بہترین رد کردیا ہے۔ مگر جوش اور جذبات میں سمجھے نہیں بہرحال تسکین الصدور میں بیان کردہ اصولی مسائل ہیں وہ ہم سے متفق ہیں۔ اس لیے ہم ان سے زیادہ الجھنا پسند بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ ہمارے بزرگ ہیں بات صرف بعض مسائل کے حق پہلوؤں سے بھی بحمداللہ تعالیٰ وہ ان کو صاف طور پر تسلیم کرچکے ہیں۔

محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب دامت برکاتہم نے مناظرانہ انداز میں سواتی برادران (راقم اثیم اور عزیزم صوفی عبدالحمید) پر لفظی گرفت بھی کی ہے مثلاً "فیوضات حسینی اور ابدان عنصری میں صفت اور موصوف میں مطابقت نہ ہونے کا سوال کھڑا کیا ہے مگر اس کی چنداں وقعت نہیں ہے۔ اولاً اس لیے کہ بے شک عربی عبارت میں تو اس کا التزام ضروری ہے مگر اردو وغیرہ میں اس کا التزام ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اخبارات میں وہ روزانہ مشرق وسطیٰ کا جملہ تو پڑھتے ہی ہوں گے ہاں مطابقت کا مستحسن ہونا اچھی بات ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ نے جمال قاسمی ص۸ میں ضروریات دینی الخ کا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہ نے مائۃ مسائل ص۲۹ میں آیات قرآنی الخ کا جملہ استعمال کیا ہے اور اردو اور فارسی کی عبارات میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اہل علم اور وسیع النظر علماء سے یہ بات مخفی نہیں وثانیاً حضرت مولانا نانوتوی رحمہ کی متعدد کتابوں کا نام تو ضرور حضرت قاضی صاحب نے سنا ہی ہوگا مثلاً اسرار قرآنی، لطائف قاسمی اور قصائد قاسمی وغیرہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ نے حضرت نانوتوی رحمہ کی زندگی کے مختصر حالات پہ کتاب لکھی ہے جس کا نام سوانح عمری ہے کیا ان تمام حضرات کی بھی ویسی ہی پھبتی محترم قاضی صاحب اڑائیں گے جیسے سواتی برادران کی اڑائی ہے؟ وثالثاً ہمارے پیرو مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ مبارک سے جو کتاب لکھی اور آپ کی زندگی میں وہ طبع ہوئی اس کا نام فیوضات حسینی ہی ہے اس میں ناقل کا کیا قصور ہے؟ آپ کی اصل پھبتی کا مورد اور محل تو حضرت مولانا مرحوم ہیں جو خیر سے آپ کے بھی محترم استاد اور پیرومرشد ہیں ورابعاً محترم معاف رکھنا آپ کو صرف عربی کے زور سے یہ حق کہاں سے حاصل ہوا کہ آپ نے از خود ہی حضرت مرحوم کی کتاب کا نام بجائے فیوضات حسینی کے افادات حسینیہ کر دیا ہے؟

لہ یہ عجیب بات ہے کہ خود موصوف نے اپنے ایک مضمون میں بجائے حیات برزخیہ اور حیات دنیویہ کے حیات برزخی اور حیات دنیوی کے جملے استعمال کئے اور موصوف وصفت میں مطابقت ملحوظ نہیں رکھی (ملاحظہ ہو ماہنامہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۷ء ص۱۶)

کیا یہ علمی خیانت نہیں ہے؟ اسی طرح محترم جناب قاضی صاحب نے فیوضات حسینی کے آخر میں حضرات صوفیاء کرام رح کے مختلف سلاسل کے بزرگوں کے نام جو بحرمت فلاں الخ سے حضرت مرحوم کے زمانہ میں طبع ہوئے تھے بالکل حذف کر دیے ہیں اور جو کتاب اب جناب قاضی صاحب نے طبع کرائی ہے اس میں ان تمام سلاسل کا نام تک بھی نہیں آنے دیا اور شاید یہ اس لیے ہو کہ محترم جناب شاہ صاحب گجراتی کو جو توسل کے سختی سے منکر ہیں حرمت کے لفظ چبھتے ہیں۔

اسی طرح محترم جناب قاضی صاحب نے مشہور راوی ابو جعفر خطمی کے بارے بھی بہت سی غفلی موشگافیاں کی ہیں کہ راوی مطلق ابو جعفر ہے یا ابو جعفر مدنی یا مدائنی حطمی ہے یا خطمی وغیرہ وغیرہ (تسکین القلوب ص۱۱) مگر کتب اسماء الرجال پر گہری اور وسیع نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ثقہ رواۃ کے ناموں انکی ولدیت کنیت اور نسبت وغیرہ کے بارے میں ایسے بے شمار اختلافات آتے ہیں مگر کوئی بھی اس وجہ سے ان کو ضعیف اور مجروح قرار نہیں دیتا نقل کے لحاظ سے جو صحیح وجہ سامنے آتی ہے اس کو لے لیا جاتا ہے اور باقی چیزوں سے صرف نظر کر لی جاتی ہے اگر محض اختلاف روایات اور کتابت کی ایسی غلطیوں کو پلّے باندھ لیا جائے تو پھر علم حدیث کا اثبات کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کا مصداق ہے اگر جرح کا یہی طریقہ رہا تو خدا ہی حافظ ہے۔

تیری بزم میں اور بھی گُل کھلیں گے ۔۔۔ اگر رنگ یارانِ محفل یہی ہے

محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین الصدور میں درج شدہ جو مسائل تسلیم کئے ہیں اگر ان کے پاس ان مسائل کے اثبات کے لیے وہی دلائل اور حوالے ہیں جو ہم نے تسکین الصدور میں نقل اور پیش کئے ہیں تو ہو المراد اور اگر وہ ان پر مطمئن نہیں ہیں تو ان مسائل کے اثبات کے لیے جو دلائل اور حوالے ان کے پاس ہیں ضرور ان کو صفحۂ قرطاس پر لانے کی زحمت فرمائیں تاکہ ہمارے جیسے کم علم لوگ بھی ان سے مستفید ہو سکیں اس کا تو بظاہر تصور بھی قدرے مشکل ہے کہ حضرت قاضی صاحب جیسے مدرس اور محقق عالم بلا ثبوت اور بدون دلیل کے ان کو تسلیم کرتے ہوں دلیل تو ضرور ہوگی مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اس کو علمی تھیلے سے باہر نکالیں تاکہ وہ صحیح اور غیر مجروح دلیل افادۂ عام کا ذریعہ بنے۔

؎ دلوں میں دریچے کھُلے آرزو کے ۔۔۔ نئے ولولے شوق کے جستجو کے

تیسرا تحریری نظریہ

تسکین الصدور کے متعلق تیسرا تحریری نظریہ جناب مولانا سید محمد حسین صاحب نیلوی اور محترم مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی (رہ مد فوی از مشیران کرام) مدظلہ الحق

اور مقدمہ ندائے حق کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ مقدمہ ندائے حق کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ندائے حق کے مقدمہ کا خلاصہ اور اس پر اجمالی تبصرہ

اس مقدمہ کا اجمالی خاکہ یا بالفاظ دیگر اس کا مختصر تانا بانا یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ (۱) اس میں تقریباً چودہ صفحات میں قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے اس سے ان کا مقصد بزعم خویش تسکین الصدور کے مسائل کو نصوص قرآنیہ کے خلاف بتانا ہے لیکن یقین جانئے کہ ان میں سے ایک آیت کریمہ بھی تسکین الصدور میں پیش کردہ کسی مسئلہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس میں جمہور کے مسائل درج ہیں اور اگر یہ قرآن کے خلاف ہوں تو پھر جمہور اہل السنت والجماعت اور خصوصیت سے حضرات متکلمین عظامؒ اور فقہاء کرامؒ کا دینی اعتبار سے نہایت محتاط گروہ قرآن کریم کا مخالف ہوا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) کون مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے؟ کہ واقعی یہ قرآن کریم کے مخالف تھے۔ اور پھر حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم بھی اس باطل نظریہ کے تحت قرآن کریم کے مخالف ہوئے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان آیات کریمات سے جو کچھ ثابت ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا ان پر کلی ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کی مخالفت ہم نے نہیں کی ہم نے ان میں سے بیشتر آیات کی تشریح اپنی متعدد کتابوں مثلاً تبرید النواظر۔ ازالۃ الریب۔ گلدستہ توحید اور دل کا سرور اور سماع الموتی وغیرہ میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ الغرض ان آیات کریمات کا مؤلف ندائے حق اور مقدمہ باز بزرگ اور ان کی جماعت کے کسی دعوے سے ہرگز قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ان غیر متعلق آیات کریمات کے نقل کے بعد صاحب مقدمہ لکھتے ہیں مقدمۃ الکتاب کی مربوزہ آیات ہیں صاحب تسکین کے مخترعات عقائد اور روایات ضعیفہ۔ اقوال مردودہ۔ خیالات باطلہ۔ رطب ویابس جمیع مستدلات من اولہ الی آخرہ کا راز مضمر ہے ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا (بلفظہ ص۱۲) سُبْحَانَ اللّٰہِ تعالیٰ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ صاحب تسکین کا بحمد اللہ تعالیٰ ایک بھی عقیدہ قرآن کریم احادیث صحیحہ اور جمہور سلف و خلف کے خلاف نہیں ہے صاحب تسکین تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صراط مستقیم پر گامزن اور العروۃ الوثقیٰ سے متمسک اور حضرات اکابر کا مضبوط دامن تھامے ہوئے ہے اور اس کتاب میں جمہور کے عقائد حقہ، روایات صحیحہ و حسنہ، اقوال مرضیہ اور مسائل قویہ اور ٹھوس عقلی و نقلی مستدلات جمع کیے گئے ہیں جن میں صاحب تسکین کو جمہور حضرات سلف و خلف، اور مشاہیر اکابر کی پوری پوری تائید حاصل ہے یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق اور اس کے صاحب مقدمہ اپنی اور اپنے غلط کار متبعین کی رائے کو صحیح قرار دیکر جمہور حضرات سلف و خلف اور مشاہیر اکابر کے پختہ و راسخ علم و نظریہ میں ان کا ساتھ نہ دیں بلکہ الٹا ان کی

بھی اڑا ایئں جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے لاشک فیہ۔

۲۔ ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے پھر آگے ص۱۸ تا ص۲۰ میں صاحب تسکین (یعنی راقم اثیم۔ صفدر) کی انتیس ۲۹ غلطیاں بتائی ہیں اور یہ سب ندائے حق سے ماخوذ ہیں اور پھر ص۲۰ اور ص۲۱ میں سترہ ۱۷ عدد خیانتیں ذکر کی ہیں بعض ضروری امور کا ذکر تو انشاء اللہ العزیز تسکین الصدور میں آجائے گا اور بعض کا ذکر سماع الموتیٰ کے رسالہ میں ہم نے کر دیا ہے اور اس کے بعد مزید ردّ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور بعض ایسی لچر پوچ باتیں ہیں جن کو ایک مبتدی طالب علم بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور ان کے جواب دینے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمونہ کے طور پر ہم ان کی عبارت میں ایک غلطی اور ایک خیانت کا تذکرہ کر کے اس کا جواب عرض کر دیں۔

(۱) غلطی ۲۷ اصولِ حدیث کا مسلّمہ قاعدہ کہ جس راوی پر بعض علماء نے تنقید کی ہو اور بعض دوسروں نے اس کی توثیق کی ہو تو جرح کو توثیق پر ترجیح دی جائے گی لیکن صاحب تسکین نے اس کے خلاف لکھا۔ انتہی بلفظہ (مقدمہ ندائے حق ص۲۰)

الجواب:۔ جرح کے توثیق پر مقدم ہونے میں بحث ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والجرح مقدم علی التعدیل واطلق ذلک جماعۃ ولکن محلہ ان صدر مبینا من عارف باسبابہ لانہ ان کان غیر مفسر لم یقدح فی من ثبتت عدالتہ وان صدر من غیر عارف بالاسباب لم یعتبر بہ ایضاً۔

(شرح نخبۃ الفکر ص۱۱۱ طبع مجیبی کانپور)

جرح تعدیل پر مقدم ہے اس کو ایک جماعت نے تو مطلق چھوڑا ہے لیکن اس کا مصداق یوں ہے کہ جب جرح کے اسباب جاننے والے کی طرف سے مفسر جرح ہو تو تعدیل پر مقدم ہوگی کیونکہ جب جرح مفسر نہ ہو تو جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں جرح قادح نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر جرح کے اسباب نہ جاننے والے کی طرف سے جرح ہو تو اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مفسر ہو اور عارف باسباب الجرح سے صادر ہو تب وہ توثیق پر مقدم ہوگی ورنہ نہیں اس تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مطلقاً جرح کے توثیق پر مقدم ہونے کو اصول حدیث کا مسلّمہ قاعدہ بنا کر طعن کرنا قلّتِ تدبر کا نتیجہ ہے اور تدریب الراوی میں اس مسئلہ کی تحقیق اور اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا۔

واختار شیخ الاسلام تفصیلاً حسنًا فان کان من

اور شیخ الاسلامؒ نے اس میں ایک اچھی تفصیل کو اختیار کیا ہے

جرّح مجملاً قد وثقه احد من ائمة هذا الشان لم يقبل الجرح فيه من احد كائنا من كان الا مفسّراً لانه قد ثبتت له رتبة الثقة فلا يزحزح عنها الا بامر جلي فان ائمة هذا الشان لا يوثقون الا من اعتبروا حاله في دينه ثم في حديثه ونقدوه كما ينبغي وهم ايقظ الناس فلا ينقض حكم احدهم الا بامر صريح -

(صـ۲۰۳ طبع مصر)

وہ یوں ہے کہ اگر جارح نے اجمالی طور پر جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے کسی ایک نے اس کی توثیق کی ہو تو اس کی جرح قبول نہ ہوگی خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی ہو کیونکہ جس کو ثقاہت کا درجہ حاصل ہو اس سے بغیر کسی واضح بات کے عدول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس فن کے امام صرف اسی شخص کی توثیق کرتے ہیں جس کے دین کا پھر حدیث میں اس کا حال بخوبی انکو معلوم ہوتا ہے اور جس طرح اس کو پرکھنا چاہئے وہ اس کو پرکھتے ہیں اور وہ اس فن میں سب لوگوں سے زیادہ بیدار واقع ہوئے ہیں تو ان میں سے کسی کا حکم کسی صریح بات کے بغیر نہیں توڑا جا سکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصول حدیث کے جس قاعدہ کی مخالفت کا ہم پر الزام لگایا گیا ہے موصوف خود اصول حدیث میں اس قاعدہ کے بارے میں تفصیل سے ناواقف ہیں ؎

جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا
تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کیجئے!

۲ خیانت ۱۷۔ حدیث حسن کو مطلقاً حجت بنانا اصولِ حدیث میں ایک مجرمانہ حرکت ہے جو اہل علم کے نزدیک معیوب ہے۔ انتہٰی بلفظہٖ (ص۲۱)

الجواب :۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحب۔ اصول حدیث ہی سے بے خبر ہیں اور محض اپنے باطل اور معتزلی نظریہ کے تحت جذبات کے رَو میں بے بس ہو کر ایسی بے سر و پا باتیں کر کے اپنے دل کی تشفی حاصل کرتے اور اپنے ضدی حواریوں کو خوش کرتے ہیں فن حدیث میں جب مطلق حسن کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے حسن لذاتہٖ مراد ہوتی ہے کیونکہ فردِ کامل یہی ہے اور اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وهذا القسم من الحسن مشارك للصحيح في الاحتجاج به وان كان دونه ومشابهٌ له في انقسامه الى مراتب بعضها فوق بعض وبكثرة طرقه يصحح اھ (شرح نخبۃ الفکر صـ۳۳)

حدیث حسن کی یہ قسم احتجاج میں صحیح کے ساتھ شریک ہے اگرچہ (تعارض کے وقت) اس سے کم ہو اور حدیث حسن منقسم ہونے میں صحیح کے مشابہ ہے کہ اس کی طرح اس کے مراتب کا بھی اعلیٰ و ادنیٰ ہونے کا بھی فرق ہے اور کثرت اسانید کی وجہ سے حسن حدیث صحیح بن جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حدیث صحیح قابل استدلال ہے اسی طرح حدیث حسن بھی قابل احتجاج ہے۔ ہاں معارضہ میں فرق ہونا الگ بات ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وعلیه مدار اکثر الحدیث ویقبله اکثر العلماء ویستعمله عامة الفقهاء اهـ (تقریب مع التدریب ص۸۶ طبع مصر)	اور اس پر اکثر احادیث کا مدار ہے اور حدیث حسن کو اکثر علماء قبول کرتے اور عام فقہاء اس کو معمول بہ بناتے ہیں۔

اور اسی کے قریب الفاظ ہیں علامہ جزائریؒ کے (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص۱۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ صحیح کی بہ نسبت حسن قسم کی حدیثیں زیادہ ہیں اور اکثر علماء محدثینؒ اور فقہاءؒ نے حدیث حسن کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

حدیث حسن سے استدلال کا انکار امام ابو حاتمؒ نے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۸۶ و توجیہ النظر ص۱۴۶) کیا ہے اور اسی طرح امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے انکار کیا ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وهکذا یجوز الاحتجاج بما صرّح احد الائمة المعتبرین بحسنه لان الحسن یجوز العمل به عند الجمهور ولم یخالف فی الجواز الا البخاری وابن العربی والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل بالآحاد وقبولها شاملة له۔ (نیل الاوطار ج۱ ص۲۲ طبع مصر)	اسی طرح جب ائمہ معتبرین میں سے کسی ایک نے حدیث کے حسن ہونے کی تصریح کی ہو تو اس سے استدلال جائز ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک حدیث حسن پر عمل جائز ہے اس جواز میں صرف امام بخاریؒ اور ابن العربیؒ نے اختلاف کیا ہے لیکن حق جمہور کے ساتھ ہے کیونکہ خبر احاد پر عمل کرنے اور اس کو قبول کرنے کے واجب ہونے کے دلائل اس کو بھی شامل ہیں۔

چونکہ صاحب مقدمہ ندائے حق اور ان کے حواریوں کو جمہور سے بیر اور چڑ ہے اس لیے وہ قدم قدم اور جزئی جزئی میں جمہور کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی بھی باطل نظریہ جمہور کو ساتھ رکھ کر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے وہ جمہور کو بھی جلی کٹی سنانے سے باز نہیں آتے۔

ندائے حق کے بعض مضامین پر اجمالی تبصرہ

ان کی بعض مغالطہ آفرین باتوں کا ذکر موقع بموقع آگے کتاب میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ مگر مشتے نمونہ از خروارے یہاں بھی اجمالاً بعض ملاحظہ کر لیں۔

جمہور نور

راقم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جب عود روح کا مسئلہ آیا تو جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جب حیات انبیاء کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جن کے ضعف کا اقرار خود حضرت نانوتویؒ نے کیا

جب قبر نبی پر سلام وصلوٰۃ کے سماع کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیا اب باری آئی توسّل بالذات والاموات کی اس میں بھی جمہور کا نام لے کر اس من گھڑت حدیث کو اپنا مستدل بنایا اگر جمہور کا یہ حال ہے تو ہم ایسے جمہور کی اتباع سے رہے ہم جمہور سے علیحدہ ہی اچھے ہیں ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں ہمیں تو قرآن وسنت واجماع مجتہدین کافی ہیں یہ جمہور زنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو الخ (ندائے حق ص۲۰۳) جمہور کے بارے میں مؤلف مذکور کے ناپاک دل اور قلم کا اُبال ملاحظہ فرمائیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ عربی میں زنبور بھڑ کو کہتے ہیں جو زہریلا ڈنگ مارتی ہے۔

الحمد للہ تعالیٰ کہ راقم کو جمہور کا مذہب نصیب ہوا اور ہر مسئلہ پر راقم کی پیش کی ہوئی حدیثیں محدثین کرامؒ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق بالکل صحیح ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ نے ان کی تصحیح کی ہے ہاں البتہ چکڑالوی۔ پرویزی اور معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کے اصول کے مطابق یہ حدیثیں صحیح نہ ہوں۔ اور مؤلف ندائے حق اور ان کے کچھ ہمنوا انکو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے والا دل اور حق گو زبان اور قلم آپ حضرات کو نہیں دیا تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ دینے والا تو صرف وہی ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

مؤلف مذکور کا پرویزی ذہن

حضرات شہداء کرامؒ کی برزخی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ مگر انبیاء کرام کی حیات جو اہم ترین اور اعلیٰ ترین اور حیات شہداء سے الگ اور مختلف بمراتب کثیرہ اس سے قرآن مجید کا ساکت ہونا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ انبیاء کا زندہ در قبر ہونا یہ کوئی مسئلہ قابلِ اعتبار نہیں السکوت فی معرض البیان بیان بیان کے موقع پر بیان نہ کرنا یہ بھی بیان ہے۔ اس کا یہ نہیں ہے اگر ہوتا تو اس کا بیان ہوتا اھ (ندائے حق ص۲۵۳) اس عبارت میں قطع نظر دیگر کوتاہیوں کے صرف یہ بات ہی ملاحظہ فرمائیں کہ بقول مؤلف مذکور کے چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اس لیے یہ کوئی مسئلہ قابل اعتبار نہیں اور یہی کچھ پرویز صاحب اور ان کے حواری کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآنِ مجید سے باہر ہے وہ ظنی ہے اور قابل اعتبار نہیں اور موصوف نے اپنی ساری کتاب ندائے حق میں اہل حق اور اہل السنت والجماعت کے دلائل پر کلام کرتے ہوئے معتزلہ اور پرویزیوں کا یہی ذہن استعمال کیا ہے اور اپنی نارسا عقل کو نصوصِ اور اکابر کی صریح عبارات کے مقابلہ میں دخل دیا ہے جیسا کہ پڑھنے والے اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور باتوں کا تو ذکر ہی چھوڑ دیجئے مولانا موصوف کو یہ امر تو بخوبی معلوم ہوگا۔

قرآن کریم میں نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کا نصاب بیان نہیں کیا گیا ان کے قاعدے کے مطابق ان کا کوئی اعتبار نہیں اگر ان کا اعتبار ہوتا تو ضرور ان کا ذکر قرآن کریم میں ہوتا کیونکہ السکوت فی معرض البیان بیان ران کے اپنے باطل نظریہ کے مطابق جو روایات قرآن کریم سے متصادم ہوں وہ سب ضعاف ہوتی ہیں اور وہ قابل اعتبار نہیں اور بقول ان کے جمہور زنبور پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے ؟

کیا حضرۃ ابوہریرہؓ غیر فقیہ تھے ؟

سب اہل السنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ تمام حضرات صحابہ کرامؓ عادل ہیں اور ان کے نزدیک الصحابۃ کلہم عدول کا جملہ بہت مشہور ہے لیکن مؤلف ندائے حق حضرت امام بیہقیؒ پر جو جمہور کے وکیل ہیں گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو۔ صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابوہریرہؓ ہی کی حدیث ملی الخ ص ۱۳۵ بعد والے ایڈیشن میں اس عبارت کو بدل دیا گیا ہے اور ایسی عبارت لائی گئی جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر معروف الفقہ والاجتہاد تھے مگر یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ تو مدینہ کے قاضی تھے (بخاری ج ۱ ص ۳۲۳) اور غیر فقیہ کے قاضی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور محققین فقہاء احناف حضرت ابو ہریرہؓ کو فقیہ مانتے ہیں، احناف میں سے عیسیٰ بن ابانؒ نے (جو کہ امام شافعیؒ کے ہم عصر ہیں) کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر فقیہ تھے اور اسی سے اصول فقہ کی بعض کتابوں میں یہی لکھ دیا گیا ہے مگر یہ قول درست نہیں ہے۔

ندائے حق میں اگر کوئی علمی یا نیم علمی باتیں ہیں تو ہمارے خیال کے مطابق وہ ان کے ان پردہ نشین مشیروں کی ہیں جو چلمن سے لگے بیٹھے ہیں خیر ہماری بلا سے بہرحال ان میں شرعی طور پر کوئی جان اور عقلی لحاظ سے کوئی وزن نہیں اور نہ اکابر کی تصدیق و تائید ان کو حاصل ہے ان کے سابق بالکل غلط نظریات کے علاوہ چند بے بنیاد دعاوی کا اجمالی خاکہ یہ ہے (اور آگے کتاب میں جن کا ذکر ہوگا وہ ان کے علاوہ ہیں۔

جسد مثالی

سوال نکیرین اور راحت و عذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جسم عنصری کی مشارکت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ اعادۂ روح فی الجسد کی بابت براءؓ بن عازبؓ کی حدیث اول تو صاحب تسکین کو مفید نہیں اور اہل حق کو مضر نہیں کیونکہ اس میں مطلق جسد ہے (لا بشرط شیء) صاحب تسکین اس کا مصداق جسد عنصری کہتے ہیں اور اہل حق (اہل السنت والجماعت) جسد یعطی لہ فی البرزخ (مثالی) مراد لیتے ہیں علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جس نے عنصری کا قول کیا ہو کتب اہل سنت میں کہیں عنصری کا نشان نہیں ملتا یہ تقییدی لفظ جناب (سرفراز) کی خانہ زاد ہے یہ ان کی اور ان کے ہمنواؤں کی فہم کی ایجاد ہے الخ بلفظہ (ندائے حق ص ۲۱۳ ونحوہ فی ص ۹۲) سبحان اللہ تعالیٰ مؤلف ندائے حق

کی کیا ہی تحقیق انیق اور راست گوئی ہے کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت صاحب تسکین کو مفید نہیں اور اہل حق کو مضر نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ صحیح اور صریح روایت صاحب تسکین کے دعوے کے لیے نص صریح ہے اور سو فیصدی دعوے سے مطابق اور مفید ہے اور خوارج و روافض اور مؤلف ندائے حق وغیرہ کے لیے سمّ قاتل ہے ؛ بحمد اللہ تعالیٰ صاحب تسکین کو حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کی سو فیصدی تائید حاصل ہے اور حضرات جمہور کی معیّت نصیب ہے اور بقول حضرت قاضی شمس الدین صاحب فتویٰ بھی اسی پہ ہونا چاہیئے اور اہل حق اور اہل السنت والجماعت کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ عذاب و نعیم قبر کے سلسلہ میں روح کا جسم کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہوتا ہے اب مؤلف مذکور ہی از روئے انصاف یہ بتائیں (اگر انصاف نام کی کوئی چیز ان کے نزدیک ہے) کہ نفس ناطقہ نسمہ اور جسد مثالی ریزہ ریزہ ہوتا ہے یا جسد عنصری ؟ اور کیا جب مطلق جسد کا لفظ بولا جاتا ہے تو انسانوں کے لیے جسد عنصری مراد نہیں ہوتی ؟ اور پھر اہل السنت کے منصور نظریہ سے کٹ اور ہٹ کر خوارج و روافض وغیرہم باطل فرقوں کے ہمنوا ہو کر اپنے آپ کو اہل حق اور اہل السنت کس منہ سے کہتے ہیں ؟ اور کیا حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ آپ کے نزدیک اہل حق اور اہل السنت نہیں ہیں ؟ کیا آپ نے ان کی واضح اور صریح عبارات نہیں دیکھیں جن میں روح کا جسم کے ذرّہ ذرّہ سے تعلق وہ تسلیم کرتے ہیں ؟ اور کیا ان کی یہ کتابیں اہل السنت اور اہل حق کی کتابیں نہیں ہیں ؟ اور کیا جسد خاکی اور عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرنا سرفراز اور اس کے ہمنواؤں کی خانہ زاد ایجاد ہے یا سرفراز ان تمام اکابر اور جمہور کی پیروی میں یہ کہتا ہے ؟ اور کیا آپ کے نزدیک محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب علماء حق اور اہل السنت میں سے نہیں ہیں ؟ آپ کو معلوم ہے وہ کیا فرما گئے ہیں ؟ اور کیا آپ حضرات محدثین عظامؒ ۔ فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کی عبارات میں مثالی کا لفظ بتا سکتے ہیں آپ کو قیامت تک کی مہلت ہے ہمت کر دیکھیں دیدہ باید ۔

بعض حضرات صوفیاء کرام کی عبارات میں جسم مثالی کا تذکرہ ضرور موجود ہے اور وہ بھی انہوں نے منکرین عذاب قبر کو جواب دینے کے لیے ایک مخلص ڈھونڈ نکالا ہے کہ جس کو جلا کر راکھ کر دیا ہو تو اس کے عذاب و راحت کا تعلق جسم مثالی سے ہے جس کا جسم خاکی موجود ہو اس کے لیے جسم مثالی کے وہ بھی قائل نہیں ہیں اور پھر میدان فتویٰ میں اعتبار صرف حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کا ہے ۔

زاویۂ نگاہ کی خرابی

مؤلف ندائے حق (اور اس کے مقدمہ باز بزرگ) کو تسکین الصدور کی دلیلوں اور حوالوں میں خاصی خامیاں ۔ کوتاہیاں بلکہ کیڑے نظر آئے ہیں اور اس کے انگشت

نزش محسوس ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر انہوں نے دور از کار اور غیر متعلق باتوں کو جوڑ جوڑ کر تنکوں کا پل بھی بنایا ہے اور خاصی بھرتی کر کے کتاب کا عوام پر رعب ڈالنے کے لیے حجم بھی بڑھایا ہے اور بعض مقامات پر انتہائی دیدہ دلیری سے عبارات میں قطع و برید کر کے علمی خیانتیں کی ہیں اور سینہ زوری کے ساتھ بعض علماء اور حضرات فقہاء کرام کو اپنے ٹانگے پر سوار کرنے کی بے جا سعی کی ہے جس کی قدرے وضاحت ہم نے سماع الموتیٰ میں کر دی ہے الغرض بات بن سکی ہے یا نہیں بہی انہوں نے بزعم خویش کچھ نہ کچھ لکھ کر اپنے حقیقت ناشناس حواریوں کو اپنی حسن کارکردگی کا احساس ضرور دلایا ہے لیکن پاک و ہند کے اکابر کے مقابلہ میں نہ تو ان صاحبوں کا علم وسیع ہے اور نہ تحقیق پختہ ہے اور نہ رائے صحیح ہے اور نہ فہم کامل ہے اور نہ ان اکابر کے تقویٰ و ورع اور خدا خوفی اور بصیرت دینی کے مدمقابل ان کی کوئی نسبت ہے ایسے حالات میں جو نتیجہ یہ خام خیال حضرات نکالیں گے وہ اظہر من الشمس ہے اور ندائے حق میں اول سے آخر تک انہوں نے یہی کچھ کیا ہے صفراوی بخار میں مبتلا مریض کو شہد اور کھانڈ بھی کڑوی محسوس ہوتی ہے اور بھینگے آدمی کا زاویۂ نگاہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنی اصل حالت میں نظر نہیں آسکتی یہی حال مؤلف ندائے حق وغیرہ کا ہے کہ ان کو تسکین الصدور کے مسائل اور دلائل سیدھے نظر نہیں آئے اس کے برعکس پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کو جن کو گہری دینی بصیرت ۔ بے لوث علمی خدمت ۔ غضب کی اصابت رائے اور بے لاگ حق گوئی کا قدرتی ملکہ حاصل ہے اپنی درست نگاہوں سے تسکین الصدور میں تمام درج شدہ مسائل اور پیش کردہ دلائل اور حوالے حق اور صحیح نظر آئے ہیں اور اس میں درج شدہ تمام مسائل ان کو اسلام ۔ اہل السنت والجماعت ۔ احناف اور دیوبندی مسلک کے عین مطابق معلوم ہوتے ہیں اگر مؤلف ندائے حق اور ان کے حقیقت ناشناس حواریوں کو تسکین الصدور کے مسائل و دلائل میں خرابی اور خامی نظر آتی ہے تو ان کو اکابر علماء دیوبند کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ طے کر کے علم حاصل کرنا چاہیے کیونکہ اس دور میں صحیح علم علماء دیوبند کی وراثت ہے اور وراثت بیٹوں کو تو ملتی ہے مگر لے پالکوں کو نہیں ملا کرتی اور ان احباب پر لازم ہے کہ وہ اپنے سوءِ مزاج اور بھینگے پن کا معقول علاج کروائیں پھر ان کو ہر چیز اصلی صورت و شکل میں نظر آئے گی ۔ انشاء اللہ تعالےٰ ہم نے ندائے حق میں پیش کردہ صرف اس بات کے جواب کو ملحوظ رکھا ہے جس سے کسی طالب حق کے مغالطہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو گا ۔ دیگر بعض باتوں کا جواب ہم نے سماع الموتیٰ میں دیدیا ہے باقی باتوں کو ہم نے سرے سے درخور اعتناء اور قابل التفات ہی نہیں سمجھا اور نہ لایعنی

اور نری مجذوبانہ باتوں کو نقل کر کے ان کے جوابات دے کر عوام کے اذہان کو مشوش کرنا مناسب سمجھا ہے اور جو زبان انہوں نے استعمال کی ہے ہم نے علمی سطح سے گری ہوئی وہ زبان استعمال نہیں کی اللہ تعالیٰ کا جہان بڑا وسیع ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب ہمت انہیں کی بولی میں ان سے ہم کلام ہوں ہم اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں اور نہ ہمارے پاس ایسی مجذوبانہ باتوں کے رد کرنے کے لیے فالتو وقت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے مسائل بالکل حق اور دلائل و حوالے بڑے مضبوط اور ٹھوس ہیں جن کی اکابر علماء کرام نے اپنی وسیع دینی بصیرت کے ساتھ جاندار اور شاندار الفاظ میں بھرپور حمایت اور مکمل تائید کی ہے جیسا کہ ان کی تصدیقات سے ظاہر ہے۔ وَالْحَقُّ مَعَهُمْ حَيْثُ كَانُوْا۔

فقہاء کرامؒ پر بہتان

حضرات فقہاء کرامؒ نے فقہی طور پہ یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب ولی جنازہ پڑھ چکے تو اس کے بعد کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے اور وہ ایک دفعہ ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور نفلی جنازہ مشروع نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے تمام لوگوں کو اول سے آخر تک دیکھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جنازہ نہیں پڑھا حالانکہ آپ کا وجود مبارک آج بھی اسی طرح صحیح وسالم ہے جس طرح قبر مبارک میں رکھا گیا تھا کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ وہ اس کو کھائے (محصلہ بدایہ ج ۱ ص ۱۶ ـ بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱) علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ اُمت کا ترک جنازہ علی القبر اس بات کی دلیل ہے کہ عدم تکرار جنازہ پر اجماع ہے (محصلہ بدائع الصنائع) ان غیر متعلق عبارات اور خصوصاً علامہ کاسانیؒ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ یہ عبارت غمازی کر رہی ہے کہ تمام اُمت کا جیسے اجماع ہے حضرتؐ پر صلوٰۃ الجنازہ کے ترک پہ بعد الدفن ایسے ہی تمام اُمت کا اجماع ہے اس امر پہ کہ جسد اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا بلفظہ (ندائے حق ص ۲۹۱) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ملاحظہ کیا آپ نے نیلوی صاحب کی دینی بصیرت اور عشق محمدی؟ (علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام) محترم! معاف رکھنا یہ عبارت ہرگز اس امر کی غمازی اور چغلی نہیں کر رہی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے آپ کی روح مبارک کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ جسد اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا۔ یہ آپ کی سوء فہم کا نتیجہ اور حضرات فقہاء کرامؒ پر خالص افترا، نرا بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور تعصب سے بچائے حضرات فقہاء کرامؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ روح مبارک کا باقاعدہ تعلق تسلیم کرتے اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع پر متفق ہیں لا ریب فیہ حضرات فقہاء کرامؒ نے اس امر کی دلیل بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ نماز جنازہ

فرض کفایہ ہے جب ایک دفعہ ادا ہوگئی تو پھر دوبارہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نیلوی صاحب کو صحیح سمجھ اور احترام اکابر کی توفیق بخشے۔

راہ فرار

مؤلف ندائے حق نے اپنے پردہ نشیں مشیروں کی بے پناہ انگیخت سے دعویٰ تو ایسا کیا کہ اہل حق اور اہل السنت والجماعت میں سے ایک شخص بھی ان کا ساتھی نہیں ہے وہ یہ کہ قبر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اطہر سے روح مقدس کا کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے (معاذ اللہ تعالیٰ) لیکن اس بے بنیاد اور پادر ہوا دعوے پر وہ ایک بھی صریح اور صحیح حوالہ پیش نہیں کر سکے اور تا قیامت کر بھی نہیں سکتے ہاں وہ شیش محل میں رہ کر دوسروں کے ٹھوس اور مضبوط دلائل پر مجذوبانہ انداز میں الفاظ کے ہیر پھیر سے پتھراؤ کے خوگر ہیں اور بھینگے آدمی کی طرح ان کو کچھ کا کچھ نظر آتا ہے اور اپنے لیے جو محفوظ قلعہ تلاش کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ۔

لا دليل على النافي في احكام الشرع وانما الدليل على المثبت (اصول سرخسی ج۲ ص۱۱۷ ندائے حق ص۱۴۲ و ص۱۴۳)	احکام شرع میں نافی کے ذمہ دلیل نہیں دلیل قائم کرنا تو مثبت کے ذمہ ہے۔

قارئین کرام! سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرات جمہور کے حق اور مدلل مسائل کے مقابلہ میں دلیل اور برہان قائم کرنا خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں اور اس سے مؤلف مذکور اور ان کی پوری جماعت سراسر قاصر اور قطعاً عاجز ہے۔ اس لیے اپنے بچاؤ کے لیے اصول سرخسی کا ہوائی قلعہ تلاش کیا ہے مگر خیر سے محفوظ اس میں بھی نہیں ہے تعاقب کرنے والوں نے قلعہ پر بھی یلغار کر دی ہے اور اس قلعہ میں بھی ان کو چین سے نہیں رہنے دیا اولاً اس لیے کہ مثبت و مدعی اور نافی و مدعیٰ علیہ کا درجہ قائم کرنا علمی اور تحقیقی رنگ میں خاصا مشکل ہے۔ کبھی کوئی چیز بظاہر سلبی ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ اثباتی ہوتی ہے اور اس کو بھی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے اور اس پہلو کو اختیار کرنے والا مثبت اور مدعی کہلاتا ہے اور اس کے مدمقابل والا نافی اور مدعیٰ علیہ قرار دیا جاتا ہے وثانیاً۔ خود مؤلف مذکور نے ص۱۴۳ میں صاحب ہدایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مدعی کی ایک تعریف یہ ہے کہ جو غیر ظاہر سے متمسک ہو اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو متمسک بالظاہر ہو (ہدایہ ص۲۰۰) اس لحاظ سے ہم صحیح احادیث اور اقوال حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کے ظاہر سے متمسک ہیں اور آپ اس کے خلاف ہیں اس لیے آپ مدعی ہیں اور ہم مدعیٰ علیہ ہیں لہٰذا آپ پر دلائل کا اثبات لازم ہے وثالثاً آپ کو یہ تو نظریہ بظاہر معلوم ہی ہوگا کہ حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم قرأۃ خلف الامام۔ رفع الیدین

عند الرکوع و عند رفع الرأس من الرکوع آمین بالجہر اور نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے جہر کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں اور ایسے ہی دیگر بے شمار مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں نافی ہیں اور یہ سب کے سب احکام شرع ہیں۔ بایں ہمہ نہ تو حضرات احناف نے صرف اتنی بات پر اکتفاء کی ہے کہ چونکہ ہم نافی ہیں اس لیے ہمارے ذمہ دلائل نہیں ہیں اور نہ فریق ثانی ان کو دلائل قائم کئے بغیر چھوڑتا ہے باوجودیکہ وہ ان تمام مسائل میں نافی ہیں بایں ہمہ وہ اپنے مقام پر نقلی اور عقلی دلائل پیش کرتے ہیں اور اس پر وہ مجبور ہیں چونکہ آپ کا دعوٰی غلط ہے قطعاً باطل اور خلاف اجماع ہے اور عوام کی گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب ہے اس لیے آپ کو دلیل و برہان کا واضح ثبوت دینا ہوگا محض معصومانہ یا مجذوبانہ انداز سے آپ ہرگز گلو خلاصی نہیں کرا سکتے۔

؎ بچھڑ کر قافلے والوں سے جب تم رہ گئے تنہا تو پھر دشتِ ہوا پر دلربا بننے سے کیا ہوگا

مؤلف مذکور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ اجماعی مسئلہ ہے تو مؤطا امام مالک اور صحاح ستہ اور مسند شافعی اور مسند امام اعظم رح وغیرہ وغیرہ کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اور کیوں یہ خاموش ہیں!۔

الجواب:۔ یہ بھی نرا طفلانہ سوال ہے اولاً اس لیے کہ ان کتابوں میں تمام اجماعی مسائل کے تذکرہ کا ہرگز التزام نہیں کیا گیا بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو اجماعی ہیں مگر ان کتابوں میں ان کا ذکر تک نہیں ہے مؤلف مذکور نے صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۵ میں ایک عجیب بے مغز اور نری ہوائی تقریر کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ۔ یہ ہے اجماع صحابہ تابعین خیر القرون اور ائمہ مجتہدین کا کہ قبر عرفی میں حضور کو زندہ نہیں مانتے الخ العیاذ باللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کا ان تمام حضرات پر یہ سراسر جھوٹ اور نرا افتراء ہے یہ تمام حضرات آپ کو قبر مبارک میں زندہ تسلیم کرتے ہیں اور ان میں سے ایک بھی ان کا منکر نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس مفروض اجماع کا ذکر ان کتابوں میں کہاں ہے۔ آخر یہ کتابیں اس اجماع کے ذکر سے کیوں خاموش ہیں؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وثانیاً۔ ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ ہی کی کتاب ہے اور اس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو شخص سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مے آپ کی طرف روح مبارک لوٹائی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی پیش نظر کتاب میں اس کی بحث موجود ہے۔ اور صحاح ستہ اور حدیث وغیرہ ہی کی کتابوں میں تصریح ہے کہ عام مومنین بھی قبور کے پاس سلام کہنے والوں کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اس کی تحقیق راقم کی کتاب سماع الموتیٰ میں ملاحظہ فرمائیں اور یہ سب کچھ ان کی حیات فی القبور

کی بیّن دلیل ہے۔

نرالی تحقیق

فتح القدیر۔ فتاوی عالمگیری، نور الایضاح۔ طحاوی اور دیگر متعدد کتابوں کے حوالہ سے ہم نے تسکین الصدور میں لکھا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے طلب مغفرت کی سفارش کرانا درست ہے۔ ان عبارات کا جواب مؤلف ندائے حق نے یہ دیا ہے۔ بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دعاء استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس (انتہی بلفظہٖ ندائے حق ص۳۱۱) یہ ہے مؤلف مذکور کا حضرات فقہاء کرام رح کی عبارات کا معقول اور شافی جواب جو اس قابل ہے کہ روس کے عجائب گھر کے دروازہ پہ آویزاں کیا جائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تعالی اسی طرح کے کئی اور باطل نظریات ان کے ہیں بعض کا ذکر آگے کتاب میں آئے گا انشاء اللہ تعالی اور بعض کا ذکر ہم نے مسئلہ سماع الموتی میں کر دیا ہے۔

بیکار بھرتی

صاحب ندائے حق نے غیر متعلق حوالے تو کافی پیش کر دیے ہیں اور کشید کرنے کی بھی بے حد سعی کی ہے لیکن ایک حوالہ بھی اس پر نہیں پیش کر سکے اور نہ ہی بفضلہ تعالی قیامت تک پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی روح مبارک کا قبر شریف میں آپ کے جسد اطہر سے کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے (معاذ اللہ تعالی) حضرت مجدد الف ثانی رح اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رح وغیرہ حضرات کی بالکل غیر متعلق عبارات سے (جن کا ذکر آرہا ہے انشاء اللہ تعالی) اس کا ہرگز ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اور ابھی تک مؤلف ندائے حق وغیرہ اپنے اس باطل اور بے بنیاد نظریہ پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکے اس سے قطعاً عاجز سراسر قاصر اور یقیناً بے بس ہو چکے ہیں۔

فتنہ انگیز کارنامہ

پوری کتاب ندائے حق میں بجائے اس کے کہ وہ اپنے باطل اور بے بنیاد دعاوی پہ ٹھوس عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے انہوں نے جمہور کے دلائل پہ بلاوجہ تنقید کرنے اور ان میں کیڑے نکالنے پہ ہی سارا زور صرف کیا ہے لیکن یہ سب کچھ ان کے سوء استعداد اور سوء مزاج کی واضح دلیل ہے محض تنقید کر دینے اور کچھ کہہ اور لکھ دینے سے دلائل حقہ کی تردید نہیں ہو جایا کرتی قرآن کریم اللہ تعالی کی محکم کتاب ہے لیکن قدیماً و حدیثاً مشرکین کے مہمل اور بے سود اعتراضات بھی خود قرآن کریم اور کتب اسلامیہ میں موجود ہیں آریا کے مشہور لیڈر سرویانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب ہی بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن پہ تنقید کے لیے وقف کیا ہے کیا معاذ اللہ تعالی مسلمانوں کو یہ

تو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک پڑھا لکھا اور منطقی قسم کا آدمی اعتراض اور تنقید کر رہا ہے لہٰذا اس سے ضرور قرآن کریم کی صداقت متاثر ہو گئی ہے؟ یا مثلاً احادیث کے منکر موسلا دھار بارش کی طرح ان پر بلا وقفہ برستے ہیں۔ عبد اللہ چکڑالوی۔ تمنا عمادی۔ اسلم جیراجپوری۔ اور مسٹر غلام احمد پرویز وغیرہ کے یہ بیباک کارنامے کس عالم اور غیور مسلمان سے اوجھل ہیں؟ پھر کیا یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ واقعی احادیث میں کمی کمزوری اور خامی ہے؟ کون مسلمان اس کے تصور کے لیے تیار ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضؓ پر تنقید کرنے والوں نے کیا کمی چھوڑی ہے؟ جس کی ادبی رنگ میں کمی اب مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت وغیرہ میں پوری کر دی ہے کیا سچ مچ یہ مان لینا چاہیئے کہ حضرات صحابہ کرام رضؓ کی وہ برگزیدہ شخصیتیں جن پر کلام اور تنقید ہوئی ہے حقیقت میں ایسے ہی ناقابل اعتبار اور گئے گذرے اخلاق کی مالک ہیں؟ اسی طرح ائمہ دین رحؒ اور فقہاء کرام رحؒ و محدثین عظام پر جو کڑی جرحیں کی گئی ہیں کیا وہ قابل اعتماد ہیں؟ اوروں کا تو قصہ ہی جانے دیجیے امام الائمہ سراج الامت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحؒ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں خصوصیت سے امام خطیب بغدادی الشافعی رحؒ نے اپنی تاریخ بغداد میں امام صاحب رحؒ پر انتہائی ناشائستہ اور نازیبا جرحی اور تنقیدی بحث جو تقریباً پچاس صفحات میں کی ہے کیا وہ سب درست ہے! جس میں بعض حوالوں کے رو سے امام صاحب رحؒ کو عربی اور نحو سے ہی نابلد قرار دیا گیا ہے دور نہ جایئے قریب کے زمانہ میں بعض غالی غیر مقلدین نے فقہ حنفی پر جو کتابیں شائع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں جن میں حقیقۃ الفقہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ کیا ایسی کتابوں کے پیش نظر تمام کتب فقہ حنفی سے ہاتھ دھو دینا چاہیئے اور فقہ کی تمام کتابوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ اگر ان میں درج شدہ مسائل ضروری اور اہم ہوتے تو ضرور ان کا ذکر قرآن و حدیث میں بصراحت ہوتا۔ ان حضرات کو ہوش میں آجانا چاہیئے کیونکہ سوء مزاج میں مبتلا بعض افراد کی گرفت اور دینی طور پر بیباک اور غلط کار لوگوں کی تنقید کوئی حیثیت نہیں رکھتی حق جمہور کے ساتھ ہے اور بحمد اللہ تعالیٰ تسکین الصدور کی ذمہ دار حضرات نے تصدیق کر دی ہے۔

روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق میں عقلاً کوئی استبعاد نہیں ہے

مسلمان کے ایقان و اطمینان کا ذریعہ تو قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے واضح دلائل ہیں وہ ان کی موجودگی میں کسی اور چیز کا قطعاً محتاج نہیں ہوتا لیکن آج کی مادہ پرست دنیا اور عقل نارسا کی پجاری نئی پود کے لیے آج کی سائنس میں ایسی واضح مثالیں اور نظیریں بھی موجود ہیں جن سے وہ اپنے ضمیر کو سائنس کی ایجادات سے بھی مطمئن کر سکتے ہیں قریب کے زمانہ میں امریکہ نے تین مرتبہ چاند پر کامیابی

کے ساتھ اپنے آدمی اُتارے اور حیرت انگیز معلومات سے دنیا کو محو حیرت کر دیا پہلی مرتبہ ۱۶ر جولائی ۱۹۶۹ء کو امریکہ کے تین خلا باز۔ نیل آرمسٹرانگ۔ ایڈون آلڈرن اور مائیکل کولنز تین ہزار ایک ٹن وزنی خلائی جہاز اپالو یازدہم کے ذریعہ زمین سے روانہ ہو کر ایک سو دو گھنٹے پینتالیس منٹ اور بیالیس سیکنڈ میں چاند کی سطح پر پہنچے اول الذکر دونوں قمری گاڑی کے ذریعہ ۲۱ر جولائی ۱۹۶۹ء پاکستان وقت کے لحاظ سے ساڑھے سات بجے صبح قمری گاڑی سے چاند کی سطح پر اُترے اور دو گھنٹے پچپن منٹ تک کامیابی کے ساتھ تجربات کرتے اور مٹی کے نمونے جمع کرتے رہے اور چاند کی سطح پر انہوں نے لنچ بھی کھایا۔ اور اس وقت قمری گاڑی زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل (سائنس دانوں نے جو نئی پیمائش کی ہے اس کے مطابق چاند زمین سے دو لاکھ چھبیس ہزار نو سو ستر میل دور ہے۔ اخبار امروز ۶ر اگست ۱۹۶۹ء ص ۱) کے فاصلہ پر بحر سکوت کی دھول پر جمی رہی۔ آرمسٹرانگ اور آلڈرن چاند پر تجربات کے بعد گاڑی میں جا کر سو گئے تھے روانگی سے دو گھنٹے چھپن منٹ قبل انہیں بیدار کر دیا گیا اور اس طویل سفر میں خلائی جہاز اور قمری گاڑی اور خلا بازوں کے جسم کے ساتھ زمینی مرکز کیپ کینیڈی میں خلائی مرکز سے بدستور تعلق قائم رہا حتیٰ کہ ان کے دل کی رفتار تک سنائی دیتی رہی خلائی مرکز کے ڈاکٹر چارلس بیری نے بتایا کہ خلا باز جب چاند پر کام کر رہے تھے تو ان کے دل کی حرکت بالکل نارمل تھی حالانکہ چاند پر اُترائی کے وقت ان کے دل کی رفتار ستر پچھتر سے یکدم نوّے اور تھوڑی دیر بعد ایک سو چھپن تک ہو گئی زمین کے مدار سے نکلنے کے بعد جب خلائی جہاز نے چاند کی طرف پرواز شروع کی تو اس کی رفتار چوبیس ہزار میل فی گھنٹہ تھی خلائی جہاز کو صحیح سمت پر رکھنے کے لیے گراؤنڈ کنٹرولر سائنسی آلات سے کام لیتے رہے اور انہوں نے خلانوردوں کو بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ جی بھر کر سونے کی اجازت دی۔

(ماخوذ از اخبار امروز لاہور ۱۸ر جولائی ۱۹۶۹ء ص ۱ کالم ۴ و ۲۲ر جولائی ۱۹۶۹ء ص ۲ کالم ۱ تا ۴ ملخصاً)

اور اپالو پانزدہم ۱۵ جب ۲۶ر جولائی ۱۹۷۱ء کو روانہ ہوا تو اس میں تین مہ نورد تھے۔ ڈیوڈ سکاٹ جیمز ارون اور وورڈن ان میں مؤخر الذکر تو کمان گاڑی میں چاند کے گرد چکر لگاتا رہا اور پہلے دونوں چاند پہ اُترے انہوں نے کئی مقامات پر مٹی اور پہاڑوں کے نمونے حاصل کئے اور ضروری تجربات کئے اس مہم کا مقرر وقت سات گھنٹے تھا لیکن زمینی کنٹرول نے آکسیجن میں تیزی سے کمی آجانے کے باعث اس میں نصف گھنٹے کی کمی کر دی زمینی کنٹرول نے کمانڈر سکاٹ کو انتباہ کیا کہ اس کے دل کی دھڑکن درست طور پر سنائی نہیں دیتی اس لیے وہ مقررہ پروگرام سے زیادہ ہرگز کام نہ کریں۔ (اخبار مشرق لاہور ۲ر اگست ۱۹۷۱ء ص ۱ کالم ۳) اس

مہم کے سربراہ سکاٹ نے چاند کی سطح پر پہنچنے کے بعد پروگرام کے مطابق چاند گاڑی کا دروازہ کھولا اور کوئی نصف گھنٹے تک اپنا آدھا جسم باہر نکال کر چاند کی فضا اور مناظر دیکھتے رہے اور جیمز ارون اپنی نشست پر ہی بیٹھے رہے دریں اثنا ٹیلی ویژن پر ان کا ہر کام واضح اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔ (اخبار امروز لاہور یکم اگست ۱۹۷۱ء ص۱ کالم ۷)

امریکہ نے ۲ مارچ ۱۹۷۲ء کو کیپ کینیڈی سے اپنا خلائی جہاز پائنیر ۱۰ نظام شمسی کے سب سے دور دراز سیارہ مشتری کی طرف روانہ کر دیا ہے جو تقریباً تیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہے۔ مشتری زمین سے تقریباً ایک ارب کیلومیٹر دور ہے جبکہ سورج کا فاصلہ زمین سے ۴۸۳۰۰۰۰۰۰ میل ہے گویا مشتری کا سورج سے فاصلہ زمین سے سورج کے فاصلہ سے پانچ گنا زیادہ ہے اور اس کا قطر زمین سے گیارہ گنا زیادہ ہے زمین کا استوائی قطر ۸۸۷۰۰ میل ہے اور قطبی ۸۲۸۰۰ میل ہے یہ خلائی جہاز اگر اس کے آلات ٹھیک طور پر کام کرتے رہے۔ تو ۲۱ ماہ کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء مشتری کے مدار میں داخل ہو گا اور اس کے سائنسی آلات اتنے طاقت ور ہیں کہ زمین سے دو ارب چالیس کروڑ میل کے فاصلہ تک وہ زمین سے رابطہ قائم رکھے گا۔ (ملخصاً) (اخبار امروز لاہور ۱۹ محرم ۱۳۹۲ھ، ۱۶ مارچ ۱۹۷۲ء ص۳ پس منظر (آخری ایڈیشن ۳ ستارے)

امریکہ نے حال ہی میں جو خلائی گاڑی وائی کنگ کامیابی سے مریخ پر اتاری ہے (زمین سے مریخ کی مسافت اکیس کروڑ پچاس لاکھ میل ہے) اس کے کھدائی کرنے والے ایک بازو میں پن خراب ہونے کی وجہ سے کام میں تعطل پیدا ہو گیا تھا زمین پر رہنے والے سائنسدانوں نے اس کی خرابی دور کر دی اور وہ کام کر رہی ہے۔

چنانچہ اخبار نوائے وقت لاہور ۲۸ رجب ۱۳۹۶ھ ۲۷ جولائی ۱۹۷۶ء ص۱ کالم ۵ میں یہ سرخی قائم کی ہے۔ خلائی گاڑی کے مشینی بازو کو زمینی مرکز سے درست کر دیا گیا آگے تفصیل یوں درج ہے۔ پساڈینا کیلیفورنیا ۲۶ جولائی (اے ایف پی) مریخ پر اترنے والی وائی کنگ کی خلائی گاڑی کا جو مشینی بازو خراب ہو گیا تھا اسے سائنسدانوں نے زمینی آلات کی مدد سے ٹھیک کر دیا ہے اور وہ مریخ پر زندگی کے امکانات معلوم کرنے کے لیے بدھ کے روز سے پھر کھدائی شروع کر دے گا۔ وائی کنگ کی کدال کا یہ بازو اسے وائی کنگ سے جوڑنے والے ایک پن کے خراب ہو جانے کی وجہ سے معطل ہو گیا تھا الخ

یہ تو انسانی سائنس اور انسانی کوشش اور کاوش کا ایک نتیجہ ہے کیا اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات کو اس پر قدرت نہیں ہے کہ ارواح کو علیین یا سجین میں رکھنے کے باوجود (جیسا کہ روایات سے ثابت ہے)

ان کا تعلق قبروں میں ان کے اجسام یا اجسام کے ذرات سے وابستہ رکھے؟ اگر یہ اُمور وقوع پذیر ہو سکتے ہیں اور سورج کا تعلق زمین سے ایک واضح مشاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے تو ارواح کے اجسام کے ساتھ تعلق رکھنے میں بھی عقلی طور پر ہرگز کوئی مضائقہ نہیں ہے مرنے کے بعد روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کو مستبعد سمجھنے والے حضرات میں اگر حق کی طلب و جستجو ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر یہ اپنی غلطی کا ضرور احساس کر کے جمہور اور اکابر کا دامن تھام لیں گے کیونکہ حق کی راہ میں چلنے والے زیادہ دیر تک الگ نہیں رہ سکتے حق ان کو جمع کر کے ہی رہتا ہے کیونکہ حق کی فطرت ہی جمع و تالیف اور وحدت و یگانگت کی متقاضی ہے تفرقہ اور تحزب صرف اسی صورت میں رُونما ہوتا ہے جب حق کے ساتھ کچھ نہ کچھ باطل اور نفسانیت کی آمیزش ہو یا اوپر تو حق کی نمائش ہو اور اندر باطل مفاد پرستی انانیّت اور ذاتیات کارفرما ہوں نعوذ باللہ من شرور انفسنا

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا۔

سخنہائے گفتنی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ!

اَمَّا بَعْدُ!

① قیامت کی نشانیاں تو بہت کچھ ہیں مگر ان میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہر آنے والا دن پہلے دن سے ہر لحاظ سے متفاوت ہے گو اس دور میں مادی ترقی کو بہت کچھ عروج حاصل ہو رہا ہے لیکن افسوس کہ دین سے بے اعتنائی اور غفلت بھی برق رفتاری کے ساتھ ترقی پذیر ہے اور دین کے نام پر بہت سے فتنے پروان چڑھ رہے ہیں اور ہر پڑھا لکھا اور قادر علی الکلام آدمی اپنے کو مجدّد اور مجتہد سے کم نہیں سمجھتا اور اپنی رائے اور فہم کو حرفِ آخر اور قطعی تصوّر کئے بیٹھا ہے اور واعجاب[1] کل ذی رائٍ برأیہ، کا ارشاد پورا ہو رہا ہے یعنی ہر آدمی اپنی رائے پہ مغرور و نازاں ہو گا حالانکہ راہ نجات اور سلامتی کا طریقہ ہی وہی ہے جس پر حضرات سلف صالحینؒ گامزن اور عمل پیرا تھے ان کے دامن سے وابستہ رہنا ہی فلاح و کامیابی کا ضامن اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہلاکت و بربادی اور گمراہی و ضلالت کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضرات سلف صالحینؒ کے دامن سے وابستہ رکھے آمین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے تمہاری خطا کا خطرہ نہیں لیکن مجھے تمہارے جان بوجھ کر (غلط کاری) اختیار کرنے کا خطرہ ہے

---

[1] یہ ایک حدیث کا جملہ ہے جو حضرت ابوثعلبہ خشنی رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حتّٰی اذا رأیت شحاً مطاعاً وھوی متبعاً واعجاب کل ذی رأیٍ برأیہ فعلیک نفسک ودع امر العوام الحدیث (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۱ و موارد الظمآن ص ۴۵۶) یعنی جب تو بخل کو مطاع اور خواہش نفسانی کو مقتدا اور ہر رائے والے کو اپنی رائے پر مغرور و نازاں دیکھے تو اس وقت تو اپنے نفس کی فکر کر اور عوام کا معاملہ چھوڑ دے

(موارد الظمآن ص ۶۱۴ ونقطۃ وما اخشیٰ علیکم الخطأ ولٰکنی اخشیٰ علیکم العمد)

④ چند سال سے پاکستان میں بعض مسائل وجہِ نزاع بنے ہوئے ہیں جن میں علی الخصوص مسئلہ حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع، قبر اور برزخ کے عذاب کی نوعیت اور توسل وغیرہ ان میں قابلِ ذکر ہیں بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواحِ طیبات کا ان کے اجسام مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں ہاں یوں اُن کے اجسام مبارکہ بالکل محفوظ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اور اسی طرح عذاب قبر ان میں سے بعض کے نزدیک صرف روح کو ہے اور بعض کے نزدیک صرف بے جان جسم کو اور دعا میں توسل بھی جائز نہیں جب کہ جمہور علماء کرام ان نظریات کے بالکل مخالف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جسم اور روح دونوں سے متعلق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا بنفس نفیس خود سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں اور اسی طرح قبر میں نیکوں کو جو راحت و آرام اور گنہگاروں کو جو عذاب وسزا ہوتی ہے وہ بدن مادی اور روح دونوں سے متعلق ہے اور توسل کا مسئلہ اپنی جائز صورتوں کے ساتھ جائز اور مشروع ہے ملک کے طول وعرض میں جب یہ مسائل منظرِ عام پر آئے تو عامۃ المسلمین کا رجوع ملک میں حضرات علماء کرام کی ذمہ دار جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی طرف ہوا جن میں محقق اور مدرس عالم بھی ہیں اور مناظر ومقرر بھی تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی قابل اعتماد ہیں اور ملکی سیاست میں بھی ان کا بفضلہ تعالیٰ اچھا حصہ ہے کافی غور وخوض کے بعد محض عوام کی رہنمائی کے لیے انھوں نے ان مسائل میں اپنے بزرگوں کی اور خود اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا اُن میں سے بعض مسائل پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب مقام حیات لکھ کر اہلِ علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے اس کتاب کے بعض حوالوں اور دلائل اور ان سے طرز استدلال میں تو علمی اور تحقیقی طور پر اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے مگر پھر بھی ان تمام مسائل پر مدلل طریقہ سے کتاب کی ضرورت باقی تھی جس کی ضرورت علماء کرام نے محسوس کی۔

⑤ ۲ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۶۲ء میں جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی اجلاس میں جو لاہور میں منعقد ہوا اور جس میں ملک بھر کے سینکڑوں ذمہ دار علماء کرام تشریف فرما تھے ان مسائل پر بھی خوب گرما گرم بحث ہوئی بالآخر بالاتفاق یہ طے ہوا کہ ان مسائل کی ترتیب وتدوین اور ان کے باحوالہ مدلل ومبرہن کرنے کے

لیے ایک کمیٹی بنائی جائے اور وہ ان مسائل پر علمی مواد جمع کرے اور اس کے بعد ذمہ دار حضرات کی رائے سے ان کو شائع کیا جائے چنانچہ اس کمیٹی کے لیے پانچ حضرات منتخب ہوئے۔

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم (۲) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ظلہم مجدہم (۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت فیوضہم (اکوڑہ خٹک) (۵) راقم اثیم، اور اس کمیٹی کا ناظم راقم کو منتخب کیا گیا باوجود نااہلی عدیم الفرصتی اور علالت کے ناچار الامر فوق الادب کے قاعدہ کے تحت اکابر کا حکم اور فیصلہ تسلیم کرنا پڑا آخر مشہور مقولہ ہے حکم حاکم مرگ مفاجات ان جملہ اکابر کی ہدایت اور حکم کے مطابق راقم نے ان مسائل کو جمع کیا اور ان کو اطلاع دی کہ مجموعہ مرتب ہو چکا ہے اس پر اظہار رائے کے لیے کوئی جگہ نیز وقت متعین کریں مگر مشکل یہ پیش آئی کہ کراچی و ملتان اکوڑہ خٹک و سرگودھا اور گکھڑ ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دور واقع ہیں اور مستزاد براں ان میں سے ہر بزرگ اپنے مقام پر انتہائی مصروف تھے اور راقم اثیم ان سب سے بڑھ کر مصروف تھا اگر ایک صاحب کو فراغت نصیب ہوتی تو دوسرے کسی الجھن میں مبتلا ہوتے اور اگر کسی دوسرے کو قدرے فرصت ملتی تو کوئی اور صاحب مصر و عرب وغیرہ کے دورہ پہ ہوتے اور کچھ نہ ہوتا تو مرض و علالت ہی دامن گیر ہو جاتی الغرض رکاوٹ پر رکاوٹ اور تاخیر پر تاخیر پیش آتی رہی اور کتاب کی سماعت اور اس پر رائے زنی کا موقع میسر نہ آ سکا حتیٰ کہ اس کمیٹی کے ایک بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۸۵ھ) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور یہ معاملہ جوں کا توں معلق رہا مگر کیا کیا جائے تقدیر میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔

(۵) بالآخر ۲۴، ۲۵ شعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۶۷ء کی تاریخیں منتخب ہوئیں اور ملتان خیر المدارس جگہ متعین ہوئی مگر حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام مجدہم خود تشریف نہ لا سکے اور ایک نوازش نامہ ارسال فرمایا جو بعینہ درج ذیل ہے، اسی طرح سوء اتفاق سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ بھی شریک نہ ہو سکے۔ ان کا جو پیام آیا وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم کا گرامی نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

گرامی مآثر مولانا المحترم وفقکم اللہ لکل خیر وسعادۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:- میں رحیم آباد، رحیم یارخان اور چند گھنٹوں کے لیے ملتان گیا تھا، ۹ نومبر سے ۲۶ر تک میں یہاں غیر موجود تھا، واپسی پر ڈاک میں مکتوب گرامی ملا اور آج ۲۸ر نومبر پڑھنے کا اتفاق ہؤا بہت صدمہ ہوا آج ۲۵ر شعبان ہے شام کا وقت ہے، اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو میں ملتان ٹھہر جاتا۔ انا للّٰہ بہرحال نہ خود حاضری کا امکان نہ نائب مقرر کرنے کا سوال۔ میری غیر موجودگی میں جو صاحب ڈاک کے منتظم تھے وہ بھی تعطیل میں رخصت ہو گئے تھے، ورنہ مجھے ٹیلیفون یا تار سے مطلع کرتے۔ بہرحال اب جو کچھ آپ حضرات نے فیصلہ کر لیا ہوگا وہ بالکل درست ہوگا، مجھے اس سے اتفاق ہوگا۔ مجھے اس کا اطمینان ہے کہ وہ درست ہوگا اور صحیح ہوگا۔ اب زیادہ تأسف کیا ہو سکتا!

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا عنہ

۲۵ شعبان ۱۳۸۷ھ

(۲) حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ دامت برکاتہم کا نوازش نامہ

حوالہ نمبر ۱۵۹۳۷ ۱۸ر رجب ۱۳۸۷ھ

بخدمت گرامی مخدومی المحترم المکرم جناب حضرت العلامہ مولانا صاحب

زادکم اللہ مجداً و سعوداً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعثِ عزت افزائی بنا۔ یاد فرمائی کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔ مسائل مذکورہ کے بارہ میں مجھے آنمحترم کے گرامایہ تحقیقات سے کلی اتفاق ہے۔ پھر دیگر حضرات اکابر و افاضل کے غور و خوض سے جو فیصلہ ہوگا۔ اس سے میرے اختلاف کی کیا مجال ہے۔ آپ حضرات نے جو بھی طے کیا، اس کی میں کاملاً تائید کرتا ہوں۔ میٹنگ میں بھی شمولیت سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں۔ مگر افسوس کہ ان ہی دنوں بعض ایسے موانع اور اعذار درپیش ہیں، جس کی وجہ سے ملتان حاضر نہ ہو سکوں گا۔ ایسے قلیل وقت میں مجوزہ مشاغل کو ملتوی کرنا بھی مشکل ہے، حضرات اکابر نے جو بھی فیصلہ کیا۔ میرا اتفاق س کے ساتھ لکھ لیں، اور اگر مزید ضرورت ہو۔ تو مسائل مذکورہ کے بارہ میں اُن حضرات کی رائے گرامی یہاں ارسال فرمادیں۔ میں بھی تائیدی دستخط ثبت کر لوں گا۔ امید ہے میری واقعی مجبوریوں کی وجہ سے نہ آسکنے پر کبیدہ خاطر

نہ ہوں گے آپ کا وجود علمی اور دینی دنیا کے لیے مغتنمات میں سے ہے۔ خداوند تعالیٰ مساعی جمیلہ کو برکت اور قبولیت سے نواز دے آمین، آمین والسلام

بندہ عبد الحق غفرلہٗ مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

ملتان کے اس اجلاس میں جن حضرات نے شرکت کی اور اوّل سے آخر تک راقم کتاب سُناتا رہا اور یہ بزرگ سُنتے رہے اور بعض بعض مقامات میں اصلاح بھی کرتے رہے اور آخر میں بعض مسائل پر بحث بھی ہوئی اور ان کی ہدایت پہ عمل کیا گیا) وہ یہ ہیں:۔

(۱) حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دام مجدھم (۳) حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب دام مجدھم (ملتان) (۴) حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب دام مجدھم جامعہ رشیدیہ ساہیوال (۵) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حضرت مولانا غلام غوث صاحب دامت برکاتہم (۷) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدھم (چکوال) (۸) حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب دام مجدھم (گجرات) (۹) راقم اثیم (۱۰) اور گاہے گاہے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کوہاٹی نائب مفتی خیر المدارس ملتان بھی اس میں حصّہ لیتے رہے۔

(۶) یہ بات بھی اچھی طرح محفوظ خاطر رہے کہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے معانی و مطالب جس طرح حضرات سلف صالحینؒ نے سمجھے اور بیان کیے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں کیونکہ ان میں علم اور علم کا عمق خداخوفی اور ورع جس طرح موجود تھا وہ بعد کے آنے والوں کو نصیب نہیں ہو سکا اور زمانۂ رسالت کے قُرب کی برکت اور خیر القرون کی سعادت سے جس انداز سے وہ بہرہ ور ہوئے وہ انہی حضرات کا حصّہ ہے۔ خلیفۂ راشد حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ)۔ نے ایک موقع پر منکرین تقدیر کو نصیحت کرتے ہوئے ایسی بہترین باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو بلا مبالغہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں انہوں نے طویل مضمون میں ان لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا اور پوری ہمدردی اور دلسوزی سے ان کی خیر خواہی کی، ان لوگوں کا یہ شُبہ تھا کہ اگر تقدیر پہ ایمان لانا ضروری ہے اور یہ قرآن (وحدیث) سے ثابت ہے تو قرآن کریم میں ایسی آیات کیونکر موجود ہیں جن سے تقدیر کی نفی ثابت اور معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اس بے پا در ہوا شبہ کو رد کرتے ہوئے حضرت عمرؓ بن عبد العزیزؒ نے جو کچھ فرمایا وہ سارا مضمون پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس کے چند جملے یہ ہیں:۔

ولئن قلتم لم انزل اللہ آیۃ کذا ولم	اور اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں آیت کیوں نازل
قال کذا لقد قرؤا منہ ما قرأتم وعلموا من	فرمائی ہے (جس سے تقدیر کا انکار ثابت ہوتا ہے)

تاویلہ ماجہلتم وقالوا بعد ذالک کلہ بکتاب وقدر ومایقدر یکن وماشاء اللہ کان ومالم یشاءلم یکن ولا نملک لانفسنا نفعاً ولا ضراً ثم رغبوا بعد ذلک ورھبوا

(ابوداؤد جلد ۲ ص۲۷۸)

اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیوں فرمایا ہے؟ (تو اس کا جواب یہ ہے) کہ بلاشبہ قرآن کریم کی یہ آیتیں اور مضمون حضرات سلف صالحینؒ نے بھی پڑھا ہے جیسا کہ تم پڑھتے ہو مگر وہ اس کا مطلب سمجھ گئے اور تم نہ سمجھ سکے اور باوجود اس کے انہوں نے (پہلے ہی سے اعمال کے) لکھنے کا اور تقدیر کا اقرار کیا سو جو چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں سے مقدر ہوتی ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور جس کو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی اور ہم اپنے لیے نہ تو نفع کے مالک ہیں اور نہ ضرر کے اور پھر وہ راغب (الی اللہ) بھی ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہے۔

مراد واضح ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات سے اگر تمہیں تقدیر کا انکار معلوم ہوتا ہے تو یہی قرآن کریم اور اس کی آیات حضرات سلفِ صالحینؒ کے سامنے بھی تو تھیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو ان آیات سے نفی معلوم نہ ہوئی اور تمہیں معلوم ہو گئی؟ کیسے باور کیا جائے کہ تم ان آیات کی تہ تک رسائی حاصل کر گئے اور ان پر یہ راز منکشف نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ تم قرآن کریم کی آیات پڑھتے ہو لیکن ان کا مطلب نہیں سمجھتے اور ٹھوکر کھا جاتے ہو اور حضرات سلفؒ ان کی تہ تک پہنچ گئے تو انہی کے دامن سے وابستہ رہنا ضروری اور کامیابی کی چابی ہے اور ان سے اعراض نرا خطرہ کا الارم ہے۔ اور پھر جمہور امّت اور اکثریت کا خطا سے محفوظ رہنا نصوص سے ثابت ہے اکیلے دوکیلے کی غیر معصوم رائے ان کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتی ہے؟ علامہ اقبال مرحوم نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ ؏

فرد قائم ربط ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں

اس لیے قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر حدیث کا مطلب سمجھنے کے لیے حضرات سلف صالحینؒ کا دامن تھامنا ضروری ہے اور یہی نجات کا راستہ ہے اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ۔

www.Allepaq.com

باب اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَلَّذِیْ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فِی الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ بِیَدِہٖ الْمَوْتُ وَالْحَیٰوۃُ وَھُوَ الَّذِیْ قَالَ کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ وَھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ وَاَعْلٰی دَرَجَتَہٗ فِیْ اَعْلٰی عِلِّیِّیْنَ وَحَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ جَسَدَہُ الشَّرِیْفَ وَاَجْسَادَ سَائِرِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَنْ تَاْکُلَھَا وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ عِنْدَ قَبْرِہٖ سَمِعَہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ نَائِیًا بُلِّغَہٗ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَجَمِیْعِ مُتَّبِعِیْہِ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اٰمِیْن ثُمَّ اٰمِیْن۔

قبر کی راحت اور عذاب حق ہے۔ اور اس کا انکار کفر ہے۔

جملہ اہل السنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر اور برزخ میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین اور گناہگاروں کو عذاب و تکلیف حاصل ہوتی ہے اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ کا ذمہ دار گروہ عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو معانی کا احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ننانوے 99 پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو ہاں اگر وہ خود ہی کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین

کر دے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی، مسئلہ کی وضاحت کے لیے ہم مسلّم حضرات فقہاء کرامؒ میں سے چند بزرگوں کی شہادت نقل کرتے ہیں :۔

① علّامہ طاہرؒ بن احمد۔ الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وینکر کرام الکاتبین وعذاب القبر کذا من ینکر الرؤیۃ لانہ کافر

جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی شفاعت اور کرام کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیۃ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیونکہ وہ کافر ہے۔

(خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ ص ۱۴۹)

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔

② محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمدؒ بن عبد الواحد۔ الحنفی (المتوفی سنہ ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

ولا تجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانہ کافر لتوارث ہذہ الامور عن الشارع صلی اللہ علیہ وسلّم

شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السّلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

(فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۴۷ طبع مصر)

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے فتاویٰ عالمگیری (جلد ۲ ص ۳۰۱ طبع مصر) میں بھی انکار عذابِ قبر کو کفر لکھا ہے۔

③ امام ابو عبد اللہ محمدؒ بن احمدؒ بن بکر الانصاری الخزرجی الاندلسی القرطبیؒ (المتوفی ۶۷۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

فاعلموا ایہا الاخوان ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یأخذ بابصار الخلائق واسماعہم

اے بھائیو تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلّف) مخلوق میں سے

من الجن والانس عن رؤیة عذاب القبر ونعیمه لحکمة الالهیة ومن شك فی ذلك فهو ملحد اه (مختصر تذکرة القرطبیؒ لعبد الوهاب الشعرانیؒ • ص۳۶ طبع مصر)

جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب اور راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ ابو شکور السالمیؒ (المتوفی سنہ) فرماتے ہیں کہ:۔

فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات والله تعالی یقول اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا یعنی فرعون وقومه دل انه کان صحیحا فی اَیِّ موضع وعلی اَیِّ حال ومن انکر هذا یصیر کافرا والله اعلم

(تمهید ص۱۲۵ طبع لاهور)

عذاب قبر مومنوں کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا عبد العلی بحر العلوم الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۵ھ) لکھتے ہیں کہ

منکر الشفاعة لاهل الکبائر والرؤیة وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔

(رسائل بحر العلوم ص۹۹)

اہل کبائر کے لیے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ۔ عذاب قبر اور کرام کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔

ذخیرۂ کتب حدیث میں صحیح اور صریح احادیث میں جن کا احصاء و شمار بھی مشکل ہے۔ بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ قبر کی راحت اور عذاب کا ذکر ہے۔ اور عذاب قبر کا ذکر قرآن کریم میں بھی مذکور ہے مگر کچھ لوگ اپنی بدقسمتی سے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے محض اپنی نارسا عقل اور مادی طبیعت کے زور سے ان مسائل کو حل کرنے کی بے جا سعی کرتے ہیں اور اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے خوگر ہیں وہ دیگر کئی مسائل کی طرح عذاب قبر کا بھی انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کی ناقص سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد ثواب و عقاب اور راحت و عذاب بے جان جسم کو ہو؟ لیکن نصوص قطعیہ اس باطل نظریہ کی پرزور تردید کرتی ہیں۔ اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور قطع نظر احادیث کے قرآن کریم میں عذاب برزخ کا ذکر ہے اپنے دعویٰ کو مبرہن کرنے کے لیے ہم

Www.Alehaq.com

چند آیات پیش کرتے ہیں:-

(۱) اللہ تعالیٰ سرکشوں اور باغیوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:-

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ج اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ
بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ
عَنْ آيَاتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○

اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہونگے
اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے (اور کہیں گے) کہ نکالو
اپنی جانیں آج کے دن تمہیں بدلہ ملیگا ذلّت کے عذاب کا
اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی
آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

(پ۷۔ الانعام۔۱۷)

خروج نفس اور روح کے بعد اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے یہی اصطلاح شریعت میں عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے اور چونکہ یہ الفاظ استعمال کرنے والے معصوم فرشتے ہیں جن کے صادق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور جو بجز پروردگار کے بلائے بولنے کے مجاز نہیں اس لیے اگر مرنے کے بعد جلدی ہی عذاب نہ ہو تو (معاذ اللہ تعالیٰ) یہ کلام صادق نہ رہے گا اور جب یہ ارشاد حق ہے تو ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد عذاب ہوتا ہے۔ (ماخوذ از کتاب الروح صـ۹۳)

(۲) دوسرے مقام پر نافرمانوں اور مجرموں کے تذکرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا
الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ
اَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○

اور اگر دیکھے تو جس وقت جان قبض کرتے ہیں فرشتے
کافروں کی (اور) مارتے ہیں ان کے منہ اور ان کی
کمریں اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔

(پ۱۰، الانفال، ۷)

مرنے کے بعد جو عذاب الحریق کافروں کو چکھایا جائے گا وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ ہے اس آیت کریمہ سے بھی بلا کسی تاویل کے ثابت ہوا کہ موت کے وقت ہی سے کافروں کو عذاب کی وعید سنا دی جاتی ہے اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے فوراً بعد عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) ایک مقام پر فرعونیوں کا واقعہ نقل کرتے ہوئے رب العزّت فرماتے ہیں کہ:-

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○

اور گھیر لیا فرعونیوں کو بری طرح کے عذاب نے وہ آگ ہے

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝ (پ۲۴، المؤمن ۵)

کو پیش کئے جاتے ہیں اس پر صبح وشام اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعونیوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔

اس ارشاد سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ صبح وشام یعنی بدوام واستمرار کے ساتھ فرعونیوں کو آگ کے عذاب پر پیش کیا جاتا ہے اور وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے کیونکہ قیامت کا عذاب تو وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جو اَشَدَّ الْعَذَابِ ہوگا اور جو حکم فرعونیوں کا ہے وہی حکم جملہ کفار اور مشرکین کا ہے کیونکہ جو علّت ان کے عذاب اور سزا کی ہے وہی دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

وهذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور

یہ آیت کریمہ قبر میں عذاب برزخ کے اثبات کے سلسلہ میں اہل سنت کے لیے ایک بڑا قاعدہ اور ضابطہ ہے

(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۱ طبع مصر)

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان اور مجرم قوم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۝ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝ (پ۲۹۔ نوح ۲۵)

بوجہ اپنے گناہوں کے وہ غرق کئے گئے پس ڈالے گئے آگ میں پھر نہ پایا انہوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی مجرم قوم غرقاب ہوتے ہی فوراً عذاب میں مبتلا ہو گئی کیونکہ اُغْرِقُوْا ماضی کا صیغہ ہے اور اسی طرح فَاُدْخِلُوْا بھی ماضی ہے جس میں حرف فا ہے جو تعقیب بلا مُہلت کے لیے آتا ہے۔ (الخیالی ص۱۱۹) اور مرنے کے بعد فوراً جو عذاب ہوتا ہے اسی کا نام عذاب قبر اور عذاب برزخ ہے ان آیات طیبات سے معلوم ہوا کہ اصل عذاب قبر کا ثبوت قرآن کریم میں موجود ومذکور ہے ہاں اس کی تفسیر وتشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر اپنی زبان مبارک سے بیان کردی ہے جو بالکل حق ہے کیونکہ ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

عذاب قبر کی بعض احادیث

عذاب قبر کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں ہم اس مقام پر صرف چند احادیث باحوالہ عرض کرتے ہیں

(۱) حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

مر النبی صلی الله علیه وسلم بقبرین فقال
انهما لیعذبان وما یعذبان فی کبیرا ما
احدهما فکان لا یستتر من البول وفی روایة
مسلم لا یستنزه من البول واما الآخر فکان
یمشی بالنمیمة ثم اخذ جریدة رطبة فشقها
بنصفین ثم غرز فی کل قبر واحدة قالوا
یارسول الله لم صنعت هذا فقال لعله
ان یخفف عنهما ما لم ییبسا

(متفق علیہ، مشکوٰۃ جلد ۱ ص۴۲، بخاری ج۱ ص۳۵ و
مسلم جلد ۱ ص۱۴۱ و موارد الظمآن ص۱۹۹)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے
تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے لیکن
کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ایک کو تو اس لیے
عذاب ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا
اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی تر ٹہنی لی
اور اس کے دو حصے کر دیے ایک حصہ ایک قبر میں
گاڑ دیا اور دوسرا دوسری قبر میں پھر فرمایا شاید کہ ان سے
عذاب ہلکا ہو جائے جب تک کہ یہ ٹہنیاں خشک
نہ ہوں۔

اس حدیث میں شراح حدیث نے جو روائتی اور درایتی ابحاث کی ہیں اس وقت ان سے غرض نہیں یہ صحیح روایت عذاب قبر کے بارے میں نص ہے اور اس موقع پر یہی پہلو مقصود ہے۔

(۲) حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

بینا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی
حائط لبنی النجار علی بغلة له ونحن معه اذ حادت
به فکادت تلقیه واذا اقبر ستة او خمسة
فقال من یعرف اصحاب هذه الاقبر قال
رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرك فقال
ان هذه الامة تبتلی فی قبورها فلولا ان لا

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر بنو نجار
کے ایک باغ میں جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ
تھے یکایک خچر بدکا قریب تھا کہ آپ کو گرا دیتا
معلوم ہوا کہ وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ
ان قبروں میں کون لوگ دفن ہیں؟ کوئی جانتا ہے؟ ایک
شخص بولا ہاں حضرت میں جانتا ہوں یہ دور شرک میں

القبر الذى اسمع منه (الحديث) (مشكوٰة جلد۱ ص۲۵، مسلم جلد۲ ص۳۸۶ وموارد الظمآن ص۲۰۰)

کا قبروں میں امتحان ہوتا ہے اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ تم مردوں کو دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ جو عذاب قبر میں سنتا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دے۔

اس روایت سے بھی عذاب قبر کے اثبات پر صراحت سے روشنی پڑتی ہے۔

(۳) حضرت انسؓ بن مالک کی ایک طویل حدیث میں یہ بھی آتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين۔ (متفق عليه ولفظه للبخارى ومسند احمد ج۳ ص۱۲۶ مشكوٰة جلد۱ ص۲۵)

منافق کو لوہے کے ہتھوڑوں سے سختی سے مارا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی آواز کو انسانوں اور جنوں کے علاوہ قریب والی ساری مخلوق سنتی ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے:-

انهم ليعذبون فى قبورهم تسمعه البهائم (موارد الظمآن ص۲۰۰)

بلاشبہ ان (مجرموں) کو قبروں میں سزا دی جاتی ہے۔ جس سزا کی آواز چوپائے بھی سنتے ہیں۔

چونکہ انسان اور جن مکلّف مخلوق ہے، اس لیے ان سے ایمان بالغیب مطلوب ہے، اور ان کو قبر کا عذاب سنانا حکمت کے خلاف ہے بخلاف چوپایوں اور باقی جانوروں کے کہ وہ مکلّف نہیں اس لیے وہ سن سکتے ہیں۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ منکر نکیر جب نیک و بد سے سوال کر چکتے ہیں تو منافق اور مجرم کے متعلق:-

فيقال للارض التئمى عليه فتلتئم عليه فتختلف اضلاعه فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذالك رواه الترمذى جلد۱ ص۱۲۷ (مشكوٰة جلد۱ ص۲۵)

زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اُس پر سمٹ جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آرپار ہو جاتی ہیں یہ سزا اس کو اس وقت تک ہوتی رہتی ہے جب تک کہ قیامت کے دن قبر سے کھڑا نہیں کر دیا جاتا۔

ہم نے صرف چند حدیثیں عرض کی ہیں حقیقت یہ ہے کہ راحتِ قبر اور عذابِ قبر کے بارے میں اس

کثرت سے احادیث وارد ہیں جن کا احصار و شمار آسانی سے نہیں ہو سکتا، حافظ ابن الہمام رح کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث متواتر درجہ کی ہیں اور ان کا انکار کفر ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کے سبھی طبقے عذاب قبر اور راحت قبر کے مسئلہ پر متفق ہیں مگر کچھ بدنصیب منکر ہیں۔

قبر کا حقیقی مفہوم

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور اور اس کا مادہ قرآن کریم میں آیا ہے اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (پ ۳۰ الفطار۔۱) جس وقت قبریں اکھاڑی جائیں گی اور منافقوں کی تردید کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :۔

وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔ پ ۱۰۔ التوبہ)	اور تو ان میں سے کسی کی قبر پہ کھڑا نہ ہو۔

اور ایک اور مقام پر آیا ہے :۔

فَاَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ۔ (پ ۳۰ عبس۔۱)	پس اس نے اس کو مارا یعنی اس کو قبر میں داخل کرنے کا حکم دیا (تفسیر عزیزی پارہ عم ص۸۸ ترجمہ اردو)

اور نیز ارشاد ہوتا ہے :۔

اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ۔ (پ ۳۰ ، العادیات ۱)	جس وقت قبروں کے مردے نکالے جائیں گے۔
اور كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ (پ ۲۸ ، الممتحنہ ۲)	جیسا کہ کافر اہل قبور (کی حیات سے) ناامید ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح فرماتے ہیں۔ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھیگا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں (حاشیہ ص۷۱۵)

اور احادیث میں اس کثرت سے یہ لفظ آیا ہے کہ اس کا آسانی سے شمار نہیں کیا جا سکتا اور لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا جسد عنصری رکھا جاتا ہے سابق پیش کی ہوئی حدیثیں اس کا واضح ثبوت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی دو حصے کرکے گاڑ دی تھی وہ حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے کیونکہ اس سے علیین اور سجین کا وہ برزخی مقام تو مراد نہیں جو مستقر ارواح ہے کیونکہ ٹہنی کے دو حصے وہاں نہیں گاڑے گئے تھے اسی طرح بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں اور جن کے پاس سے گذرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خچر بدکا تھا وہ حسی قبریں ہی تھیں سجین کا وہ برزخی مقام نہ تھا جو ارواح کفار کا مستقر ہے کیونکہ خچر وہاں نہیں گیا تھا بلکہ بنو نجار کے باغ میں جو قبریں تھیں ان کے پاس سے گذرتا تھا او

انہیں قبروں کی نشاندہی ایک انصاری نے کی تھی اور اسی طرح میّت کے عذاب کی آواز کا انسانوں اور جنوں کے بغیر جانوروں کا سننا بھی اسی ظاہری اور حسی قبر ہی سے متعلق ہے کیونکہ بہائم اور جانور سجین کے مقام پر تو نہیں پہنچتے بلکہ سطح ارضی پر ظاہری اور حسی قبروں کے آس پاس چلتے اور چرتے پھرتے رہتے ہیں اور اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے۔

ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون مدبرین الحدیث (موارد الظمآن ص۱۹۱ واللفظ لہ و بخاری جلد ۱ ص۱۷۸ و مسلم جلد ۲ ص۳۸۶)

کہ میّت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے اس سے واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے۔

میّت جس قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے جس قبر سے واپس ہوتے ہیں تو وہ یہی حسّی قبر اور گڑھا ہوتا ہے کیونکہ دفن کرنے والوں کی رسائی علیّین اور سجّین تک نہیں ہوتی۔ حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مشرکوں کی قبروں کے پاس سے گذرے تو تین دفعہ فرمایا کہ یہ لوگ کتنی بڑی خیر سے محروم ہو کر دنیا سے چلے گئے ہیں اور جب مسلمانوں کی قبروں کے پاس سے گذرے تو تین ہی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کیا ہی عمدہ خیر اور بھلائی کما کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اتنے میں آپ نے توجہ فرمائی۔

فاذا ھو برجل یمشی بین القبور وعلیہ نعلان فناداہ یا صاحب السبتیّتین الق سبتیّتیک الحدیث (موارد الظمآن ص۲۰۱ و مستدرک جلد ۱ ص۳۷۳ قال الحاکمؒ والذھبیؒ صحیح)

تو دیکھا کہ ایک شخص جوتی پہن کر قبروں کے درمیان چل رہا تھا، آپ نے اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اے جوتیاں پہننے والے اپنی جوتیاں اُتار۔

ظاہر امر ہے کہ وہ شخص حسّی قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چل پھر رہا تھا علیّین اور سجّین کے برزخی مقام میں تو نہ تھا۔ غزوۂ احد میں جب ستر حضرات صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے

کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد الحدیث (مستدرک جلد ۱ ص۳۶۵)

دو دو اور تین تین کو ایک قبر میں جمع کر کے دفن کیا۔

یہ قبریں بھی حسّی تھیں کیونکہ ظاہر طور پر شہداء اُحد کو انہی میں دفن کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ

www.Ahlehadith.com

وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

اذا وضعتم موتاکم فی قبورھم فقولوا بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ الحدیث (مستدرک جلد ۱ ص ۳۶۶ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علی شرطہما)

جب تم اپنے مردوں کو قبروں میں رکھنے لگو تو اس وقت بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کے الفاظ پڑھا کرو

اس سے بھی حسی قبر ہی مراد ہے کیونکہ دفن کرنے والے انہیں قبروں میں دفن کرتے ہیں۔

فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم مجھے دفن کر چکو اور میری قبر پہ مٹی ڈال چکو:-

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمھا حتی استأنس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی؛ (مسلم جلد ۱ ص ۷۶ وابو عوانہ ج ۱ ص ۷۰ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۹)

تو میری قبر کے ارد گرد اتنا وقت کھڑا ہونا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہو تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو جواب دے سکوں۔

اس حدیث سے بھی بخوبی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی وصیت میں جس قبر کا ذکر ہے وہ یہی حسی گڑھا ہے کیونکہ دفن کرنے والے اسی کے پاس کھڑے ہو سکتے تھے علیین پہ جانا ان کے بس میں نہ تھا۔

اور حضرت بریدہؓ نے وصیت کی تھی کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری قبر پہ کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۸۱)

ان تمام صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ قبر اور قبور ان حسی گڑھوں پہ اطلاق ہوا ہے جن میں مردوں کو دفن کیا جاتا ہے اور یہ سب الفاظ صحیح احادیث میں وارد ہیں جو صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان فیض رساں اور حضرات صحابہ کرامؓ کی زبانوں سے نکلے ہیں اس لحاظ سے جہاں بھی لفظ قبر یا قبور بولا جائے گا تو اس سے حقیقۃً شریعت میں یہی گڑھے مراد ہوں گے جن میں مردے دفن کئے جاتے ہیں اور حشر تک انہی میں رہتے ہیں اگرچہ ان کے ذرات ہی کیوں نہ ہو چکے ہوں ؎

حشر تک سوتے رہیں گے قبر میں آرام سے
اب تو اپنی منزلِ خوابِ گراں تک آ گئے

قبر کا مجازی معنیٰ

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میّت کا جسم محفوظ نہیں رہتا مثلاً وہ آگ میں جل جاتا یا جلا دیا جاتا ہے یا دریا برد ہو جاتا ہے اور اس کو مچھلیاں وغیرہ جانور ہڑپ کر جاتے ہیں یا درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے ہیں اور قبر میں دفن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر بات ہے کہ سوال قبر اور قبر کی راحت یا تکلیف و عذاب اس کے بارے میں بھی ہے ایسے لوگوں کے بارے میں حضرات متکلمین، فقہاءؒ اور شراحؒ حدیث کے سامنے باطل فرقوں کی طرف سے یہ اشکال پیش آیا کہ جب ان لوگوں کو قبروں میں دفن ہی نہیں کیا گیا تو ان کے متعلق قبر میں سوال اور راحت و عذاب قبر کا کیا مطلب؟ اس مشکل سوال کے جواب میں علماء اسلام اور متکلمین نے جو کچھ فرمایا وہ بقدر ضرورت اپنے مقام پر باحوالہ عرض کیا جائے گا انشاء اللہ العزیز مگر اس مقام پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس مشکل سوال سے جو مخلص ان حضرات نے تلاش کیا ہے وہ یہ ہے کہ قبر صرف اس حسّی گڑھے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ برزخ علّیین اور سجّین کے اس مقام کا نام بھی ہے جو نیکوں اور بدوں کی ارواح کا مستقر ہے اور ان لوگوں کے لیے وہی مقام قبر ہے اور ان کی راحت و عذاب کا محل بھی وہی ہے۔ لہٰذا سوال قبر اور راحت و عذاب سب کے لیے ہے صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں جو مٹی کے گڑھے میں دفن کئے جاتے ہیں چنانچہ علامہ قرطبیؒ اسی اشکال کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اجمع اهل الكشف على ان الميّت يحس بضغطة القبر ويحس باختلاف اضلاعه ولو كان فى بطون السباع والطيور او كان قد حرق وذرى فى الريح فتحسّ كل ذرّة بالالم ولو كانت متفرقة اھ (مختصر تذكرة قرطبیؒ ص۳۶ طبع مصر)

جملہ اہل کشف کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ میّت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے آر پار ہونے کو محسوس کرتی ہے اگرچہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اس کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا جائے میّت کا ہر ذرّہ تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے ذرّات متفرق ہو چکے ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کی تنگی اور عذاب سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ نہیں جن کو درندے اور پرندے کھا گئے ہوں یا ان کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا گیا ہو جہاں بھی ان کے ذرات ہوتے ہیں وہی جگہ ان کے حق میں قبر ہوتی ہے۔ حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ومما ينبغى ان يعلم ان عذاب القبر هو

یہ جاننا مناسب ہے کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی کو کہتے

عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق العذاب ناله نصيبه منه قُبر اولم يُقبر فلو اكلته السباع او احرق حتىٰ صار رمادًا او نُسف فى الهوآء او صُلب او غرق فى البحر وصل الى روحه وبدنه من العذاب ما يصل الى المقبور اھ

(كتاب الروح ص۷۲ طبع دائرة المعارف حيدر آباد دكن)

ہیں پس ہر ایسا شخص جو عذاب کا مستحق ہے جب مر جاتا ہے تو اس کو اس کے عذاب کا حصہ پہنچ ہی جاتا ہے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا نہ سو اگر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سولی پر لٹکا دیا گیا ہو یا دریا بُرد ہو چکا ہو بہرکیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ کو حاصل ہوتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال القاضى ان من لم يدفن ممن بقى على وجه الارض يقع لهم السوال والعذاب ويحجب الله ابصار المكلفين عن رؤية ذلك كما حجبها عن رؤية الملائكة والشياطين قال بعضهم وترد الحياة الى المصلوب ونحن لا نشعر به كما انا نحسب المغمىٰ عليه ميتا وكذلك يضيق عليه الجو كضمة القبر ولا يستنكر شيئًا من ذلك من خالط الايمان قلبه وكذلك من تفرقت اجزاءه يخلق الله الحياة فى بعضها او كلها ويوجه السوال عليها قاله امام الحرمين قال بعضهم وليس هذا بابعد من الذر الذى اخرجه الله

(رئیس المتکلمین امام اہل السنۃ) قاضیؒ (محمد ابوبکر بن الطیب الباقلانیؒ المتوفی سنہ ۴۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص دفن نہ کیا گیا ہو اور وہ زمین کی سطح پر ہو تو اس سے بھی سوال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکلف مخلوق کی نگاہوں کو اسکے دیکھنے سے روک دیتا ہے جیسا کہ اس نے فرشتوں اور شیاطین کے دیکھنے سے اسکی نگاہیں روک دی ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کو سولی پر لٹکایا جاتا ہے زندگی اس کی طرف بھی لوٹائی جاتی ہے لیکن ہم اس کا شعور نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم بیہوشی والے کو مردہ خیال کرتے ہیں (اور اس کی حیات کا شعور نہیں کر سکتے) اور قبر کی طرح اس پر جو اور فضا کو تنگ کیا جاتا ہے جس شخص کے دل میں ایمان داخل ہو چکا ہے وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی اوپرا نہیں سمجھتا اور اسی طرح جس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اللہ تعالیٰ بعض یا کل اجزاء میں حیات پیدا کر دیتا ہے اور پھر اس پر سوال متوجہ ہوتا ہے امام الحرمینؒ (استاد امام غزالیؒ ابوالمعالی عبدالملکؒ المتوفی سنہ ۴۷۸ھ) نے ایسا ہی فرمایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کارروائی ان چیونٹیوں سے زیادہ مستبعد

من صلب آدم واشہدہم علیٰ انفسہم الست بربکم قالوا بلیٰ انتہیٰ (شرح الصدور ص۵۹ طبع مصر)

تو نہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے نکالا اور پھر انکو ان کے نفوس پر یہ فرماتے ہوئے گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔

عذابِ قبر کے بارے میں مذاہب

قبر میں راحت و عذاب کے بارے میں جو مختلف اقوال، شروحِ حدیث کتبِ کلام و فقہ اور تفاسیر و علم تصوف میں نظر سے گذرے ہیں (جن میں بیشتر اقوال کا ذکر آگے متعدد عبارات میں آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز) وہ یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ قبر میں راحت و عذاب اور سوال وغیرہ کچھ نہیں ہوتا کیونکہ جب میت میں حیات ہی نہیں ہوتی تو پھر یہ امور جو حیات پر متفرع ہیں کیونکر متحقق ہو سکتے ہیں؟ یہ مسلک ملاحدہ، خوارج، کچھ معتزلہ اور بعض مرجئہ وغیرہ کا ہے جن میں ضرار بن عمرو اور بشر المریسی وغیرہ کا نام آگے عبارات میں آئے گا۔ اور علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ معتزلہ کے ایک شیخ ضرار بن عمرو الغطفانی نے عذابِ قبر کا انکار کیا ہے جن خوارج سے ہم ملے ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے اہلِ سنت اور بشر بن المعتمر و الجبائی اور بقیہ معتزلہ عذابِ قبر کے قائل ہیں ہم بھی اسی کے قائل ہیں اس لیے کہ اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے احادیث ثابت ہیں (ملل ونحل جلد ۲ ص۱۵ ترجمہ اردو) اور کتبِ علمِ عقائد اور شروحِ حدیث میں ان کا ٹھوس ردّ موجود ہے یہ مسلک قرآن وحدیث کی نصوصِ قطعیہ اور صریحہ کے خلاف ہے اور جمہور امت کا اتفاق و اجماع اس پر مستزاد ہے بعض دلائل کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے اور بعض کا ذکر آئندہ اوراق میں ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ اور ایک بیّن حقیقت کے اثبات کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ عذابِ قبر اور راحت صرف بدن کو حاصل ہوتی ہے اور روح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ نظریہ محمد بن جریر کرامی، عبداللہ بن کرام، ابوالحسین الصالحی (جو فرقہ صالحیہ کا سربراہ تھا) اور ان کے دیگر ہمنوا لوگوں کا ہے لیکن روح کے اتصال اور تعلق کے بغیر محض بے جان جسم کے عذاب و راحت کا قول نری حماقت ہے۔ چنانچہ علامہ شمس الدین احمدؒ بن موسیٰ المشہور بہ الخیالیؒ (المتوفی سنہ ۸۷۰ھ) اس گروہ کا ردّ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

جوّز بعضہم تعذیب غیر الحی ولا شک انہ سفسطۃٌ (الخیالی ص۱۱۸ ونحوہ فی نبراس ص۳۲۲)

ان میں سے بعض نے بلا حیات بدن کے معذب ہونے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نری حماقت ہے۔

(۳) یہ کہ قبر میں عذاب و راحت محض روح کو ہوتی ہے کیونکہ بیشتر ابدان ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور بعض کو درندے، پرندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں اور ان کے اجسام ان حیوانات کا جزو بدن ہو جاتے ہیں تو پھر بدن کے معذب ہونے کا کیا مطلب؟ یہ مذہب علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ (یا ابن جبیرہؒ) وغیرہ کا ہے اور یہی غلط نظریہ مؤلف اقامۃ البرہان کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ باقی انبیاء علیہم السلام شہداء کرام اور مؤمنین کو برزخ میں جو نعیم و راحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ صرف ان کی روحوں کو ہے۔ ابدان عنصریہ اس میں شریک نہیں ہیں بلفظہ (ص ۱۹۸) العیاذ باللہ تعالیٰ۔ لیکن صحیح اور صریح حدیثیں اس مذہب کا پرزور رد کرتی ہیں اور جمہور علمائے ملت اس کے خلاف ہیں اور یہ حضرات جمہور وزنی دلائل سے ان کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ عنقریب باحوالہ عبارتیں آرہی ہیں ان شاء اللہ العزیز۔

(۴) یہ کہ قبر اور برزخ میں راحت و کلفت روح اور بدن دونوں کو ہوتی ہے لیکن بدن اولیٰ، عنصری اور مادی کو نہیں بلکہ بدن مثالی کو جو ان کے نزدیک بدن عنصری کے اندر حلول کئے ہوئے ہوتا ہے جس کو بعض نفس ناطقہ اور بعض نسمہ بھی کہتے ہیں اور قبر میں روح کا تعلق اس بدن مثالی سے ہوتا ہے اور راحت و عذاب اس بدن کو ہوتا ہے اگرچہ بدن عنصری اور مادی ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہی کیوں نہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ دیکھنے والوں کو قبر میں کوئی راحت و تکلیف جو مُردہ پر وارد ہوتی ہے محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کی نگاہ تو بدن مادی پر پڑتی ہے اور بدن مثالی محسوس نہیں تو اسی طرح اس کی راحت و تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی یہ مسلک بعض حضرات صوفیائے کرامؒ کا ہے اور اس مسلک کے اختیار اور قبول کرنے کا باعث بھی وہی مجبوری ہے جو دوسرے لوگوں کو پیش آئی کہ بسا اوقات بدن مادی اور عنصری بالکل خاک ہو جاتا ہے یا اس کو جلا دیا جاتا ہے یا اس کو حیوانات ہڑپ کر جاتے ہیں تو پھر اس کو سزا کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور چونکہ احادیث صحیحہ اور حضرات ائمہ دینؒ کی عبارات میں جسم اور بدن کا لفظ مذکور ہے اس لیے ان حضرات نے اس بدن سے بدن مثالی مراد لی ہے اور فرماتے ہیں کہ ارباب کشف نے اپنے کشف کے ذریعہ اس بدن کا ادراک کیا ہے اور متعدد کتب تفسیر اور تصوف میں بدن مثالی کا ذکر موجود ہے اور علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات لوگوں سے بدن مثالی ہی سے ہوتی ہے (روح المعانی جلد ۱۵ ص ۳۲۶) اور زلیخا نے جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی صورت ہی ان کے سامنے پیش ہوئی تھی (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۴۷۴ و صراط مستقیم ص ۱۴۸) اور حضرت

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کے وجود پر ایک مستقل باب قائم کر کے اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے بلاشک یہ سب باتیں اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں لیکن یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ جو حضرات قبر اور برزخ میں حساب و سوال اور عذاب و راحت بدن مثالی کے لیے تسلیم کرتے ہیں وہ یہ نہیں فرماتے کہ بدن مادی اور عنصری کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ بدن مثالی کے ساتھ بدن عنصری اور مادی بھی اس کارروائی میں برابر کا شریک ہوتا ہے، چنانچہ صوفیٔ کامل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے پہلے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبر میں روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کیا جاتا ہے اور عذاب و راحت اس سے البتہ ہوتا ہے پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:-[1]

البتہ بعض احادیث میں رد روح الی الارض و عود فی الجسد آیا ہے جس سے اسی بدن دنیوی کے ساتھ تعلق اور بدن مثالی سے عدم تعلق متبادر ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ سوال کے وقت وہ روح بدن مثالی کے اندر ہو کر ارض کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح اور بدن مثالی سے ہوتا ہو مگر یہ تعلق عادتاً کسی حکمت سے اسی وقت شرط ہو جب کہ جسد عنصری باقی ہو اور اگر وہ متفرق و متلاشی ہو گیا ہو سوال وغیرہ اسی مجموعہ روح و بدن مثالی سے ہو جاتا ہو خواہ ارض میں یا غیر ارض میں الخ (التکشف ص۵۵ طبع اشرفیہ دہلی و طبع لاہور ص۱۰۸) اور دیگر مقام پر لکھتے ہیں۔

غریق و سوختہ و مصلوب کے عذاب و ثواب قبر کی صورت

ناممکن اور ممتنع نہیں ہے کہ مصلوب، اور غریق کی روح پھیر دی جائے اور ہم معلوم نہ کر سکیں کیونکہ وہ روح اور قسم کی ہے ایسے بے ہوش اور سکتہ زدہ اور مبہوت زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور بظاہر وہ مردہ دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی ہم کو معلوم و محسوس نہیں ہو سکتی جس کے ٹکڑے ٹکڑے اور اجزاء الگ الگ ہو کر پراگندہ ہو جاویں خدائے قادر مطلق پر نہ مشکل ہے اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزاء میں روح کو پیوست کر دے اور درد اور دکھ اور سکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے الخ (المصالح العقلیۃ حصہ سوم ص۳۲۲ مکتبہ دینیہ دیوبند) اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

---

[1] حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے
(میلاد النبیؐ ماخوذ از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص۶ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۰ء)

اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں خواہ وہ ڈوب جائے ذرے ذرے کے ساتھ روح کا تعلق - (بالاتر از فہم) رہتا ہے اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیین و سجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کرسکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہیگا الخ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۲۲۷ و ۲۲۸)

نیز حضرت مولانا تھانوی ؒ ارقام فرماتے ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں دنیا برزخ و دار قرار اور ہر ایک مقام کے لیے علحدہ علحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پہ ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پہ ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہوکر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہوجاتا ہے اور روح دکھ اور سکھ کو سہتی ہے تو بدن بھی اس دکھ سکھ کے تابع ہوجاتا ہے اور اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی عالم برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پہ جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو جب پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہری جسم پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جن کو روح مدرک کرتی ہے اور وہ سب واقعات بھی اس عالم کے ہیں پس ان کا محسوس ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں (الا ماشاء اللہ تعالیٰ) خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت و لطف و احسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر و باہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ اس کی روح پر جاری ہوتا ہے اور اس میں بدن اس کے تابع ہوتا ہے ایسا ہی عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کے بیچ دکھ اور سکھ کا طریق جاری ہے بلکہ اس خواب سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس عالم برزخ میں روح کا تجرد اور ظاہر ہونا بہت کامل ہوتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات

میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر بھی یہ رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی انتہیٰ بلفظہٖ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۳۱۶ وص۳۱۷) اس عبارت میں جس جسم کا ذکر ہے وہ یقیناً جسم عنصری، مادی اور خاکی ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے وہ یہی جسم عنصری ہے یاد رہے کہ یہ پوری عبارت حافظ ابن القیمؒ کی کتاب الروح ص۶۶ وص۶۷ کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس چشم سے لینا چاہیئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے الخ
(حصہ سوم ص۳۲۶)

اور نیز فرماتے ہیں۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میّت سے کلام کر سکتا ہے ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلّم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلّمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔ (ایضاً ص۳۲۷)

مؤلف ندائے حق نے ص۵۸ سے ص۶۷ تک قبر کے معنی کی بزعم خویش تحقیق کی ہے اور اس پر خاصا اصرار کیا ہے کہ قبر اس گڑھے کو نہیں کہتے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر سے برزخ مراد ہے اور اس کے لیے انہوں نے چند حوالے حضرت تھانویؒ کے اور ایک نظم الفرائد کا اور ایک مولانا عبدالحیؒ کا دیا ہے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں ۱ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حفرہ (گڑھا) (مجالس الحکمۃ ص۲۳۳) ۲ غرض ایک جسم تو یہاں ہے اور ایک جسم عالم مثال میں ہے وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے پس اس مثال ہی کا نام قبر ہے کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذابِ قبر بھی ہوگا اشکال تو تب ہوتا جب جسم قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ (اشرف الجواب ج ۲ ص۲۲۶) ۳ مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ (اشرف الجواب ج ۳ ص۲۳۷) ۴ اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور روح ہی اس جسد سے تعلق رکھتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اس جسد مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا ہی درجہ ہے جیسے کوئی ایک رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے اب

چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے تو روح کو وہاں جسد مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا۔ اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے تب بھی حساب ہوگا؟ سو یہ جواب سوال اسی جسد مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ج ۴ ص ۱۴۳ و ج ۴ ص ۸۶۵)

مولانا محمد احسن صاحب سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ مراد قبر سے وہ گڑھا نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد موت کے بعد دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے تک سارا عالم برزخ ہے (نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد النسفیہ ص ۱۷۱ مترجماً)

۶ مولانا عبدالحق حقانی مفسر و متکلم دہلویؒ فرماتے ہیں۔

قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں (عقائد الاسلام ص ۱۶۰ و ص ۱۶۱) حضرت تھانویؒ کی عبارت میں تصریح ہے کہ روح کا قبر اور برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور یہ تعلق بارشاد ان کے اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے (کما مر) ظاہر امر ہے کہ سلام کہنے والے حسی اور عرفی قبور کے پاس جایا کرتے ہیں عالم مثال میں نہیں جایا کرتے باقی رضائی کی مثال صرف سمجھانے کی خاطر ہے کہ ایک جسم چھوڑا کہ اب روح اس میں تصرف و تدبیر نہیں کرتی کہ وہ تنمیہ اور غذا کا محتاج ہو (کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ) اور دوسرا اپنا لیا مگر پہلے سے تعلق ہے ان تمام عبارات میں جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ کی عبارت میں تصریح ہے اس اشکال کا جواب دیا گیا ہے جو ملحدین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ جس کو شیر وغیرہ درندے کھا جائیں یا جلا دیا جائے یا پانی میں ڈوب جائے تو اس کا سوال و جواب کہاں ہوتا ہے؟ اور اس کی سزا و راحت کہاں ہوتی ہے

حضرت تھانویؒ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس گڑھے کو اصطلاح شریعت میں قبر نہیں کہتے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حسی قبر اور گڑھا شرعاً قبر نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اسی کا نام قبر نہیں ہے تاکہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ قرار پائیں جن کو جلایا گیا یا جانور کھا گئے یا دریا وغیرہ میں غرق ہو گئے بلکہ قبر کا مفہوم اس سے وسیع ہے ہاں یہ مٹی کا گڑھا بھی قبر ہے جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ کے

ترجمہ اور تفسیر میں لکھتے ہیں۔ پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (کقولہ تعالیٰ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ خواہ اول ہی خاک میں رکھ دیا جائے یا بعد چندے خاک میں مل جائے) (بیان القرآن ص ۱۲ طبع دہلی) اس مقام میں حضرت تھانویؒ خاک کے اس گڑھے کو قبر کہتے ہیں جس میں مُردہ رکھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ شرعی طور پر میّت کو دفن کرنے کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں میّت کی قبر کم از کم اس کے نصف قد کے برابر گہری کھودی جائے اور قد سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ جب قبر تیار ہو چکے تو میت کو قبلے کی طرف سے قبر میں اُتار دیں۔ قبر میں اتارنے والوں کا طاق یا جفت ہونا مسنون نہیں۔ قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلیٰ ملۃ رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ میت کو قبر میں رکھ کر داہنے پہلو پر اس کو قبلہ رُو کر دینا مسنون ہے۔ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی وہ گرہ جو کفن کھُل جانے کے خوف سے دی گئی تھی کھول دی جائے۔ مردوں کے دفن کے وقت قبر پر پردہ کرنا نہ چاہیئے الخ۔ جب میّت کو قبر میں رکھ چکیں تو جس قدر مٹی اس کی قبر سے نکلی ہو وہ سب اس پر ڈال دیں اس سے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے۔ قبر میں مٹی ڈالتے وقت مستحب ہے کہ سرہانے کی طرف سے ابتداء کی جائے اور ہر شخص اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈال دے اور پہلی مرتبہ پڑھے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور دوسری مرتبہ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری مرتبہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى بعد دفن کے تھوڑی دیر تک قبر پر ٹھہرنا اور میّت کے لیے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب اس کو پہنچانا مستحب ہے، بعد مٹی ڈال چکنے کے قبر پر پانی چھڑک دینا مستحب ہے، قبر کا مربّع (چوکور) بنانا مکروہ ہے۔ قبر کا ایک بالشت سے بہت زیادہ بلند کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ قبر پر گچ کرنا یا اس پر مٹی لگانا مکروہ ہے۔ بعد دفن کر چکنے کے قبر پر کوئی عمارت مثل گنبد یا قبّے وغیرہ کے بنانا بغرض زینت حرام ہے اور مضبوطی کی نیت سے مکروہ ہے (بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۹۷ و ۹۸ ملخصاً) یہ بتانا تو مؤلف ندائے حق وغیرہ کا کام ہے کہ ان عبارات میں شرعی اور فقہی طور پر لفظ قبر گڑھے پر اطلاق ہوا ہے یا برزخ اور مثالی قبر پر؟

اس کے علاوہ بھی متعدد عبارتیں حضرت تھانویؒ کی اس بارے میں موجود ہیں، ان تمام عبارات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قبر میں عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن مثالی سے تعلق ہوتے ہوئے بھی بدنِ مادی اور عنصری کے ذرّے ذرّے سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے اگرچہ یہ ہماری عقل سے بالاتر ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اجزاء خواہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یا جلا دیئے جائیں مگر روح کا تعلق ان سے ضرور ہے، اس حد تک بدن مادی اور عنصری

سے تعلق تسلیم کر چکنے کے بعد عذاب و راحت کا تعلق بدن مثالی سے بھی ہو تو اس سے کسی نص یا جمہور کے مسلک پر کوئی زد نہیں پڑتی ۔

(۵) یہ کہ بدن کے نصف اعلیٰ میں روح ڈالدی جاتی ہے اور بدن کا نچلا حصّہ روح کے تعلق سے محروم ہوتا ہے ۔ حافظ ابن حجرؒ سے ایک فتویٰ اسی مضمون کا آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ یہ معلوم نہیں کہ اور کون حضرات اس کے قائل ہیں ؟ چنانچہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ روح کا حلول بدن کے نصف اعلیٰ میں ہوتا ہے ، ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میّت کے تمام اجزاء میں روح کا اعادہ ہوتا ہے جس بدن سے روح نکالی گئی تھی قبر میں پھر اسی بدن میں روح ڈالی جاتی ہے اور مردہ قبر میں اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس میّت کے اجزاء متفرق ہو گئے ہیں اس کے فقط دل یا دماغ میں یا اور کسی عضو میں حیات ڈالی جاتی ہے ۔ اس تخصیص پر کوئی نقل نہیں دیکھی اور دلیل عقلی کافی نہیں اِلّا یہ کہ اس طرح کہیں کہ جس میّت کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جتنے اجزاء کو چاہے اس کے جمع کر کے اس میں حیات پیدا فرما دیں اور پھر ان سے سوال فرمائیں اور مزید تحقیق کی نہ تو کوئی ضرورت ہے ، اور نہ کوئی امکان ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور جس شخص کو درندے یا پرندے کھا جائیں اس سے اس وقت سوال ہوتا ہے کہ جب وہ ان جانوروں کے پیٹ میں قرار پکڑ جائے اور یہ بات حقیقت ہے مجاز نہیں جیسے کہ بزازیؒ نے فتاویٰ بزازیہ میں اس کی تصریح کی ہے ، بزازیؒ فقہاء حنفیہ میں سے ہے فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں السوال فیما یستقر فیہ المیّت حتی لو اکلہ السبع فالسوال فی بطنہٖ انتھی یعنی سوال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں میّت قرار پکڑے حتیٰ کہ اگر کسی کو درندے نے کھا لیا ہو تو اس سے درندہ کے پیٹ میں سوال ہوگا اھ (فتح الغفور ص۳۰ مولانا کاندھلویؒ شرح منظومۃ المفید السیوطیؒ) علامہ بزازی کی یہ عبارت امام سیوطیؒ نے بھی نقل کی ہے اور فی بطنہٖ سے آگے یہ عبارت بھی ہے ۔

فان جعل فی التابوت ایّاماً لنقلہٖ الی	اور اگر میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے
مکان آخر لا یسأل مالم یدفن اھ	تابوت میں رکھا گیا تو جب تک اس کو دفن نہیں
(شرح الصدور ص۶۱)	کیا جائے گا اس سے سوال نہ ہوگا ۔

خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تمام بدن میں روح نہیں لوٹائی

جاتی بلکہ صرف بالائی حصہ میں اس کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن حضرت مولانا نے ظاہر احادیث کے حوالہ سے اس مسلک کا جواب دے دیا ہے مزید ردّ کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶) یہ کہ اگر جسم موجود و محفوظ ہو تو عذاب قبر یا آرام جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اور بصورت دیگر علیّین یا سجّین میں جہاں ارواح ہوتے ہیں عذاب یا آرام ان کو ہوتا ہے یا یوں سمجھیئے کہ جب روح اور جسم دونوں کا تعلق ہوتا ہے تو ثواب و عقاب دونوں کو ہوتا ہے اور جب یہ تعلق باقی نہیں رہتا تو سزا اور راحت صرف روح کو ہوتی ہے مشہور صوفی امام عبداللہ بن اسعد یمنی الشافعیؒ (المتوفی ۷۶۸ھ جو صاحب خوارق و کرامات و تصانیف کثیرہ تھے) اپنی کتاب روضۃ الریاحین میں (جس کا ترجمہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ کے حکم سے حضرت مولانا جعفر علی صاحب نگینویؒ نے کیا ہے جس کا نام نزہۃ البساتین رکھا ہے) لکھتے ہیں کہ :۔

اور دلائل شرعیہ مثل احادیث صحیحہ اور آثار مشہورہ اس پر دال ہیں کہ قبر میں عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو اور صرف روح کو ثواب و عذاب علّیین اور سجّین میں ہوتا ہے بقدر اپنی سعادت و شقاوت کے اور یہ امر عقلاً بھی محال نہیں ہے اور نقلاً ثابت ہے جس کا بیان طویل ہے الیٰ ان قال یہ جو کچھ بیان ہوا ہے کہ کبھی عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور کبھی جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے یہ عالم برزخ کا واقعہ ہے ورنہ بعد قیامت کے عذاب جسم کو روح کے ساتھ ہی ہوگا۔ اس پر جمیع اہل اسلام کا اجماع ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں ہے اھ (نزہۃ البساتین ص۲۲۱) قبر اور برزخ میں جسم اور روح دونوں کے معذب ہونے کا مسلک تو جمہور اہل السنت کا ہے لیکن صرف روح کے معذب ہونے کا قول علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ وغیرہ کا ہے اور جمہور اس کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ باحوالہ آگے اس کا بیان ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کی الگ تردید کی حاجت نہیں ہے۔

(۷) یہ کہ قبر و برزخ میں جب منکر و نکیر کا سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح کلیتہً لوٹا دی جاتی ہے اور جب حساب و سوال ہو چکتا ہے تو اس وقت روح کو علّیین یا سجّین میں پہنچا دیا جاتا ہے اور بدن کے ساتھ عام لوگوں کی روحوں کا تعلق باقی نہیں رہتا (ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے ان کے نزدیک بھی مستثنیٰ ہیں بحث اپنے مقام پہ ذکر کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ) یہ نظریہ فتح الباری عمدۃ القاری اور بعض دیگر کتابوں میں بعض حضرات کا منقول ہے لیکن روح کے جسم سے قبر میں الگ ہونے پر کوئی قطعی الدلالت

اور صریح دلیل موجود نہیں ہے اور نہ جمہور اہل سنت اس کے قائل ہیں اس لیے اس نظریہ کی طرف بھی زیادہ توجہ مبذول کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۸) یہ کہ قبر و برزخ میں ثواب و عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے، اور قبر و برزخ میں روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے بعض کے نزدیک یہ اعادہ اس طریق سے ہوتا ہے جس طرح دنیا میں روح جسم کے اندر داخل تھی اور بدن میں تصرف اور تدبیر کرتی تھی اور اس طرح بدن کو حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے اور جمہور و اکثر اس کے قائل ہیں کہ روح بدن میں مکمل طور پہ داخل نہیں ہوتی جس طرح کہ دنیا میں تھی بلکہ روح کا بدن سے اتصال اور تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک روح کا جسم پہ یا اس کے اجزاء پر پر تو پڑتا ہے جس کو وہ اشراق اور اشراف سے تعبیر کرتے ہیں اور اس اتصال و تعلق سے ایک گونہ حیات (نوع من الحیواۃ) جو مُردہ کو حاصل ہوتی ہے اس سے وہ نکیرین کا جواب بھی دیتا ہے اور ثواب و عذاب بھی محسوس کرتا ہے یہی مذہب جمہور اہل سنت کا ہے اور یہی حق و منصور ہے۔ علامہ شمس الدین القہستانی الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ:-

والمعذب فی القبر کحی بقدر ما یتالم به وھو اقرب الی الحق	جس کو قبر میں سزا دی جاتی ہے وہ اس انداز کا زندہ ہوتا ہے جس سے وہ اذیّت محسوس کرے اور یہی بات حق کے قریب ہے۔
(جامع الرموز ج ۲ ص ۲۹۲ طبع نولکشور)	

اس مذہب کے دلائل و براہین اپنے مقام پہ آ رہے ہیں انشاء اللہ العزیز، اس مسلک پہ سب سے بڑا اور وزنی اعتراض جو وارد ہوتا ہے (اور یہی باطل اور مرجوح فرقوں کو پریشان کئے ہوئے ہے) یہ ہے کہ جب میّت کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں یا وہ جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے تو اس کا بدن کہاں رہا؟ جب بدن ہی نہ رہا تو روح کا اس سے تعلق اور اتصال اور پھر اس تعلق اور اتصال کی وجہ سے اس کی حیات کا کیا مطلب؟ لیکن یہ بات نرا مغالطہ اور شُبہ ہے کیونکہ قبر اور برزخ کا معاملہ اس جہان سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے اور عادۃً اُس عالم کی چیزیں ہمیں اس جہان میں نظر بھی نہیں آسکتیں ورنہ ایمان بالغیب نہ رہے گا جب دلائل قوی ہوں تو ہر مومن کو ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ صحاح ستہ کی مرکزی کتابوں میں حضرت ابو سعید الخدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (المتوفی ۳۵ھ) اور حضرت ابو ہریرہؓ (المتوفی ۵۸ھ) وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ

سے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن النبي صلى الله عليه وسلّم قال كان رجل يُسرِفُ على نفسه فلمّا حضره الموت قال لبنيه اذا انا مِتُّ فاحرقوني ثم اطحنوني ثم ذُرُّوني في الريح فوالله لئن قدر الله عليّ ليعذبني عذابا ما عذّبه احداً فلمّا مات فُعِلَ به ذلك فامر الله تعالى الارض فقال اجمعي ما فيك منه ففعلت فاذا هو قائم قال ما حملك على ما صنعت قال مخافتك يا رب فغفرله، الحديث (بخاری جلد ۱ ص ۴۹۵ واللفظ له ومسلم ج ۲ ص ۳۵۶)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے وہ ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو اس نے نہیں دی جب اس کی وفات ہوئی تو اس سے یہی کارروائی کی گئی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرّات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گیا تو وہ آدمی تھا جو کھڑا کر دیا گیا فرمایا کہ یہ کارروائی تو نے کیوں کی، اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار سو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصہ خشکی میں اور آدھا دریا میں بکھیر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۷ و مسلم جلد ۲ ص ۳۵۶) حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت مسند احمد ج ۳ ص ۷۷ میں بھی موجود ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ پروردگار کو اس امر پر قدرت کاملہ ہے کہ وہ راکھ کے ذرّات کو بحر و بر سے جمع کر کے اس سے بھلا چنگا آدمی اور انسان بنا دے اور پھر اس سے سوال کرے ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت کو تسلیم نہیں کرتا یا معاذ اللہ تعالیٰ اس کی قدرت کو محدود مانتا ہے تو اس کے لیے یہ بات تسلیم کرنی بڑی ہی مشکل ہے اس کے نزدیک مردہ کی راکھ کو بھلا کیونکر جمع کیا جا سکتا ہے؟ آگے ہم حضرات جمہور کے مسلک کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ قبر اور برزخ میں جسم کی طرف اعادۂ روح کے قائل ہیں اور اعادہ روح کے ساتھ جو حیات ہوتی ہے وہ برزخی بھی ہے بایں معنیٰ کہ یہ کارروائی برزخ میں ہوئی اور جسمانی بھی ہے بایں تفسیر کہ قبر میں روح کا اتصال اور تعلق جس درجہ کا بھی ہے جسم مادی اور عنصری سے ہے جو بدن دنیا میں

حاصل تھا اس لحاظ سے جن حضرات نے اس حیات کو برزخی کہا ہے وہ بھی ٹھیک ہے اور جنہوں نے جسمانی کہا وہ بھی ٹھیک ہے ہمارے نزدیک یہ نزاع صرف لفظی ہے، ہاں لا نسلّمُ کا کوئی علاج نہیں ہے، اس کی کچھ ضروری بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ اب ہم جمہور اہل سنت کے اس نظریہ کے اثبات پر صحیح حدیث اور اس کے شواہد اور اقوال حضرات ائمہؒ اور عبارات علماء پیش کرتے ہیں کہ قبر میں میّت کے جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے بایں طور کہ روح کا جسم سے اتصال و تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ادراک و شعور ہو جاتا ہے اور اسی شعور سے راحت و کلفت اس کو محسوس ہوتی ہے، باقی مذاہب کا رد آئندہ پیش ہونے والے دلائل میں خود بخود ہوتا رہے گا اور ان کا مستقل رد نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

اس سابق بیان سے معلوم ہوا کہ جو میّت جلا کر راکھ کر دی گئی ہو یا اس کو درندے کھا چکے ہوں تو اس کو جو سزا دی جاتی ہے وہ صرف روح اور بدن مثالی ہی سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ اس کے بدن عنصری کا تعلق بھی ہوتا ہے اس کے بدن کا تعلق کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اوراق میں ملے گا بشرطیکہ صحیح بات کو ماننے کے لیے کوئی آمادہ ہو ورنہ اس کے حق میں دلائل کا انبار بھی بے سود ہے سچ ہے کہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را!

الحاصل لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میّت دفن ہوتی ہے اور مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی بولا جاتا ہے جہاں میّت یا اس کے اجزاء اصلیہ ہوں عام اس سے کہ وہ درندوں اور پرندوں کا پیٹ ہو یا دریا کی گہرائی ہو، آتش کدہ ہو یا ہوا ہو لیکن یہ خیال رہے کہ اس موقع پر جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا شبہ نہ ہو جو ارباب اصول کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ یہ عموم مجاز کے طور پر ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے ع

خُذ ما صفا ودع ما کدر

قدرت خداوندی کی تو حد و بست نہیں اور نہ وہ مخلوق کے حیطۂ امکان میں ہے لیکن سنت اللہ یوں جاری ہے کہ حیات جسم و روح کے تعلق کے بغیر متحقق نہیں ہوتی، اس لیے قبر کی حیات [illegible]

تعلق سے ہی ہو سکتی ہے اور دلائلِ صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح جسم سے نکالی جاتی ہے اور اس کے مستقر پر (جو علّیین اور سجّین ہے) پہنچا دی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی صحیح براہین سے ثابت ہے کہ قبر میں میّت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اعادۂ روح کے کچھ دلائل باحوالہ عرض کر دیں تاکہ ماننے والوں کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہو اور نہ ماننے والوں کے لیے شاید کہ رُشد و ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوں یا کم از کم اتمام حجت ہی ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

باب دوم

اعادۂ روح

اہل السنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ میّت جب قبر میں دفن کر دی جاتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے یہ اعادہ بالجملہ (پورا) ہو بایں طور کہ روح بحالہٖ پورے جسم میں داخل ہو جائے جیسا کہ دُنیا میں داخل تھی یا فی الجملہ یعنی اس قدر روح کا جسم سے اتصال اور تعلق ہو کہ جس سے راحت و تکلیف کا احساس ہو سکے یہ اپنے مقام کی بحث ہے اور اس کے بارے میں کچھ ضروری بحث آگے بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اس اعادہ کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے جس کی سند یوں ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہؒ[1] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اعمشؒ[2] نے بیان کیا وہ منہالؒ[3] بن عمروؒ سے اور وہ زاذانؒ[4] سے اور وہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے

---

[1] ان کا نام محمدؒ بن خازمؒ تھا، حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ احد مشائخ الحدیث الثقات المشہورین تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۱ ص ۲۳۵) علامہ ذہبیؒ احد الائمۃ الاعلام الثقات فرماتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۸۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (میزان جلد ۲ ص ۹۹) امام عجلیؒ یعقوبؒ بن سفیانؒ اور نسائیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں محدث ابن خراشؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، ابن حبانؒ انکو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متقن تھے ابن سعدؒ انکو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۳۷) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تقریب ص ۳۱۸) علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ جلد ۵ ص ۲۴۲ سے ص ۲۴۹ تک کئی صفحات میں علم حدیث میں ان کی ثقاہت اور اتقان پر متعدد حضرات محدثین کرامؒ کے زریں اقوال نقل کئے ہیں اور امام یحییٰؒ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ کریں)

روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاریؓ کے جنازہ کیلئے نکلے اور قبرستان میں پہنچے لیکن ابھی تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی آپؐ بھی وہاں جلوہ افروز ہوتے اور ہم بھی آپؐ کے پاس ہی بیٹھ گئے آپؐ نے ایک طویل حدیث میں مومن اور کافر کی وفات کا تذکرہ فرمایا اس میں مومن کے بارے میں یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ:

حتی ینتھی بھا الی السماء السابعۃ فیقول اللہ — مومن کی روح کو پھر ساتویں آسمان پہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ حاشیہ) ابومعاویہؒ، اعمشؒ سے روایت کرنے میں جریرؒ سے (جو ثقہ اور ثبت راوی ہیں) ثبت تھے اور نیز لکھا ہے کہ اعمشؒ سے روایت کرنے میں وہ اضطراب کا شکار کبھی نہیں ہوئے (جلد ۵ ص ۲۴۸) ۲؎ ان کا نام سلیمانؒ بن مہرانؒ تھا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۵) محدث ابن عمارؒ کا بیان ہے کہ حضرات محدثینؒ کی پوری جماعت میں اعمشؒ سے زیادہ اثبت اور کوئی نہ تھا امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت فی الحدیث تھے اور وہ کہتے ہیں وکان فیہ تشیع مگر امام عجلیؒ کے علاوہ کسی نے ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہ اہلسنت والجماعت کے ہاں مشہور دس قرأتوں میں سے ایک قرأت کے مسلّم امام ہیں تھے امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور امام نسائیؒ ثقہ ثبت کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات تابعینؒ میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ ملتقطاً) ۳؎ منہال بن عمروؒ، امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، امام دارقطنیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں اور ابن حبانؒ انکو ثقات میں لکھتے ہیں، بعض حضرات نے ان پہ جرح کی ہے کہ ان کے گھر سے ساز کے ساتھ قرأت کی آواز آئی تھی لہذا ان کی روایت نامعتبر ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ساز کا افسانہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

ولم یصح ذلک عنہ وجرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معینؒ والعجلیؒ وغیرھما اھ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۲۰) — مگر یہ الزام ان پر ثابت نہیں ہوسکا اور اس کی وجہ سے ان پہ جرح کرنا سراسر زیادتی ہے۔ بلاشبہ وہ ثقہ تھے امام ابن معینؒ اور عجلیؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

امام شعبہؒ نے ان سے روایت اس لیے ترک کردی تھی کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز آئی تھی لیکن یہ حکایت ہی من گھڑت ہے امام احمدؒ نے صرف اتنا ہی فرمایا ہے کہ ابوبشرؒ ان سے زیادہ ثقہ ہے۔ غلابیؒ نے ابن معینؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ ان کی شان کو کچھ کم کرتے تھے جوزجانیؒ ان کو سیئ المذہب کہتے تھے اور ابن القطانؒ نے غمزہ یعنی ان کو دبایا یعنی مطعون کیا یہ حوالے مؤلف ندائے حق نے ص ۲۱۴ میں نقل کئے ہیں لیکن ان سے ان پہ جرح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ساز کی نسبت ان کی طرف غلط ہے اور سیئ المذہب کوئی جرح نہیں کیونکہ اسی ساز کی وجہ سے جو ثابت نہیں ان کا یہ مذہب سمجھا گیا ہے اور باقی تمام جرحیں مبہم ہیں تدریب الراوی ص ۲۰۴ میں ہے۔

فان کان من جرح مجملا قد وثقہ احد من ائمۃ ھذا — سو اگر جارح نے مجمل جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے

(باقی صفحہ آیندہ پر)

اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ
الی الارض فانی منہا خلقتہم وفیہا اعیدہم
ومنہا اخرجہم تارۃً اخری فتعاد روحہ فی
جسدہ فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولان
لہ من ربک الحدیث (مسند احمد جلد ۴ ص ۲۸۷
وتفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۵۳۱ وتحریرات حدیث ص ۲۰۸
اور یہ روایت امام ابن المبارکؒ کی کتاب الزہد والرقاق ص ۴۳۱
طبع علمی پریس مالیگاؤں میں بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کردو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالوں گا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر من ربک الخ سے سوال کرتے ہیں۔

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ

الشان لم یقبل الجرح فیہ من احد کائناً من کان الا مفسراً اھ

کسی ایک نے اسکی توثیق کی ہو تو جرح کسی کی بھی قبول نہ ہوگی خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی الا یہ کہ جرح مفسر ہو۔

سکہ زاذانؒ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور بعض نے ابو عمرو بیان کی ہے الکندی نسبت ہے۔ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے ثقہ تھے جن کی مثل کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جا سکتا (ثقۃ لا یسئل عن مثلہ) ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو ان کی احادیث لا باس بہا ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں علامہ خطیبؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الخطاء تھے اور حاکم ابو احمدؒ فرماتے ہیں کہ لیس بالمتین عندھم اور حکمؒ نے فرمایا کہ وہ کثیر الکلام تھے۔ لیکن امام ابن حبانؒ کا ان کو کثیر الخطاء کہنا جمہور کے نزدیک مسلم نہیں امام ابن حبانؒ متشدد بھی تھے اور متساہل بھی تھے۔ کبھی کبھی بے سروپا باتیں کہہ جاتے تھے چنانچہ ناقد فن رجال علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

ابن حبان ربما لا یدری ما یخرج من راسہ

ابن حبانؒ نہیں جانتے کہ ان کے سر اور دماغ سے کیا نکلتا ہے

(الاجوبۃ الکاملۃ ص ۵۳ مولانا عبدالحیؒ)

اگر جمہور کی جرح مفسر نہ ہو تو لیس بالمتین سے عدالت ساقط نہیں ہوتی (تدریب الراوی ص ۲۳۲) اور روایت میں عدالت ہی رکن اکبر ہے (توجیہ النظر ص ۲۰ طبع مصر) اور کثیر الکلام ہونا فن حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ویسے کوئی صوفی قسم آدمی اس سے روایت لینے میں احتیاط کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی نظریہ ہے تدریب الراوی ص ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ:

باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ کریں

اور نیز مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۸۱ طبع حیدر آباد دکن میں بھی ہے اور تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اور اسی حدیث میں کافر کے بارے میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ آسمانوں کے دروازے اس کے لئے نہیں کھلتے

فیقول اللہ اکتبوا کتابہٗ فی سجین فی الارض السفلی فتطرح روحہ طرحا ثم قرأ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ فتعاد روحہ فی جسدہ ویأتیہ ملکان فیجلسانہ ویقولان لہ من ربک الحدیث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کارگذاری اور نام وغیرہ سجین میں لکھ دو جو ساتویں زمین میں ہے پھر اسکی روح وہاں سے پھینکی جاتی ہے پھر آپ نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اس کو پرندے اُچک کر لے گئے یا ہوا نے گہرے گڑھے میں ڈال دیا اور پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر من ربک الخ سے

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ:- منہال بن عمروؒ کے گھر سے طنبور کی آواز سننے کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ان کی روایت کو نہ لینا اور حکم بن عتیبہؒ کا کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے زاذانؒ کی روایت کو نہ لینا لیس بجرح (یعنی اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں) (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۰۳) حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ:-

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمرؓ وغیرہ اھ (کتاب الروح ص ۵۹)

زاذانؒ ثقہ راویوں میں سے تھے حضرت عمرؓ وغیرہ اکابر صحابہ کرامؓ سے اُس نے روایتیں کی ہیں۔

مؤلف ندائے حق نے ص ۲۰۹ میں بحوالہ تقریب مذکور زاذانؒ کے بارے میں لین الحدیث وفیہ شیعۃ کے الفاظ نقل کئے ہیں اور اسی طرح ص ۲۱۰ میں تفسیر بے نظیر کے حوالے سے بھی یہ الفاظ نقل کئے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے تقریب ص ۱۲۶ میں اس سند کے راوی زاذان ابو عمر کندیؒ کے بارے میں لکھا ہے صدوق یرسل وفیہ شیعۃ اور یہ روایت متصل ہے اور شیعہ ہونا بغیر داعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں اور اعادۂ روح الی الجسد اہل السنت والجماعۃ کا مسلک ہے نہ کہ شیعہ کا وہ اگر اعادہ روح مانتے ہیں تو نصف حصہ تک (بحوالہ ندائے حق ص ۲۱۱) اور تقریب ص ۱۲۶ میں زاذان ابو یحییٰ القتات کے بارے میں لکھا ہے۔ لین الحدیث مگر وہ اس سند کا راوی نہیں ہے وہ اور ہے۔

سوال کرتے ہیں۔

یہ روایت ابوداؤد طیالسی ص۱۰۲ میں بھی مذکور ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں فیرد الی الارض وتعاد روحه فی جسده الحدیث کہ اس کو زمین کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ روایت تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص۲۱۸ میں بھی ہے اور یہ روایت صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد جلد۲ ص۲۹۸ میں بھی اختصاراً مروی ہے، اور اس میں یہ جملہ بھی موجود ہے وتعاد روحه فی جسده الخ اور مشکوٰۃ جلد۱ ص۲۴ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے اور مشکوٰۃ جلد۱ ص۲۵ میں بھی اختصاراً یہ روایت موجود ہے اور اس میں بھی وتعاد روحه فی جسده الخ کے الفاظ موجود ہیں اور آخر میں لکھا ہے رواه احمدؒ وابوداؤدؒ اور امام حاکمؒ نے یہ روایت مستدرک جلد۱ ص۳۷ میں نقل کی ہے اور اس میں مومن کے بارے یہ الفاظ موجود ہیں فترد روحه الی جسده الخ اور کافر کے حق میں یہ الفاظ مروی ہیں فیرمی بروحه حتی تقع فی جسده اھ (جلد۱ ص۳۸) سو اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے جسم میں جا پڑتی ہے۔ امام حاکمؒ نے محدثانہ انداز میں کئی طرق اور متعدد اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کر کے آگے تحریر فرمایا ہے۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد احتجا بالمنهالؒ بن عمروؒ وزاذانؒ ابی عمرو الکندیؒ وفی هذا الحدیث فوائد کثیرة لاهل السنة وقمع للمبتدعة اھ (مستدرک جلد۱ ص۳۹)	یہ حدیث بخاریؒ اور مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے (کیونکہ ابومعاویہؒ اور اعمشؒ تو بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور) منہالؒ بن عمروؒ اور زاذانؒ ابوعمرو الکندیؒ سے بھی بخاریؒ اور مسلمؒ نے احتجاج کیا ہے، اور اس حدیث میں اہل سنت کے لیے کئی فوائد اور اہل بدعت کے عقائد کے قلع قمع کا خاصا ثبوت موجود ہے۔

علامہ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں اپنا فیصلہ یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

وهو علی شرطهما فقد احتجا بالمنهالؒ اھ (تلخیص المستدرک جلد۱ ص۳۸)	یہ روایت بخاریؒ اور مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے منہالؒ سے احتجاج کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاد حافظ نور الدین الہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

رواه احمد ورجاله رجال الصحيح اھ	اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے

(مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۴۹ مصنف)

تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

اور مولانا سید احمد حسن صاحب (المتوفی ســــھ) حضرت امام بیہقیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

وقال البیہقی ہذا حدیث صحیح الاسناد اھ (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۳۱۲)

امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ:۔

وہذا حدیث صحیح الاسناد (الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۲۶۵)

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اور خود اپنا فیصلہ یوں صادر فرمایا:۔

والحدیث صحیح (تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص ۳۱۲)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقد رواہ الامام احمدؒ وغیرہ وہو حدیث اجمع رواۃ الاثر علی شہرتہ واستفاضتہ وقال الحافظ ابو عبداللہؒ بن مندہؒ ہذا الحدیث اسناد متصل مشہور رواہ جماعۃ عن البراءؓ اھ (شرح حدیث النزول ص ۴۲ طبع امرتسر)

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور تمام محدثینؒ کا اس کے مشہور اور مستفیض ہونے پر اجماع ہے اور حافظ ابو عبداللہؒ بن مندہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متصل الاسناد اور مشہور ہے اور حضرت براءؓ بن عازبؓ سے ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وہو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ اھ (اجتماع جیوش الاسلامیۃ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ ص ۳۵ طبع امرتسر)

یہ حدیث صحیح ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اور دوسرے مقام پہ یوں لکھتے ہیں کہ:۔

وقال ابو موسی الاصبہانی ہذا حدیث حسن مشہور بالمنہالؒ عن زاذانؒ وصححہ ابو نعیمؒ الحاکمؒ وغیرہما اھ (تہذیب سنن ابی داؤد جلد

امام ابو موسی الاصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور مشہور ہے جو منہالؒ نے زاذانؒ سے روایت کی ہے امام ابو نعیمؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

صـ۱۴۲ وکذا فی مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ج۷ صـ۱۴۲

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

ھذا حدیث مشھور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ ولا نعلم احداً من أئمۃ الحدیث طعن فیہ بل رووہ فی کتبھم وتلقوہ بالقبول وجعلوہ اصلاً من اصول الدین فی عذاب القبر ونعیمہ ومسئلۃ منکر ونکیر وقبض الارواح وصعودھا الی بین یدی اللہ ثم رجوعھا الی القبر اھ (کتاب الروح صـ$\frac{58}{59}$)

یہ حدیث ثابت مشہور اور مستفیض ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں کسی نے اس میں طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اس کو قبول کیا ہے اور قبر کے عذاب و راحت اور منکر نکیر کے سوال اور ارواح کے قبض کرنے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے اور پھر ان کو قبر کی طرف لوٹانے کے سلسلہ میں اس روایت کو اصول دین سے قرار دیا ہے ۔

اور ایک اور مقام میں محدثانہ رنگ میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

فالحدیث صحیح لاشک فیہ (کتاب الروح صـ۵۶)

پس یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں ۔

اور علامہ منذریؒ لکھتے ہیں ۔

وذکر ابو موسیٰ الاصبھانی انہ حدیث حسن مشھور بالمنھال اھ (مختصر ابی داؤد جلد۷ صـ۱۴۲ للمنذریؒ)

محدث ابو موسیٰ الاصبہانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے اور منہالؒ کے طریق سے مشہور ہے ۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

رواہ ابوداؤدؒ واحمدؒ باسناد رواتہ محتج بھم فی الصحیح اھ (الترغیب والترھیب ج۲ صـ۳۶۵)

امام ابوداؤدؒ اور امام احمدؒ نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے تمام راویوں سے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احتجاج کیا ہے ۔

اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

روی الامام احمدؒ وابوداؤدؒ باسناد صحیح عن البراءؓ (مختصر تذکرہ قرطبیؒ صـ۲۴)

امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت حضرت براءؓ سے روایت کی ہے ۔

اور حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کو الاحادیث الصحاح میں شمار کرتے

ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص۲۲۴) اور علامہ علیؒ بن عبد الکافی السبکیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ورجال اسنادہ کلھم ثقات اھ (شفاء السقام ص۱۵۱) اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فرہاروی فرماتے ہیں کہ ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال اھ (نبراس ص۳۲۲) صحیح حدیثیں اس امر پر ناطق ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی اس حدیث کو کما ثبت فی الحدیث کہہ کر صحیح کہتے ہیں (فتح الباری ج۵ ص۵۰۴) اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مسند میں امام ابوداؤدؒ نے سنن میں امام حاکمؒ نے مستدرک میں امام ابن ابی شیبۃؒ نے مصنف میں۔ امام بیہقیؒ نے کتاب عذاب القبر میں امام طیالسیؒ اور امام عبدؒ بن حمیدؒ نے اپنے اپنے مسند میں ھنادؒ بن سریؒ نے کتاب الزہد میں اور اسی طرح امام ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے صحیح اسانید اور طُرق کے ساتھ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے۔ (المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوہابیۃ ص۱۱ طبع استنبول)

الحاصل اس حدیث کا ایک ایک راوی ثقہ اور ثبت ہے اور امام بخاریؒ اور مسلمؒ جیسے امام فن اور پختہ کار حضرات محدثین کرامؒ نے اس سند کے تمام راویوں سے احتجاج کیا ہے اور سو فیصدی حضرات محدثین کرامؒ اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور عذاب قبر و نعیم قبر وغیرہ اہم مسائل کے بارے میں اس حدیث کو اہل سنت والجماعت کا مستدل قرار دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

ورواہ ابو عوانۃ الاسفرائنی فی صحیحہ و ذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اھل السنۃ والحدیث من سائر الطوائف اھ (کتاب الروح ص۵۱)	امام ابو عوانہ الاسفرائنیؒ نے اس حدیث کو اپنے صحیح میں روایت کیا ہے اور اہل السنت اور اہل الحدیث کے تمام فرقے اس حدیث سے جو احکام ثابت ہیں ان کے قائل ہیں۔

اور علی الخصوص قبر میں عود الروح الی البدن کے بارے میں اس حدیث کو نص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ اعادہ روح کے متعلق واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

النص الصحیح الصریح وھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فتعاد الروح فی جسدہ اھ (کتاب الروح ص۵۲)	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ (قبر میں) روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے نص صحیح اور صریح ہے۔

اور علامہ علیؒ بن عبد الکافی السبکیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

وفیہ التصریح بعود الروح الی الجسد اھ (شفاء السقام ص۱۴۸)

اس حدیث میں عود الروح الی الجسد کی صراحت موجود ہے۔

غرضیکہ یہ روایت اصول حدیث کے رُو سے بالکل صحیح ہے اس کی صحت میں ذرہ بھر کلام نہیں ہو سکتا اہل السنت والجماعت کا یہ قوی مستدل ہے اور اہل بدعت کے باطل عقائد کے رد کے لیے یہ برھان قاطع اور ان کے حق میں یہ خالص نشتر ہے۔ اور اس حدیث سے جو امور ثابت ہیں ان پر علماء کا اجماع ہے۔ (المنحۃ الوھبیۃ ص۱۱)

اس حدیث پر کلام اور اس کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بھی نقل کر کے ان کے صحیح جوابات عرض کر دیے جائیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار ہو جائے لیکن اس سے قبل کہ اعتراضات اور ان کے جوابات نقل کیے جائیں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے لے کر تقریباً چوتھی صدی تک اہل السنت والجماعت کے ہر مسلک اور ہر مکتبہ فکر کے حضرات فقہاءؒ متکلمینؒ اور علماء حق اس عقیدے پر تھے کہ وفات کے بعد قبر میں میّت کو جو راحت وکلفت پہنچتی ہے اس کا تعلق بدن مع الروح کے ساتھ ہوتا ہے اور میّت کو ایک گونہ حیات (نوع من الحیوٰۃ) حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو فہم وشعور اور ادراکِ عذاب ونعمت ہوتا ہے۔

معتزلہ کرامیہ اور روافض وغیرہ (جس کا ذکر اپنے مقام پر ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ) اگرچہ اس حق اور صحیح مسلک کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے لیکن اہل السنت اور اہل السنت میں شمار کئے جانے والے فرقوں میں سے کوئی شخص اس کا منکر نہ تھا، ہماری دانست میں سب سے پہلے جس شخص نے قبر میں اعادۂ روح کا انکار کیا ہے وہ امام ابو محمد علیؒ بن احمد بن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) ہیں جنہوں نے محلّی الفصل فی الملل والاھواء والنحل اور دیگر متعدد معلومات افزا کتابیں لکھ کر بہت بڑی دینی خدمت کی ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہے گی، ان کا علم بڑا طویل اور عریض تو تھا مگر صد افسوس ہے کہ ظاہریت کی وجہ سے عمیق نہ تھا اور بعض اصولی اور فروعی مسائل میں انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور علماء ربانیؒ نے ان کا بعض مسائل میں خوب تعاقب کیا ہے

اور بعض باتیں تو ان کے بیباک قلم سے ایسی بھی صادر ہوئی ہیں، جن پر انتہائی حیرت ہوتی ہے مثلاً صحاح ستہ کی مرکزی کتاب الجامع الترمذی کے مصنف حضرت امام ترمذیؒ کے بارے میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہیں (میزان الاعتدال جلد۳ ص۱۱۷ و تہذیب التہذیب جلد۹ ص۳۸۸) اگر امام ترمذیؒ مجہول ہیں تو رواتِ حدیث میں معروف کون ہوگا؟ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن حزمؒ قوتِ حافظہ کے گھمنڈ پر جرح و تعدیل اور اسماء رجال کی تعیین میں فاحش غلطیاں کر جاتے اور بُری طرح وہم کا شکار ہو جاتے تھے (لسان المیزان جلد۴ ص۱۹۸) علامہ شمس الدین محمدؒ بن عبدالرحمٰن السخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ جن حضرات نے رواتِ حدیث پر بے تحاشا کلام اور جرح کی ہے، ان میں ایک ابن حزمؒ بھی ہیں (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص۶۱ طبع مصر) اور بڑے بڑے ائمہ دین ان کی زبان سے محفوظ نہیں رہ سکے چنانچہ امام ابوالعباس بن العریف الصالح الزاہدؒ فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزمؒ کی زبان (شقیقتین) دونوں حقیقی بہنیں تھیں (تذکرۃ الحفاظ جلد۳ ص۲۲۸ و لسان المیزان جلد۴ ص۲۰۱) علامہ ذہبیؒ ائمہ دین کی شان میں ان کی گستاخی کی یوں شکایت کرتے ہیں کہ:-

وقد امتحن هذا الرجل وشدد عليه وشرد عن وطنه وجرت عليه امور لطول لسانه واستخفافه بالكبار ووقوعه في ائمه الاجتهاد باقبح عبارة وافظ محاورة وامنع رد اھ

(تذکرة الحفاظ جلد۳ ص۲۲۸)

ابن حزمؒ بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور ان پر سختی بھی کی گئی اور جلاوطن بھی کئے گئے اور کئی مصائب کا شکار بھی ہوئے کیونکہ وہ بڑے بڑے ائمہؒ کے حق میں زبان دراز کرتے اور ان کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے اور حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے بارے میں قبیح ترین عبارتیں اور گھناؤنے محاورات استعمال کرتے اور نامناسب لہجہ میں تردید کرتے تھے۔

اور دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں کہ:-

وانا اميل الى محبة ابي محمد لمحبته بالحديث الصحيح ومعرفته به وان كنت لا اوافقه في كثير مما يقوله في الرجال والعلل والمسائل البشعة في الاصول والفروع واقطع بخطائه في غير مسألة ولكن لا اكفره ولا اضلله وارجو له

میں ابن حزمؒ کے ساتھ محبت کرتا ہوں کیونکہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے اور اس کی معرفت رکھتے ہیں لیکن میں ان کے بہت سے نظریات میں مثلاً رواۃ و علل حدیث اور اصول و فروع میں ناپسندیدہ طور پر مسائل میں کلام سے موافقت نہیں کرتا اور متعدد مسائل میں ان کو یقیناً خطاکار سمجھتا ہوں لیکن

العفو والمسامحة واخضع لفرط ذكائه وسعة علمه اھ

میں انکی تحقیر وتضلیل نہیں کرتا اور ان کے لیے عفو و درگذر کا امیدوار ہوں اور ان کی فرط ذکاء اور وسعت علمی کا معترف ہوں

(سیر النبلاء بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۶۹)

اور علامہ جزائریؒ نے بھی ان کی یہ شکایت کی ہے کہ وہ بڑے بڑے ائمہ کرامؒ کو خطاکار بتاتے اور ان پر زبان درازی کرتے تھے (توجیہ النظر ص۳۲۳)

ہمارا مقصد ان حوالوں سے حاشا وکلا حافظ ابن حزمؒ کی تحقیر وتوہین نہیں بلکہ بتانا صرف یہ ہے کہ بعض مقامات میں حدیث کے راویوں سے متعلق اور بعض احادیث کو معلول ٹھہرانے میں ان سے صریح کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اور اصول وفروع کے کئی مسائل میں ان سے لغزشیں ہوئی ہیں، لہذا ایسے مقامات میں بجائے علامہ ابن حزمؒ کی پیروی کے صحیح حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور جمہور سلفؒ وخلفؒ کا ساتھ دینا ہی باعث نجات ہے اور کامیابی صرف اسی پہلو میں بند ہے اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم سہولت کے لیے اعتراضات کے نمبر قائم کر کے انکو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کے مختصر باحوالہ جوابات عرض کرتے ہیں، غور وفکر کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

اعتراض اوّل:۔ حافظ ابن حزمؒ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی مذکور حدیث پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ولم یر واحد ان فی عذاب القبر ترد الروح الی الجسد الا المنہال بن عمرو ولیس بالقوی (محلی جلد ص۲۲ طبع مصر الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج۴ ص۶۵ طبع بیروت)

کہ کسی راوی نے عذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے جسم کی طرف لوٹانے کا ذکر نہیں کیا مگر صرف منہالؒ بن عمروؒ نے اور وہ قوی نہیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کی اصول حدیث کے رو سے کوئی وقعت نہیں کیونکہ ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ منہالؒ بن عمروؒ ثقہ راوی ہیں اور ان کی روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے اور باحوالہ حضرات محدثین کرامؒ کے جم غفیر سے اس روایت کی تصحیح نقل کی جا چکی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ ابن حزمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

واما المنہال فمن رجال البخاری وحدیث زاذان مما اتفق السلف والخلف علی روایته وتلقیها بالقبول اھ (شرح حدیث النزول ص۵۱)

منہالؒ بن عمروؒ صحیح بخاری کے راوی ہیں اور زاذانؒ کی اس حدیث کے روایت کرنے اور اس کے قبول کرنے پر تمام حضرات سلف وخلفؒ کا اتفاق ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کو جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

واما قوله ان الحديث لا يصح لتفرد المنهال بن عمرو وحده وليس بالقوى فهذا من مجازفته رحمه الله فالحديث صحيح لا شك فيه اھ

(کتاب الروح ص۵۶)

ابن حزمؒ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کے روایت کرنے میں منہالؒ بن عمروؒ متفرد ہیں تو یہ محض اٹکل پچو بات ہے اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ پر رحم کرے یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے منہالؒ بن عمروؒ کے تفرد کا جو دعوےٰ کیا ہے حافظ ابن القیمؒ اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:-

فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقه وقال العجلى ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت غناء وهذا لا يوجب القدح فى روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لا شئ فانه لم يذكر موجبا لتضعيفه غير تفرده بقوله فتعاد الروح فى جسده وقد بينا انه لم يتفرد بها بل قد رواها غيره فقد روى ما هو ابلغ منها او نظيرها كقوله فترد اليه روحه وقوله فتصير الى قبره فيستوى جالسا وقوله فيجلسانه وقوله فيجلس فى قبره وكلها احاديث صحاح لا مغمز فيها

(کتاب الروح ص۵۹)

منہالؒ ثقہ اور عادل راویوں میں تھے، ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ منہالؒ ثقہ ہے عجلیؒ کہتے ہیں کہ کوفی اور ثقہ تھے بڑا الزام جو ان کی طرف نسبت کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز آئی تھی لیکن یہ ان کی حدیث کے رد اور ترک کا موجب نہیں اور ابن حزمؒ کی اس تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ انہوں نے تفرد کے بغیر تضعیف کی کوئی اور وجہ بیان نہیں کی مگر فتعاد الروح فی جسدہ کے قول میں منہالؒ متفرد بھی نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر راویوں نے ان الفاظ کی مانند بلکہ اس سے زیادہ واضح الفاظ نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ میت کی روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے، اور یہ کہ روح قبر میں پہنچتی ہے سو میت اس وقت سیدھی بیٹھ جاتی ہے اور فرشتے اس کو بٹھلاتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور یہ سب صحیح حدیثیں ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی طعن نہیں ہے۔

خود حافظ ابن القیمؒ نے اس سے قبل اُن تمام روایات کو باحوالہ نقل کر کے اُن کی نشاندہی کی ہے جن میں یہ الفاظ آتے ہیں اور ان میں منہالؒ بن عمروؒ نہیں بلکہ دیگر راوی ہیں اور علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقد تكلم فيه ابن حزم من جهة المنهال بن عمرو وهذا الكلام ليس بشيء لان المنهال بن عمرو روى له البخاري ووثقه غير واحد منهم ابن معين اھ

(شفاء السقام ص۱۵۱)

اس حدیث میں ابن حزمؒ نے منہالؒ بن عمروؒ کی وجہ سے کلام کیا ہے لیکن اس کلام کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ منہالؒ سے امام بخاریؒ نے احتجاج کیا ہے اور بیشمار حضرات محدثین کرامؒ نے ان کی توثیق کی ہے جن میں امام ابن معینؒ بھی ہیں۔

مولانا سید احمد حسن صاحبؒ لکھتے ہیں کہ :-

ولما رأى ابن حزم حديث المنهال رادا على معتقده في انكار عذاب الاجساد في قبورها طعن فيه وطعنه مردود والحديث صحيح اھ

(تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۳۱۴)

جب ابن حزمؒ نے دیکھا کہ منہالؒ بن عمروؒ کی حدیث ان کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ قبور میں اجسام کو عذاب ہو تو اس حدیث پر جرح شروع کر دی۔ مگر ان کی جرح مردود ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن حزمؒ نے پہلے یہ عقیدہ اختراع کیا کہ قبور میں مُردوں کے اجسام کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اعادہ روح کے بغیر نرے جماد کو سزا دینے کا کیا معنٰی؟ اور ان کے زعم فاسد میں اعادۂ روح کی کوئی روایت نہیں اگر ہے تو منہالؒ بن عمروؓ کی روایت ہے اور اس روایت کو دیکھ کر وہ خاصے پریشان ہوئے ہیں جو ان کے باطل عقیدہ پر کاری ضرب لگاتی ہے اور اس مخترع عقیدہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیتی ہے لیکن ان کی ذہانتِ طبع ان کے کام آگئی اور یہ کہہ کر گلو خلاصی چاہی کہ منہالؒ بن عمروؒ ضعیف ہے اور متفرد بھی پھر بھلا اس کی روایت کا کیا اعتبار؟ جن کی زبان سے بڑے بڑے حضرات ائمہ دینؒ۔ مجتہدینؒ اور امام ترمذیؒ نہیں محفوظ رہ سکے ان سے منہالؒ بن عمروؒ کیونکر بچ سکتے تھے؟ لیکن آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرات محدثین کرامؒ ہیں چوٹی کے بزرگ ہاتھ دھو کر ابن حزمؒ کے پیچھے پڑھ گئے ہیں اور منہالؒ کی تضعیف اور ان کے تفرد کا معقول جواب دے کر حدیث مذکور کی تصحیح کرتے ہیں اور زوردار الفاظ میں اہل حق کے منصور مسلک کی تائید کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کسی مسئلہ کی تحقیق و تمحیص اور کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر نہ ماننے والے کو اس کے انکار اور ضد سے کون روک سکتا ہے جو ضد اور لانسلّم کا ہی خوگر ہو سچ ہے کہ ؎

کون روکے گا اُسے پینے سے میخانے میں آج
ہاتھ جس کے گردنِ رطل گراں تک آگئے!

اعتراض دوم: علامہ ابن حزمؒ کا یہ اعتراض بھی ہے کہ :-

تركه شعبة وغيره وقال فيه المغيرة بن مقسم الضبی وهو احد الائمة ما جازت للمنهال بن عمرو قط شهادة فی الاسلام اه

(بحوالہ کتاب الروح ص۲۵)

منہالؒ بن عمروؒ کو امام شعبہؒ نے ترک کر دیا تھا اور مغیرہ بن مقسم الضبیؒ جیسے امام فرماتے ہیں کہ منہالؒ بن عمروؒ کی اسلام میں سرے سے شہادت ہی جائز نہیں ہے۔

(تو روایت کیونکر معتبر ہو گی؟)

جواب:۔ امام شعبہؒ کی منہالؒ بن عمروؒ کی روایت کو ترک کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ ثقہ نہ تھے بلکہ اس کی وجہ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں یہ تھی کہ امام شعبہؒ نے فرمایا کہ میں نے منہالؒ بن عمروؒ کے گھر سے طنبور کی آواز سنی اس لیے میں نے ان کی روایت ترک کر دی ہے، محدث وہبؒ بن جریرؒ نے یہ قصہ سن کر امام شعبہؒ سے دریافت کیا فهلا سألته عسى كان لا يعلم آپ نے ان سے دریافت کیوں نہ کر لیا ممکن ہے یہ کارروائی ان کی لاعلمی میں ہوئی ہو، امام وہبؒ بن جریرؒ نے بجا فرمایا ہے کسی کے گھر سے طنبور اور ساز کی آواز کا بلند ہونا اس کی دلیل نہیں کہ صاحب خانہ اس کا مرتکب ہوا ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت گھر میں ہی موجود نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آواز پڑوسی کے گھر سے بلند ہوئی ہو اور صاحب خانہ اس پر راضی نہ ہو اس سے ان کی ثقاہت وعدالت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ سارا افسانہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام ابو الحسنؒ بن القطانؒ نے یہ حکایت نقل کر کے لکھا ہے کہ:۔

ولم يصح ذلك عنه وجرحه بهذا تعسف ظاهر وقد وثقه ابن معين والعجلی وغيرهما

(تهذيب التهذيب جلد ۱۰ ص ۳۲۰)

یہ کارروائی منہالؒ بن عمروؒ سے ثابت نہیں ہو سکی اور اس وجہ سے ان پر جرح کرنا کھلی زیادتی ہے حالانکہ امام ابن معینؒ اور عجلیؒ وغیرہ نے منہالؒ کو ثقہ کہا ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ اس افسانہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وقد يمكن ان لا يكون ذلك بحضوره ولا اذنه ولا علمه وبالجملة فلا يرد حديث الثقات بهذا وامثاله۔ (تهذيب سنن ابی داؤد ج ۷ ص ۱۴۰ طبع مصر)

ممکن ہے کہ یہ ساز وطرب والی کارروائی انکی غیر حاضری میں ہوئی ہو اور ان کی اجازت اور علم کے بغیر صادر ہوئی ہو۔ الغرض ثقہ راویوں کی حدیث ایسی اور اس جیسی پادر ہوا باتوں سے رد نہیں کی جا سکتی۔

امام مغیرہؒ بن مقسمؒ سے اسی سے ملتی جلتی ایک رام کہانی حافظ ابن حجرؒ نے نقل کی ہے، اور پھر لکھا ہے کہ اس حکایت کا راوی محمد بن عمر خود قابل اعتماد نہیں فيه نظر اس میں کلام ہے، بھلا ایسے نامعتبر راویوں

کی داستانوں سے ثقہ راویوں کو کیونکر مجروح قرار دیا جا سکتا ہے؟ الحاصل اس اعتراض میں بھی کوئی جان نہیں ہے اور یہ نرا لایعنی اعتراض ہے اگر ایسی بے بنیاد باتوں سے رُوات حدیث پر جرح قبول ہو تو حدیث کا خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے، حضرات محدثین کرامؒ ایسے کمزور اعتراضات کے سامنے کبھی سپر نہیں ڈالتے ؎

نہ ڈر اے ناخدا طوفاں میں بھی کچھ اہل ہمت کے
سفینے کھیلتے رہتے ہیں موجوں کی روانی میں

مؤلف ندائے حق ص ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ۔ منہالؒ بن عمروؒ کی جرح میں ابن حزمؒ "متفرد" نہیں شعبہؒ ۔ جوزجانیؒ، یحییٰ القطانؒ، احمد بن حنبلؒ، حاکمؒ، غلابیؒ، مغیرۃ الضبیؒ سب آپ کو مجروح کہتے ہیں جوزجانیؒ کہتے ہیں۔ منہالؒ بن عمرو سیئ المذہب ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۲۰) الخ

الجواب :- ان تمام حضرات نے جس وجہ سے ان پر کلام کیا ہے اس میں مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز آئی تھی امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ امام شعبہؒ نے ان کو ترک کر دیا تھا امام عبدالرحمٰنؒ بن ابی حاتمؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ :-

لانه سمع من داره صوت قرأة بالتطريب (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۱۹)	اس لیے کہ ان کے گھر سے ساز کے ساتھ پڑھنے کی آواز سنائی دی تھی۔

اور اس تمام افسانہ اور رام کہانی کو نقل کر کے حافظ ابن حجرؒ نے لم یصح عنه ذلك فرما کر (کہ ان سے یہ کارروائی ثابت ہی نہیں ہے) اس کا رد کر دیا ہے ان حضرات محدثین کرامؒ میں سے کسی نے ان کو حدیث میں ضعیف نہیں کہا اور نہ اس وجہ سے ان کی روایت رد کی ہے اور نہ ان کو اس لحاظ سے مجروح کہا ہے یہ مؤلف ندائے حق کا بے جا تعصب اور ضد ہے کہ وہ معقول جواب اور جمہور کی توثیق کے بعد بھی اپنے باطل نظریہ پر قائم ہیں بڑے شوق سے قائم رہیں مرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت سب منکشف ہو جائے گی۔

اعتراض سوم :- حافظ ابن القیمؒ، امام ابو حاتم و بُستیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت زاذانؒ نے حضرت براء بن عازبؓ سے نہیں سُنی لہٰذا یہ روایت منقطع ہے (تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ ص ۱۳۹)

جواب :- یہ اعتراض بھی بے معنی ہے، اوّلاً اس لیے کہ حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ابو عوانہ میں بھی مذکور ہے اور اس کی سند آخر میں اس طرح ہے عن زاذان سمعت البراءؓ الخ زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے خود یہ حدیث حضرت براءؓ سے سُنی ہے (شرح حدیث النزول ص ۱۲۷

وتہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ ص۱۴۲ وکتاب الروح ص۵۹) اور مستدرک جلد ۱ ص۳۷ اور ص۳۸ میں بھی یہ روایت اس طرح ہے زاذان قال سمعت البراءؓ الخ اور ابو داؤد جلد ۲ ص۲۹۹ میں بھی زاذان قال سمعت البراءؓ الخ کے الفاظ ہیں جب زاذانؒ جو ثقہ اور ثبت راوی ہیں چلا چلا کر یہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت حضرت براءؓ سے خود سنی ہے تو پھر اس کے منقطع ہونے کا ناکام بہانہ کون سنتا ہے؟ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ حافظ ابوعبداللہؒ بن مندہ (جو الامام الحافظ الجوال محدث العصر ابوعبد اللہ محمدؒ بن الشیخ ابی یعقوبؒ الخ تھے تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۲۲۰ المتوفی سنہ ۳۹۵ھ) اس حدیث کی سند کو متصل کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:۔

هذا الحديث اسناد متصل مشهور الخ	اس حدیث کی سند متصل اور مشہور ہے۔

(شرح حدیث النزول ص۴۷)

اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی یہ الفاظ حافظ ابن مندہؒ کے حوالے سے نقل کئے ہیں (دیکھئے کتاب الروح ص۵۹) وثانیاً اس روایت کو حضرت براءؓ بن عازبؓ سے تنہا زاذانؒ ہی روایت نہیں کرتے بلکہ راویوں کی اچھی خاصی جماعت اس کو روایت کرتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن مندہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواه جماعة عن البراءؓ۔ (شرح حديث النزول ص۴۷ وكتاب الروح ص۵۹)	حضرت براءؓ سے ایک جماعت اس کو روایت کرتی ہے۔

اور پھر اس جماعت میں سے بعض مشہور راویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت هذا قد رواه عن البراءؓ بن عازبؓ غير واحد غير زاذان منهم عدي بن ثابت ومحمد بن عُقبه ومجاهد اھ (شرح حديث النزول ص۴۹ واللفظ له وكتاب الروح ص۵۶)	میں کہتا ہوں کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ سے زاذانؒ کے علاوہ بھی متعدد راویوں نے یہ روایت کی ہے ان میں عدیؒ بن ثابتؒ، محمدؒ بن عقبہؒ اور مجاہدؒ بھی ہیں۔

اور پھر باقاعدہ انہوں نے ان راویوں کی روایت کی نشاندہی کی ہے، اس لیے یہ اعتراض بھی مردود ہے اور سرے سے قابل التفات ہی نہیں ہے۔

اعتراض چہارم: - حافظ ابن القیمؒ امام ابو حاتم البستیؒ کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ بعض روایتوں میں الاعمش اور المنہالؒ بن عمروؒ کے درمیان الحسن بن عمارہ ایک راوی آتا ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس لحاظ سے اعمشؒ کی منہالؒ سے روایت منقطع ہے (محصلہ تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ ص ۱۳۹)

جواب: - اس اعتراض میں بھی کوئی وزن نہیں اولاً اس لیے کہ حافظ ابن مندہؒ امام حاکمؒ علامہ ذہبیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ حضرات محدثین کرامؒ اس حدیث کو متصل اور صحیح کہتے ہیں اور صحت حدیث کے لیے سند کا متصل ہونا اصول حدیث کے رو سے بنیادی امر ہے لہذا الاعمش عن المنہال الخ کی سند بالکل صحیح اور متصل ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جس سند میں الحسنؒ بن عمارہؒ کا واسطہ آیا ہے اس کی سند صحیح ہے یا ضعیف؟ اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اصول حدیث کے لحاظ سے یہ المزید فی متصل الاسانید کی قسم سے ہوگی اور اس سے حدیث کی صحت میں مطلقاً کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی اور اگر وہ سند ضعیف ہے تو یہ کسی کمزور اور ضعیف راوی کا وہم ہوگا اور کسی کمزور اور واہمی راوی کی کارستانی سے صحیح حدیث اور متصل سند پر کیا زد پڑتی ہے؟ وثالثاً: - منہالؒ بن عمرو سے علاوہ امام اعمشؒ کے رواۃ حدیث کی ایک خاصی جماعت اس کو روایت کرتی ہے چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ: -

انہ قد رواہ عن المنہال جماعۃ کما قالہ ابن عدی اھ (تہذیب سنن ابی داؤد ج ۷ ص ۱۴۰)	یہ حدیث منہالؒ سے راویوں کی ایک خاصی جماعت نے روایت کی ہے جیسا کہ محدث ابن عدیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اگر راویوں کی اتنی بڑی جماعت میں ایک الحسنؒ بن عمارۃؒ بھی کسی طریق میں آگئے ہوں تو ان کی وجہ سے اس حدیث کی صحت اور سند کے اتصال پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ان راویوں میں یونسؒ بن خبابؒ کا ذکر حافظ ابن القیمؒ نے کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ مذکور) اور امام حاکمؒ نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے (مستدرک ج ۱ ص ۳۹) نیز امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ابو خالد الدالانیؒ، عمروؒ بن قیس الملائیؒ اور الحسنؒ بن عبید اللہ النخعیؒ بھی یہ روایت منہالؒ بن عمروؒ سے بیان کرتے ہیں (ایضاً ص ۳۹) الحاصل اس صحیح روایت کے سلسلہ میں جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں ان میں کسی ایک میں بھی کوئی وزن نہیں، محض اعتراض کرنے سے کیا نقص اور عیب لازم آتا ہے؟ کیا آخر اس گیتی پر رہنے والوں میں کم بخت اور حرماں نصیب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد تجویز نہیں کی؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور کیا دریدہ دہن لوگوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) ساحر، مجنون

اور کذاب وغیرہ نہیں کہا؟ پھر ان کم بختوں کی واہی تباہی باتوں سے ان نفوس قدسیہ کی بلند اور ارفع ہستیوں میں کیا کمی آگئی؟ غرضیکہ نرے اعتراضات سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ اس میں جان نہ ہو۔ ارباب باطن اس کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور اسی سے دنیا کی رونق ہے ؎

حدِ تکمیل تک پہنچے گا دستورِ چمن بندی !
اگر کانٹے بھی شامل ہوں گلوں کے ہم نشینوں میں

اعتراض پنجم :- حافظ ابن حزمؒ کا یہ خیال ہے کہ قبر میں نکیرین کا سوال اور عذابِ قبر تو حق ہے مگر یہ ساری کاروائی روح سے متعلق ہے اس میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ قیامت سے پہلے کسی کو حیات حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ انہوں نے اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وان عذاب القبر حق ومسألة الارواح	کہ عذابِ قبر بھی حق ہے اور مرنے کے بعد ارواح سے
بعد الموت حق ولا یحیٰی احد بعد الموت	فرشتوں کا سوال بھی حق ہے لیکن موت کے بعد قیامت
الی یوم القیٰمة انتہیٰ (محلی جلد ا ص۲۱)	تک کوئی شخص زندہ نہیں کیا جاتا۔

اور حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اگر حضرت براءؓ بن عازبؓ کی حدیث کے پیشِ نظر قبر میں حیات تسلیم کر لی جائے تو یہ قرآنِ کریم کی نصوص کے خلاف ہے مثلاً ایک مقام پہ اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ :-

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا	وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو موت دے چکا ہم
اثْنَتَيْنِ الآیۃ (پ۲۴۔ المومن۔ ۲)	کو دوبارہ اور زندگی دے چکا ہم کو دوبارہ ۔

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا	تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کا حالانکہ تم بے جان تھے
فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ	پھر اُس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں
تُرْجَعُوْنَ ۔ (پ۱۔ بقرہ۔ ۳)	زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو دفعہ کی حیات اور دو دفعہ کی موت ہی قرآنِ کریم سے ثابت ہے اگر قبر میں بھی حیات تسلیم کی جائے تو بجائے دو دفعہ کے تین دفعہ کی حیات ثابت ہو گی اور چونکہ حضرت براءؓ کی روایت میں عود الروح الی البدن کے ساتھ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ اخذ نہیں (محصلہ کتاب الروح ص۵۱ وص۵۲ وتہذیب سنن ابی داؤد

جلد ۷ ص۱۳۱ یہ بحث حافظ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب ملل ونحل جلد ۲ ص۴۱۵ تا ص۴۱۸ مترجم اردو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں اور جلد ۴ ص۸۹ عربی طبع مصر میں کی ہے)

جواب:۔ حافظ ابن حزمؒ کا یہ نظریہ ان کی ظاہریت کا شاخسانہ اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے اوّلاً اس لیئے کہ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ کے جملہ سے قطعیت کے ساتھ بعث یوم القیامہ کی حیات ہی مراد لینا متعین نہیں ہے بلکہ بعض حضرات مفسرین کرامؒ نے اس سے قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت کی حیات بھی مراد لی ہے چنانچہ علامہ ابو السعودؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ بالنشور یوم ینفخ فی الصور او للسوال فی القبور و ایّا ما کان فهو متراخ من زمان الاماتة اھ (تفسیر ابو السعود جلد ۱ ص۶۲)

پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد قبروں سے تمہیں نکالیگا، یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قبور میں سوال کے لیے تمہیں زندہ کریگا، کچھ بھی ہو یہ حیات زمانۂ اماتت کے بعد ہوگی۔

قاضی بیضاویؒ، امام رازیؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ آلوسیؒ (وغیرہ) نے بھی اس جملہ کی تفسیر میں او للسوال فی القبور وغیرہ کے الفاظ نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو بیضاوی ص۵۶ تفسیر کبیر جلد ۱ ص۱۵۱ تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۶۷ اور روح المعانی جلد ۲۴ ص۵۲ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ الآیة کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے) اور اس تفسیر کے لحاظ سے قیامت کے دن کی حیات ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ سے ثابت ہے غرضیکہ حیات فی القبر کی نفی پر ان آیات سے استدلال قطعی نہیں، بلکہ ان سے اثبات حیات فی القبر پر بھی استدلال کیا گیا ہے اور یہ استدلال علامہ ابن حزمؒ کے خلاف پڑتا ہے۔

امام ابو بکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) شہداء کرامؒ کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

وقال الجمهور ان الله تعالیٰ یحییهم بعد الموت فینیلهم من النعیم بقدر استحقاقهم الی ان یفنیهم الله تعالیٰ عند فناء الخلق ثم یعیدهم فی الآخرة ویدخلهم الجنة لانه اخبر انهم احیاء وذلک یقتضی انهم احیاء فی هذا الوقت ولان تاویل من تاوله علی انهم

جمہور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ان کو زندہ کرتے ہیں سو ان کو ان کے استحقاق کے مطابق راحت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے فنا کرنے وقت ان کو بھی فنا کرے پھر ان کو آخرت میں لوٹائیگا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور یہ بات اس کو چاہتی ہے کہ وہ اس وقت زندہ ہیں لہٰذا جن لوگوں نے اس کی یہ

احیاء فی الجنۃ یؤدی الی ابطال فائدتہ لان احدًا من المسلمین لا یشک انہم سیکونون احیاء مع سائر اھل الجنۃ اذ الجنۃ لا یکون فیھا میت

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵ طبع مصر)

تاویل کی ہے کہ وہ جنت میں زندہ ہیں وہ اس ارشاد کے فائدہ کو باطل کرنے کے درپے ہیں کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی اس میں شک نہیں کہ سب اہل جنت کی طرح حضرات شہداءؒ بھی زندہ ہوں گے کیونکہ جنت میں تو کوئی بھی مردہ نہ ہوگا۔

اس عبارت سے ذیل کے فوائد حاصل ہوتے ہیں (۱) جمہور کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے (۲) اور زندہ کر کے ان کو جس نعمت کے وہ مستحق ہوتے ہیں اس سے نوازتا ہے۔ (۳) شہداء کی یہ حیات اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ مخلوق کو فنا نہ کر دے (۴) اس فنا کے بعد آخرت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ شہداء کو زندہ کر کے جنت میں داخل کریگا (۵) اگر شہداء کی اس حیات سے مرنے کے بعد فوری حیات مراد نہ لی جائے تو (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کی خبر سچی نہیں رہتی کیونکہ اللہ تعالےٰ نے خبر تو یہ دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فی الحال زندہ ہوں (چونکہ روح پر موت نہیں آتی اس لیے موت اور پھر حیات یہ اجسام ہی سے متعلق ہے۔ صفدر) (۶) جن لوگوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ قبر اور برزخ میں زندہ نہیں بلکہ جنت میں زندہ ہیں تو ان کی اس تاویل سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا فائدہ ہی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس پر یقین نہ رکھتا ہو کہ شہداء دیگر اہل جنت کی طرح زندہ ہوں گے کیونکہ جنت میں سرے سے موت ہی نہیں ہے۔ وثانیًا: ان آیتوں میں دو دفعہ کی جس حیات کا ذکر ہے وہ حیات مطلقہ، حیات کاملہ اور پوری حیات ہے اور ایسی حیات یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا قیامت کے دن ہوگی اور اس حیات کی علامت یہ ہے کہ اس میں روح تمام بدن میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے اور روح بدن کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتی ہے اور ایسی مطلق اور کامل حیات میں بدن کو عادۃً خوراک، پانی اور لباس وغیرہ جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور بدن میں حس و حرکت ہوتی ہے اور وہ جنبش کرتا ہے جس کا بخوبی لوگ مشاہدہ کر سکتے ہیں اور اس کی حرکات محسوس ہو سکتی ہیں اور ایسی حیات صرف دو دفعہ ہوگی، دنیا میں اور آخرت میں رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں بلکہ فی الجملہ اور نوع من الحیوٰۃ ہے اس میں روح کا اتصال ربط اور تعلق بدن عنصری کے اہم اجزاء کیساتھ ہوتا ہے جن سے فہم و شعور اور ادراک ہو سکے اور قبر کی راحت و کلفت ادراک ہو سکے اور اس حیات میں بدن عنصری نہ تو خوراک اور لباس وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ظاہری طور پر

حس و حرکت اور جنبش کرتا ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکے اور اسی معنی کو نہ سمجھتے ہوئے معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کو عذاب قبر اور راحتِ قبر کے بارے میں بڑی الجھنیں پیدا ہوئی ہیں مگر حقیقت کو وہ نہیں پا سکے اور اہلِ حق سنت کی پیروی کی بدولت اس بات کو پا گئے ہیں اور ان کے لیے اس میں کوئی دقت باقی نہیں رہی چنانچہ حافظ ابن القیمؒ نے ابنِ حزمؒ کا یہ اعتراض نقل کر کے یہ جواب دیا ہے

قلت ما ذکره ابو محمد فیه حق و باطل اما قوله من ظن ان المیّت یحیا فی قبره فخطأٌ فهذا فیه اجمال ان اراد به الحیاة المعهودة فی الدنیا التی تقوم فیها الروح بالبدن وتدبیره وتصرفه وتحتاج معها الی الطعام والشراب واللباس فهذا خطأٌ کما قال والحسّ والعقل یکذّبه کما یکذبه النص وان اراد به حیاة اُخری غیر هذه الحیوٰة بل تعاد الروح الیه اعادة غیر اعادة المألوفة فی الدنیا یسأل ویمتحن فی قبره فهذا حق ونفیه خطأٌ وقد دل علیه النص الصحیح الصریح وهو قوله صلّی اللّٰه علیه وآله وسلّم فتعاد الروح فی جسده اھ (کتاب الروح ص۵۲)

میں کہتا ہوں کہ ابو محمد بن حزمؒ کے اس قول میں حق بھی ہے اور باطل بھی ان کا یہ کہنا کہ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میّت قبر میں زندہ کی جاتی ہے غلط ہے، اس میں اجمال ہے اگر ابن حزمؒ اس زندگی سے دنیا کی معہود زندگی مراد لیتے ہیں جس میں روح بدن میں قوام اور اس کی تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور اس میں کھانے پینے اور لباس کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی حیات کا قول غلط ہے جیسا کہ ابن حزمؒ کہتے ہیں اور حس و عقل اور نص اس کی تکذیب کرتی ہے اور اگر قبر کی حیات سے اس معہود حیات کے علاوہ کوئی اور حیات مراد ہو جس میں روح بدن کی طرف لوٹائی جائے لیکن یہ اعادہ دنیا کی معہود زندگی کے اعادہ کے علاوہ ہو تاکہ قبر میں اس سے سوال اور امتحان ہو سکے تو ایسی حیات حق ہے اس کی نفی غلط ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث اس پر دال ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اور اس فی الجملہ اور نوع من الحیوٰۃ کی مثال خود حافظ ابن القیمؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

واذا کان النائم روحه فی جسده وهو حی وحیاته غیر حیاة المستیقظ فان النوم شقیق الموت فهکذا المیّت اذا اعیدت روحه الی جسده کانت له حال متوسطة

اور جب سونے والے آدمی کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی زندگی بیدار آدمی کی زندگی سے متفاوت ہوتی ہے کیونکہ نیند موت کی بہن ہے سو اسی طرح جب مردہ کے جسم کی طرف اس کی

بين الحي وبين الميّت الذى لم ترد روحه الى بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحي والميّت فتأمل هذا يزح عنك اشكالات كثيرة الخ (كتاب الروح ص۵۳) ۔

روح لوٹائی جائے گی تو اس کی حالت زندہ اور اُس مُردہ کے درمیان درمیان ہوگی جس کی طرف اس کی روح نہیں لوٹائی گئی جیسے کہ خوابیدہ کی حالت زندہ اور مُردہ کے درمیان درمیان ہوتی ہے تو اگر اس مثال پر غور کریگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ تیرے بہت سے اشکالات اس سے دُور ہو جائیں گے ۔

حافظ ابن القیمؒ کا مسلک :۔ اگرچہ سابق بیان کردہ حوالے ان کے مسلک کو بالکل واضح کرتے ہیں مگر چونکہ مؤلف ندائے حق (دیکھئے ص۱۹۲ وغیرہ) اور ان کے حواریوں کو حافظ ابن القیمؒ کے مسلک کے سمجھنے میں بڑی غلطی ہوئی ہے اور اُلٹا وہ ہمیں کوستے ہیں کہ ہم نے ان کے مسلک کو نہیں سمجھا اس لیے بہت ضروری ہے کہ ہم ان بزرگوں اور دوستوں کے نظریات بھی عرض کردیں اور حافظ ابن القیمؒ کا صحیح مسلک بھی خود انہی کی عبارات میں عرض کردیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جائے۔ ان بزرگوں اور دوستوں کے دعاوی یہ ہیں (۱) حافظ ابن القیمؒ جسد عنصری کے ساتھ روح کے تعلّق کے قائل نہیں ہیں (محصلہ تسکین القلوب ص۸۱)۔ (۲) برزخ میں ارواح شہداء مثالی جسدوں میں نعیم جنّت کا لُطف اٹھاتی رہیں گی اور قیامت کے دن ان کو عنصری جسموں میں داخل کیا جائے گا۔ (اقامۃ البرہان ص۱۱۹)۔ (۳) شہداء کے ارواح کو بعد از فنات اجساد عنصری کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطا ہوں گے۔ (ندائے حق ص۳۲۲) (۴) مؤلف ندائے حق نے (ص۱۷۲ اور ص۱۷۳ میں) سو۱۰۰ بزرگوں کے نام درج کئے ہیں۔ جن میں ایک حافظ ابن القیمؒ بھی ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ۔ سو فیصدی علماء اس امر پر متفق ہیں کہ بعد از مرگ اس جسدِ عنصری کے ساتھ (سوائے تعلق محبت کے) روح کا کچھ تعلق نہیں چہ جائیکہ داخل ہو جائیں بلکہ ارواح کو مثالی جسد عطا ہوتا ہے جس میں قیامِ قیامت تک رہ کر رُوح ثواب و عذاب پاتا رہتا ہے الخ اور ان بزرگوں اور دوستوں کو کتاب الروح کی دو عبارتوں سے مغالطہ ہوا ہے۔ ایک۱ یہ ہے کہ حضرات شہداء کرامؒ نے جب اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پیش کردیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے ان کو تلف کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض میں ان کو برزخ میں، ان سے بہتر جانیں عطا فرمادیں جن میں قیامت تک رہیں گے اور ان ابدان کی وساطت سے ان کو جو نعمت حاصل ہوتی ہے وہ ارواح مجردہ کی نعمت سے زیادہ کامل ہے (کتاب الروح ص۱۲۲ و ندائے حق مترجماً ص۱۹۲) دوسری۲ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہداء کے اکرام و اعزاز کا تتمہ یہ ہے کہ جو بدن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے کرائے اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے ان کو ان

سے بہتر بدن عطا فرمائے جو ان کی روحوں کی سواری ہوں تاکہ وہ پوری طرح جنت کی نعمتوں کا لطف اٹھا سکیں جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی روحیں انہی بدنوں میں لوٹا دی جائیں گی جن میں وہ دار دنیا میں رہتی تھیں (کتاب الروح ص ۱۴۱ اقامۃ البرہان ص ۱۱۶)۔

الجواب:۔ ان بزرگوں اور دوستوں نے نفس مسئلہ پر بھی غور نہیں فرمایا اور حافظ ابن القیمؒ کی عبارت پر بھی غور نہیں فرمایا ورنہ مسئلہ اور حقیقت کی تہ تک پہنچنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا بات یوں ہے کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ حضرات شہداء کرامؓ کی ارواح (فی حواصل طیر خضر وفی روایۃ اجواف) سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں جنت میں جہاں چاہیں سیر و سیاحت کر کے ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی رہتی ہیں لیکن ان پرندوں سے اجساد مثالیہ مراد لینا قطعاً غلط ہے۔ اولاً جو حضرات جسم مثالی کے قائل ہیں وہ اس جسم کو دنیا کے جسم کے مشابہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ۔ برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوگا۔ جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے (یعنی مرد و عورت کالا اور گورا پتلا اور دبلا وغیرہ ہونے میں۔ صفدر) مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے الخ (اشرف الجواب ص ۳۱۲ بحوالہ ندائے حق ص ۱۹۳) جنت کے پرندے کیسے ہی خوبصورت اور کتنے ہی خوشنما اور پیارے ہوں بہرحال انسان کی شکل و صورت کے تو نہیں ہوتے اور نہ انسان ان کے ہم شکل و ہم صورت ہوتا ہے پھر یہ کیوں کر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ پرندے انسانوں کے لیے اجسام مثالیہ ہیں؟ وثانیاً:۔ یہ پرندے ارواح کے لیے سواری ہیں جیسے دنیا میں انسان۔ گدھے۔ گھوڑے اور خچر وغیرہ پر سوار ہوتا ہے۔ یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ گدھا اور گھوڑا، وغیرہ انسان کا جسم مثالی ہے بلکہ وہ اس کے لیے سواری ہے اسی طرح وہ پرندے شہداء کرامؒ کے اعزاز و اکرام کے لیے سواری ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں لوگ ہوائی جہاز کار اور بس وغیرہ کے اندر پیٹ میں) بیٹھکر مزے اور آرام سے سیر و سیاحت کرتا ہے اسی طرح جنت کے ان پرندوں کے پیٹ میں بیٹھ کر ارواح جنت، کی سیر کریں گے اور خود حافظ ابن القیمؒ کی دیگر عبارات میں بھی اور خود اس عبارت میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ۔ تکون مرکبا لارواحهم الخ (کتاب الروح ص ۱۴۱) کہ وہ پرندے شہیدوں کی ارواح کے لیے سواری ہوں اور ظاہر امر ہے کہ سواری کا جانور کسی طرح بھی سوار کا جسد مثالی نہیں ہوتا نہ شرعاً نہ عقلاً اور نہ عرفاً صحیح اور مرفوع روایات سے یہی ثابت ہے کہ شہداء کرامؒ کی ارواح سبز (یا بعض روایتوں میں سفید) رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں سوار ہو کر جنت میں سیر کرتی ہیں اور بعض موقوف آثار میں جو حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ حضرت قتادہؒ حضرت عکرمہؒ۔ حضرت

ابن شہاب زہریؒ اور حضرت ابو العالیہؒ وغیرہ سے مروی ہیں (دیکھئے علی الترتیب شرح الصدور ص۹۹ و ص۱۰۲ و تفسیر ابن جریر ج۲ ص۲۹ و ج ۲ ص۳۹ ۔ و شرح الصدور ص۹۶ و الدر المنثور ج ۱ ص۵۵ ملتقطاً من اقامۃ البرہان ص۱۱۰ و ص۱۱۱ و ص۱۱۲) یہ آتا ہے کہ خود ارواح شہداء کرامؒ ان پرندوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں کسی اثر میں ھی طیر خضر آتا ہے۔ اور کسی میں کطیر خضر اور کسی میں فی صور طیر الخضر صحیح اور مرفوع روایات کے پیش نظر یہ پرندے ارواح کے لیے سواری ہوں یا موقوف آثار کے مطابق یہ خود پرندوں کی شکل اختیار کر لیں کسی صورت میں بھی یہ روح کے لیے اجسام مثالیہ نہیں بنتے کہ روح ان میں داخل ہو کر یا ان سے متصل ہو کر راحت (یا کفار و عصاۃ کے لیے عذاب و سزا) پائے اور یہ پرندے ابدان عنصریہ کے نائب اور خلیفہ بن کر راحت (یا سزا) پائیں حضرات صوفیاء کرام جس کو جسد مثالی کہتے ہیں وہ اور شئے ہے یہ پرندے ہرگز ہرگز نہیں ہیں مؤلف ندائے حق نے (اور اسی طرح مؤلف اقامۃ البرہان وغیرہ نے) اسی مضمون کی روایات اور عبارات پیش کر کے سو بزرگوں کی گنتی پوری کر کے سو فیصدی کنکہ محض اپنی کم فہمی یا کرامت سے ان تمام حضرات کو اجسام مثالیہ کا قائل بنا دیا ہے جو حقیقت سے بالکل دور ہے اور یہ سو فیصدی حضرات جس کے قائل ہیں بحمد اللہ تعالیٰ ہم بھی اس کے قائل ہیں اور سر مو بھی ان کے مخالف نہیں مگر ان حضرات کا ایک حوالہ بھی آپ حضرات کو بال برابر بھی مفید نہیں سچی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ عطا فرمائے وثالثاً یہ سبز (یا سفید) رنگ کے پرندوں کے مضمون کی یہ جملہ روایات و آثار حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کے پیش نظر تھے پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ان روایات و آثار سے اجسام مثالیہ سمجھ کر باطل فرقوں کا جواب نہ دیا اور کیوں جسد عنصری کے ذرات کے پیچھے پڑ گئے کیا باطل فرقوں کے اس سوال کے کہ جب مردہ جلا دیا جائے یا اس کو درندے اور مچھلیاں وغیرہ کھا جائیں تو اس سے سوال نکیرین اور اس کو راحت یا کلفت کیسے ہوتی ہے؟ جواب میں ان حضرات کو یہ کہنا سہل نہ تھا کہ بدن عنصری جل گیا ہے تو کیا مضائقہ ہے بدن مثالی بصورت سبز یا سفید پرندہ تو موجود ہے آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس سہل ترین جواب کو چھوڑ کر مشکل میں پڑ گئے اور امکان بعید کو بھی نہ چھوڑا کہ خواہ بدن عنصری ریزہ ریزہ ہو جائے۔ روح کا کسی نہ کسی درجہ میں اس کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے گو ہمیں اس کا شعور نہ ہو سکے لہذا ان سو فیصدی کا مسلک بھی ان حضرات کو مفید نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ جو حضرات اجسام مثالیہ کے ساتھ روح کا تعلق مانتے ہیں وہ اجسام عنصریہ سے بھی روح کا تعلق تسلیم کرتے ہیں حضرت تھانویؒ کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اور علامہ آلوسیؒ کا آگے آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ورابعاً: یہ کہنا کہ حافظ ابن القیمؒ (اور ان کے استاد محترم حافظ ابن تیمیہؒ جیسا کہ مولف ندائے حق کا بے بنیاد دعوے ہے دیکھئے ص۱۶۴) جسد سے جسد مثالی مراد لیتے ہیں بالکل غلط اور ان پر سراسر

بہتان ہے ہم ان کی چند عبارات عرض کرتے ہیں غور سے ان کو دیکھیں کہ وہ حدیث میں وارد جسد سے کیا مراد لیتے ہیں

(۱) حافظ ابن القیمؒ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت پر کہ جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے (تعاد روحہٗ فی جسدہٖ) حضرت براءؓ بن عازبؓ کی صحیح اور مرفوع حدیث کے علاوہ دیگر مرفوع احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک محدث کبیر الحافظ العالم عبد الرحمٰنؒ بن مندہؒ (المتوفی سنہ ۴۷۰ھ) کی سند سے حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ کی مرفوع طویل روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد جب روح کو جنت میں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہاں وہ خوشیاں دیکھ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کو زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے اسی سے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے پھر دوبارہ نکالونگا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

فوالذی نفس محمد بیدہٖ لھی اشد کراھیۃ للخروج منھا حین کانت تخرج من الجسد وتقول این تذھبون بی الیٰ ذٰلک الجسد الذی کنت فیہ؟ قال فیقولون انا مامورون بھذا فلا بد لک منہ فیھبطون بہٖ علیٰ قدر فراغھم من غسلہ واکفانہ فیدخلون ذٰلک الروح بین جسدہٖ واکفانہ۔ فدل ھذا الحدیث ان الروح تعاد بین الجسد والاکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر وغیر تعلقھا بہ حال النوم وغیر تعلقھا بہ وھی فی مقرھا بل ھو عود خاص للمسئلۃ۔

(کتاب الروح ص۶۱ و ص۲۲۸)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے البتہ وہ روح جنت سے نکلنے کو اس سے بھی زیادہ ناپسند کرتی ہے جس طرح کہ اس نے بدن سے نکلنے کو ناپسند کیا تھا اور وہ روح کہتی ہے مجھے تم کہاں لے جاتے ہو؟ کیا اُس جسم کی طرف جس میں میں تھی؟ آپ نے فرمایا تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں ہمیں اسی کا حکم ہے اور تیرے لیے بھی اس سے کوئی چارہ نہیں ہے سو وہ اس کو اُتار لاتے ہیں اتنے اندازے کے بعد کہ لوگ میت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں پس وہ اس روح کو اس جسم اور اس کے کفن کے درمیان داخل کر دیتے ہیں (اور جب اس کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو حضرت براءؓ کی حدیث کے مطابق یہ روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے) پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ روح جسم اور اکفان کے درمیان لوٹائی جاتی ہے اور یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو روح کا دنیا میں (تصرف و تدبیر کے طور پر) جسم سے تھا یہ عود اور نوع کا ہے اور یہ ایسا تعلق بھی نہیں جو نیند کے حال میں تھا اور یہ ایسا تعلق بھی نہیں جو روح کا اپنے ٹھکانے میں تھا بلکہ یہ لوٹنا خاص طور پر سوال کے لیے ہے۔

اس حدیث اور حافظ ابن القیمؒ کے استدلال سے صاف ظاہر ہے کہ روح کا عود اس جسم کی طرف ہوتا ہے جس میں روح پہلے رہتی رہی اور وہ یقینی طور پر جسم عنصری و مادی ہے نہ کہ جسم مثالی۔

(۲) قبر کے عذاب کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فکل من مات وهو مستحق للعذاب ناله نصیبهٗ منه قبر او لم یقبر فلو اکلته السباع او احرق حتّٰی صار رمادًا او نسف فی الهواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحه وبدنه من العذاب ما یصل الی المقبور۔

(کتاب الروح ص۷۲)

ہر وہ شخص جس کی وفات ہوگئی اور وہ عذاب کا مستحق ہے تو اسکو عذاب کا حصہ ضرور پہنچتا ہے اس کو قبر میں دفن کیا جائے یا نہ دفن کیا جائے پس اگر اس کو درندے کھا گئے یا وہ جلا کر راکھ کر دیا گیا اور وہ راکھ ہوا میں اڑا دی گئی یا سولی پر لٹکا دیا گیا یا دریا میں ڈوب گیا تو ان سب صورتوں میں اس کی روح اور اس کے بدن کو وہ عذاب پہنچے گا جو قبر میں دفن کئے ہوئے کو پہنچتا ہے۔

مبتدی طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ قبر میں جس بدن کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی طرح درندے جس بدن کو کھاتے ہیں اور جس بدن کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے یا سولی پر لٹکایا جاتا ہے یا سمندر میں ڈوب جاتا ہے وہ صرف عنصری اور مادی بدن ہی ہوتا ہے مثالی بدن ہرگز نہیں ہوتا مگر حافظ ابن القیمؒ اس بدن کو بھی سزا بھگتے بغیر نہیں گوارا کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس کو بھی باقاعدہ عذاب ہوتا ہے۔

(۳) احادیث کی روشنی میں ایک شخص کی وصیت کا کہ اس نے مرنے کے بعد اسے جلا کر راکھ کر دینے کی تاکید کی تھی۔ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فلم یفت عذاب البرزخ ونعیمه لهذه الاجزاء التی صارت فی هذه الحال حتّٰی لو علق المیّت علٰی رؤس الاشجار فی مهاب الریاح لاصاب جسدهٗ من عذاب البرزخ حظهٗ ونصیبهٗ ولو دفن الرجل الصالح فی اتون من النار لاصاب جسدهٗ من نعیم البرزخ وروحه نصیبهٗ وحظه فیجعل الله النار علٰی هذا بردًا وسلامًا والهواء علٰی ذلك نارًا وسمومًا اهـ

(کتاب الروح ص۹۰)

عذاب برزخ اور اس کی راحت سے یہ اجزاء بھی نہیں چھوٹ سکے جو اس حالت میں (راکھ) ہوگئے۔ یہانتک کہ اگر کسی میت کو سخت ہوا کے جھونکوں میں درختوں کی چوٹیوں پر بھی لٹکا دیا جائے تو اس کے جسم کو بھی عذاب برزخ کا حصہ اور نصیبہ ضرور پہنچے گا اور اگر کسی نیک آدمی کو آتش کدہ میں دفن کیا جائے تو لامحالہ اس کے جسم اور روح کو بھی برزخ کی راحت کا حصہ اور نصیبہ پہنچیگا پس اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی والی بنا دیں گے اور اس کے لیے ہوا کو آگ اور گرم لو کر دیں گے۔

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جسم سے مراد جسم عنصری اور مادی ہے جس کو راکھ کیا جاتا ہے اور جس کو درختوں پر لٹکایا جاتا ہے اور جس کو لوہاروں کے بھٹہ اور آتش کدہ میں دفن کیا جاتا ہے مگر اس کے لیے بھی عذاب قبر اور راحت سے کوئی مخلص اور مفر نہیں ہے۔

(۴) ایک اور مقام پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

انه غیر ممتنع ان ترد الروح الی المصلوب والغریق والمحرق ونحن لا نشعر بها لان ذلك الرد نوع آخر غیر المعهود فهذا المغمیٰ علیه والمسکوت والمبهوت احیاء وارواحهم معهم ولا نشعر بحیاتهم ومن تفرقت اجزاءهٗ لا یمتنع علی من هو علی کل شیٔ قدیر ان یجعل للروح اتصالاً بتلك الاجزاء علی تباعد ما بینها وقربه ویکون فی تلك الاجزاء شعور بنوع من الالم واللذة اھ

(کتاب الروح ص۸۹)

اس میں کوئی امتناع نہیں کہ سولی پہ لٹکائے ہوئے اور غرق شدہ اور جلائے ہوئے کی طرف روح لوٹائی جائے لیکن ہم اس کا شعور نہیں کر سکتے اس لیے کہ روح کا لوٹایا جانا معہود طریقہ پر (جس کا ہمیں مشاہدہ اور شعور ہو) نہیں ہوتا بلکہ وہ اور نوع ہے مثلاً دیکھو کہ بیہوش آدمی اور سکتے والا اور مبہوت وحیران زندہ ہیں اور ان کی روحیں ان کی ساتھ ہوتی ہیں پر ہم ان کی حیات کو نہیں سمجھ سکتے اور اسی طرح جس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اس ذات پر جو ہر چیز پہ قادر ہے ممتنع نہیں کہ روح کا اتصال ان اجزاء کے ساتھ قائم کر دیں جو دور ہوں یا نزدیک اور ان اجزاء میں دکھ اور لذت کی نوع کا شعور پیدا ہو جائے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول ومفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جس جسم کی بات ہو رہی ہے وہ جسم عنصری اور مادی ہی ہے۔

(۵) روح کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وان لها شاناً غیر شان البدن وانها مع کونها فی الجنة فهی فی السماء وتتصل بفناء القبر وبالبدن فیه وهی اسرع شیٔ حرکة وانتقالاً وصعوداً وهبوطاً اھ

(کتاب الروح ص۱۴۱)

روح کا معاملہ بدن کے معاملہ کے علاوہ ہے اور باوجود اس کے کہ روح جنت میں ہوتی ہے اس کے باوجود وہ آسمان میں بھی ہوتی ہے اور قبر کے کنارے سے بھی متصل ہوتی ہے اور اس بدن سے بھی متصل ہوتی ہے جو قبر میں ہوتا ہے غرضیکہ روح حرکت انتقال چڑھنے اور اترنے میں سب چیزوں سے تیز تر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روح جنت اور آسمان میں ہوتے ہوئے بھی قبر میں بدن کے ساتھ بھی متصل ہوتی ہے یہ نہیں کہ جنت اور آسمان میں ہوتے ہوئے قبر میں بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور اتصال نہ ہو بلکہ اس کا تعلق

بدستور رہتا ہے۔

(۶) فرماتے ہیں کہ روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی پانچ قسمیں ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں۔

الرابع تعلقها به في البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقاً كلياً بحيث لا يبقى لها التفات اليه البتة اھ (کتاب الروح ص۵۲)

چوتھی قسم روح کا بدن سے برزخ میں تعلق ہے روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہو جاتی ہے لیکن وہ کلی طور پر جدا نہیں ہوتی بایں طور کہ روح کا بدن کے ساتھ کوئی ربط اور التفات ہی نہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں روح کا بدن سے تعلق جس درجہ کا بھی ہو ہوتا ضرور ہے اور بالکلیہ انقطاع نہیں ہوتا۔

(۷) امام ابن حزم ظاہریؒ نے اعادۂ روح کی نفی پر یوں استدلال کیا تھا کہ اگر اعادہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے قرآن کریم کے مضمون کی مخالفت لازم آتی ہے جس میں دو دفعہ کی حیات اور دو ہی دفعہ کی موت کا ذکر ہے حافظ ابن القیمؒ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

واما استدلاله بقوله تعالى قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فلا ينفي ثبوت هذه الاعادة العارضة للروح في الجسد كما ان قتيل بني اسرائيل الذي احياه الله بعد قتله ثم اماته لم تكن تلك الحياة العارضة له للمسئلة معتدا بها فانه حي لحظة بحيث قال فلان قتلني ثم خرّ ميتا على ان قوله ثم تعاد روحه في جسده لا يدل على حياة مستقرة وانما يدل على اعادة لها الى البدن وتعلق به والروح لم تزل متعلقة ببدنها وان بلي وتمزّق۔

(کتاب الروح ص۵۲ و ص۵۳)

بہرحال ان کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا تو یہ استدلال روح کے جسم کی طرف عارضی طور پر (سوال وغیرہ کے لیے) اعادہ کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ بنی اسرائیل کے مقتول (عامیل نامی شخص) اس کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور پھر اس کو مار دیا تھا یہ عارضی حیات جو محض سوال کے لیے تھی کوئی معتد بہ نہ تھی کیونکہ وہ ایک لحظہ کے لیے زندہ ہوا اور اس نے یہ کہا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر مردہ ہو کر گر پڑا (اسی طرح سوال نکیرین کے وقت حیاۃ لوٹائی جاتی ہے پھر یہ کیفیت نہیں رہتی) علاوہ اس کے آپؐ کا یہ ارشاد کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے دائمی اور مستقر حیات پر دلالت نہیں کرتا یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے متعلق ہوتی ہے اور روح ہمیشہ بدن سے متعلق رہتی ہے اگرچہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔

یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ روح کا اس بدن سے تعلق رہتا ہے جو عنصری ہے کیونکہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ

تو ہی ہوتا ہے۔ اور یہ تعلق بدستور ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ جسم عنصری ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور ان کی اس عبارت میں پہلے جواب سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ سوالِ نکیرین کے وقت گو عارضی سی مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی اور دوسرے جواب کے الفاظ بھی اس کے مؤید ہیں جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں اور ساتھ ہی تصریح موجود ہے کہ روح کے بدن کی طرف لوٹنے اور روح کے ریزہ ریزہ سے تعلق میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور یہ صرف قیاسی بات ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثم تعاد روحہ فی جسدہ اس پر دال ہے۔

(۷) زنادقہ اور ملاحدہ کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

واما عصرة القبر حتى تختلف بعض اجزاء الموتىٰ فلا يرده حسّ ولا عقل ولا فطرة ولو قدر ان احدًا نبش عن ميت فوجد اضلاعه كما هي لم تختلف لم يمنع ان تكون قد عادت الى حالها بعد العصرة فليس مع الزنادقة والملاحدة الا مجرد تكذيب الرسول (كتاب الروح ص۸۱)

بہرحال قبر کی تنگی بایں طور کہ مُردوں کے بعض اجزاء (مثلاً پسلیاں) آر پار ہو جاتے ہیں تو اس کو نہ تو حِس اور عقل رد کرتی ہے اور نہ فطرت اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی نے میّت کی قبر اکھاڑی اور اس کو مُردہ کی پسلیاں ویسے ہی نظر آئیں جیسے تھیں جو آر پار نہیں ہوئیں تو اس میں کوئی مانع نہیں کہ وہ قبر کی تنگی کے بعد اسی حالت پر لوٹ گئی ہوں جیسے پہلے تھیں الغرض زندیقوں اور ملحدوں کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرتے ہیں۔

پوچھئے حافظ ابن القیمؒ (رئیس الموحدین) سے کہ حضرت آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ آپ زنادقہ اور ملاحدہ کے ساتھ جسم عنصری کے اعضاء کے آر پار ہونے اور حِسّی قبر اور گڑھے کے بارے میں اُلجھ رہے ہیں ان کو قبر اکھاڑنے کے بغیر یوں کیوں نہیں فرما دیتے کہ بھیّا زندیق! قبر تو اس گڑھے کا نام ہی نہیں ہے اور نہ پسلیاں جسم عنصری کی آر پار ہوتی ہیں یہ معاملہ تو غیر محسوس برزخ اور جسد مثالی کا ہے۔ اے بھیّا ملحد! تم نے وہ کب دیکھا ہے جس کے بارے میں خواہ مخواہ ہم سے اُلجھ رہے ہو۔

(۸) حافظ ابن القیمؒ نے برزخ کے بارے میں شاذ اقوال اور ان کے قائلین کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے

وان البدن لا ينعم ولا يعذب فجميع هؤلاء الطوائف ضلال في امر البرزخ اهـ

(ان کا یہ بھی خیال ہے) کہ بدن کو نہ راحت ملتی ہے اور نہ سزا مگر یہ تمام فرقے برزخ کے معاملہ میں گمراہ ہیں۔

(كتاب الروح ص۶۳)

(۹) حافظ ابن القیمؒ نعیم قبر اور عذاب قبر کے بارے بعض فرقوں کا مسلک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

هل النعيم والعذاب يقع على اجزاء الجسد او جزء منه اما عجب او غيره فيخلق الله فيه الالم واللذة اما بواسطة رد الحيوٰة اليه كما قاله بعض ارباب هٰذا القول او بدون رد الحيوٰة كما قاله الآخرون منهم فهؤلآء عندهم لا عذاب فى البرزخ الا على الاجساد ومقابلهم من يقول ان الروح لا تعاد الى الجسد بوجه ولا تتصل به والعذاب والنعيم على الروح فقط والسنة الصريحة المتواترة ترد قول هؤلاء وهؤلآء وتبيّن ان العذاب على الروح والجسد مجتمعين ومنفردين۔

(کتاب الروح ص۱۴۲)

کیا راحت و عذاب تمام اجزاء جسم پر واقع ہوتے ہیں یا اس کی جزو پر؟ دُم گزہ پر یا اس کے علاوہ؟ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس میں الم اور لذت پیدا کر دیتا ہے یا تو زندگی لوٹا کر جیسا کہ اس نظریہ کے بعض ارباب کا قول ہے۔ یا بغیر ردِّ حیات کے جیسا کہ ان میں سے بعض کا قول ہے۔ سو ان کے نزدیک برزخ میں عذاب صرف اجسام پر ہوتا ہے اور ان کے مقابل کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح جسم کی طرف کسی طرح بھی نہیں لوٹائی جاتی اور نہ اس کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اور تکلیف و راحت صرف روح کو ہوتی ہے اور سنت صریحہ متواترہ ان کا قول بھی رد کرتی ہے اور ان کا بھی اور واضح کرتی ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے اجتماعاً بھی اور انفراداً بھی۔

موصوف کی باقی عبارت تو بالکل واضح ہے مگر آخر کا جملہ مجتمعین و منفردین قابل تشریح ہے۔ حافظ ابن القیمؒ اور ان کے شیخ امام ابن تیمیہؒ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر اور برزخ میں راحت و تکلیف روح اور بدن دونوں کے لیے تسلیم کرتے اور اس پر اپنے معلومات کی بناء پر زبردست دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیے ہیں لیکن ان کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر احیاناً روح بدن سے الگ بھی ہو جائے تو اُس حال میں انفرادی طور پر روح کو عذاب ہوتا ہے (اور غالباً ایسی ہی عبارات سے بعض حضرات کو ان کے اقوال سے شبہ ہوا ہے)۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعاً باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب منفصلة عليهما تعذب منفردة عن البدن وتنعم وتعذب

بلکہ عذاب و راحت اہل السنۃ والجماعۃ کے اتفاق سے روح اور بدن دونوں پر وارد ہے روح کو بدن سے الگ بھی سزا اور راحت ہوتی ہے اور بدن کے ساتھ متصل ہو کر بھی اور

بالبدن والبدن متصل بها فیکون النعیم والعذاب علیهما فی هٰذه الحال مجتمعین کما تکون علی الروح منفردة عن البدن۔ (کتاب الروح ص۶۲)

بدن روح کے ساتھ متصل ہوتا ہے تو اس حال میں راحت وعذاب دونوں پر اجتماعی صورت میں ہوتا ہے جیسا کہ یہ کارروائی روح پر بدن سے الگ ہونے کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔

اور خود حافظ ابن القیمؒ باطل اقوال نقل کرنے اور ان کے رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

فلتعلم ان مذهب سلف الامة وائمتها ان المیّت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذٰلك یحصل لروحه وبدنه وان الروح تبقٰی بعد مفارقة البدن منعمة او معذبة وانها تتصل بالبدن احیاناً ویحصل له معها النعیم والعذاب الخ (کتاب الروح ص۶۳ و ص۶۴)

تو جان لے کہ سلف اُمّت اور اس امت کے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ میّت کو راحت اور سزا ہوتی ہے اور یہ اس کے روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے اور روح کو بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی راحت وسزا ہوتی ہے اور روح بدن کے ساتھ بھی احیاناً متصل ہوتی ہے اور اس حالت میں بدن اور روح دونوں کو راحت وسزا ہوتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ علمی طور پر بڑی شخصیتیں ہیں اور ہم ان کا احترام کرتے ہیں لیکن باوجود کمال جستجو اور تفحّص کے ہمیں کوئی ایسی صحیح اور صریح روایت یا کوئی ایسی قابلِ قبول عقلی دلیل نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہو کر قبر میں راحت وتکلیف شروع ہونے کے بعد روح کی بدن یا بدن کے (ریزہ ریزہ) اجزاء سے جدائی اور علیحدگی بھی ہوتی ہے اگر ان حضرات کے نزدیک کسی وقت روح کی بدن سے کلیتہً جدائی کی کوئی دلیل ہے جس کی بنا پر وہ افتراق کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک صرف اس حالت میں روح کو بدن سے الگ تسلیم کر کے بھی سزا وراحت ہو سکے گی ورنہ یہ دونوں بزرگ اہل السنت والجماعت کا اجماع اور ائمہ کرامؒ کا اتفاقی نظریہ یہ بتاتے ہیں کہ عذاب وراحت کے سلسلہ میں بدن اور روح دونوں شریک ہیں اور اس پر وہ احادیث صریحہ اور متواترہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔

(۱۰) یہی حافظ ابن القیمؒ عذاب ونعیم اور سوال قبر پر طویل بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ومعلوم ان هذا کله للجسد بواسطة الروح الخ (کتاب الروح ص۸۰)

یہ ایک معلوم بات ہے کہ یہ ساری کارروائی جسم کے لیے ہے مگر بواسطہ روح۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم ومدلول کے لحاظ سے بالکل واضح اور روشن ہے۔

یہ سب عبارات حافظ ابن القیمؒ کی مشہور اور معتبر کتاب کتاب الروح کی ہیں جو بالفاظہا ہم نے عرض کر دی ہیں

ان کی موجودگی میں یہ دعوے کرنا کہ حافظ ابن القیمؒ قبر میں بدن سے روح کے اتصال اور تعلق کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ بدن اور جسد سے بدن مثالی مراد لیتے ہیں یا یہ کہ شہداء کرامؓ کو سواری کے طور پر جو پرندے مرحمت ہوتے ہیں ان کے نزدیک وہ ابدان مثالیہ ہیں یا یہ کہ وہ عود الروح الی البدن کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ حسیّ قبر اور گڑھے کو قبر کہتے ہی نہیں یا یہ کہ وہ عود الروح الی البدن کی وجہ سے علم وشعور اور الم وراحت کے ادراک کے درجہ میں بھی فی الجملہ حیات کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ جسم عنصری کے ذرّات اور ریزوں سے روح کے تعلق کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ بدن سے روح کے کلیتہً انقطاع کے قائل ہیں یا یہ کہ وہ ارواح کو علیین جنت اور آسمانوں یا سجین ہی میں تسلیم کرتے اور ان کا تعلق ابدان یا ان کے ذرّات سے تسلیم نہیں کرتے یا یہ کہ وہ عذاب وراحت ہمہ وقت صرف روح کے لیے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کی تمام وہ غلط باتیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان واضح اور صریح عبارات کے پیش نظر سراسر باطل ہیں مشہور ہے ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ ابن حزمؒ وغیرہ کے اس نظریہ کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال والسوال للبدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور وقابلھم آخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن وھذا قالہ ابن میسرۃ وابن حزمؒ وکلاھما غلط والاحادیث الصحیحۃ تردہ ولو کان ذٰلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص اھ

(شرح حدیث النزول ص۵۱ وکتاب الروح ص۶۳)

صحیح اور متواتر حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور روح کے بغیر بدن سے سوال کا لوگوں میں صرف ایک طائفہ قائل ہے، لیکن جمہور اس کے منکر ہیں اور ان کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور بدن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ ابن میسرہؒ اور ابن حزمؒ کا قول ہے مگر یہ دونوں قول باطل ہیں اور صحیح حدیثیں ان کو رد کرتی ہیں۔ اور اگر یہ کارروائی صرف روح ہی کو پیش آتی تو روح کے قبر کے ساتھ اختصاص کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ اسی عبارت کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:۔

احادیث متواترہ اند برآنکہ عود می کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ می ماند اگرچہ جسد جاں دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد وسوال بدن بلا روح قول طائفہ است وجمہور انکارش کردہ اند ودیگر دربرابر ایشاں گویند کہ سوال روح را بلا بدن است وایں غلط فاحش است ورنہ قبر را بداں اختصاص

نہ باشد (التنکیت فی شرح اثبات التثبیت صـ۲۳ طبع سـ۱۲۹۲ھ)

اور عذاب اور نعیم قبر پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

بل العذاب والنعیم علیٰ النفس والبدن جمیعًا باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ اھ (شرح حدیث النزول صـ۱۵ وکذا فی کتاب الروح صـ۶۳)

بلکہ عذاب اور راحت و آرام روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے اور تمام اہل السنّت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور عذاب قبر کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

ولھذا اصار بعض الناس الیٰ ان عذاب القبر انما ھو علیٰ الروح فقط کما یقولہ ابن میسرۃ وابن حزم وھذا قول منکر عند عامۃ اھل السنۃ والجماعۃ وصار آخرون یحتجون بالقدرۃ وبخبر الصادق ولا ینظرون الیٰ ما یعلم بالحسّ والمشاھدۃ وقدرۃ اللّٰہ حق وخبر الصادق حق لکن الشان فی فھمہ واذا عرف ان النائم یکون نائمًا وتقعد روحہ وتقوم وتمشی وتذھب وتتکلم وتفعل افعالًا وامورًا باطن بدنہ مع روحہ ویحصل لبدنہ وروحہ بھا نعیم وعذاب مع ان جسدہٗ مضطجع وعینیہ مغمضۃ وفمہ مطبق واعضائہ ساکنۃ وقد یتحرک بدنہ لقوۃ الحرکۃ الداخلۃ وقد یقوم ویمشی ویتکلم ویصیح لقوۃ الامر فی باطنہ کان ھذا مما یعتبر بہ امر المیّت فی قبرہ فان روحہ تقعد وتجلس وتسأل وتنعم وتعذب وتصیح

اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے جیسا کہ ابن میسرہؒ اور ابن حزمؒ کہتے ہیں اور یہ قول اکثر اہل سنت والجماعت کے نزدیک مردود ہے اور دوسرے حضرات اللہ تعالےٰ کی قدرت اور مخبر صادق کی خبر سے احتجاج کرتے ہیں اور حس اور مشاہدہ کی طرف وہ نہیں دیکھتے کیونکہ اللہ تعالےٰ کی قدرت بھی حق ہے اور صادق کی خبر بھی حق ہے لیکن معاملہ اس کے سمجھنے کا ہے اور جب یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ سونے والا خوابیدہ ہوتا ہے اور اس کی روح بیٹھتی اور اٹھتی چلتی اور پھرتی، بولتی اور کئی قسم کے افعال اور معاملات بدن کے اندر ہی کرتی ہے اور اس کے بدن اور روح کو راحت و کلفت حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس کا جسم پڑا رہتا ہے اور اس کی آنکھیں اور منہ بند ہوتا ہے اور اس کے اعضاء ساکن ہوتے ہیں اور کبھی داخلی حرکت کی قوت کی وجہ سے بدن بھی حرکت کرتا ہے اور کبھی اٹھتا اور چلتا ہے اور کبھی بولتا اور آواز کرتا ہے کیونکہ اندر خاصی قوت ہوتی ہے اس سے قبر میں میت کا معاملہ بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اس کی روح اٹھائی اور بیٹھائی جاتی ہے اور اس سے سوال

وذلك متصل ببدنه مع كونه مضطجعًا في قبره اهـ

(شرح حديث النزول ص۸۸)

کیا جاتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے اور وہ آواز کرتی ہے اور روح بدن سے متصل ہوتی ہے حالانکہ بدن قبر میں پڑا رہتا ہے۔

اور نیز حافظ ابن تیمیہؒ اختلاف اضلاع کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

فقد صرح الحديث باعادة الروح الى الجسد وباختلاف اضلاعه وهذا بينٌ في ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين۔

(فتاوی ج۴ ص۲۸۹ ومثله في كتاب الروح ص۶۶)

بلاشبہ اس حدیث میں روح کے جسم کی طرف اعادہ اور پسلیاں آر پار ہونے کی تصریح ہے اور اس میں بالکل روشن دلیل ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے

ان صریح اقتباسات سے یہ معاملہ واضح ہو جاتا ہے کہ قبر میں روح کا جسم کے ساتھ اتصال ربط اور تعلق تو ہوتا ہے لیکن اکثر اوقات جسم بالکل ساکن اور ساکت رہتا ہے اور بایں ہمہ عذاب و آرام بدن اور روح دونوں کو حاصل ہے جیسے سونے والے کا معاملہ ہے کہ بظاہر اس کا جسم اور اعضاء تو ساکن رہتے ہیں لیکن خواب میں اس کی روح جو خوشی اور غمی دیکھتی ہے اس سے بدن کو بھی راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے ہاں زیادہ خوشی اور غمی کی وجہ سے اس کا بدن حسّی طور پر بھی روح کی طرح اس خوشی اور غمی کے آثار سے حسّاً متاثر ہوتا ہے احتلام کی صورت میں لذّت اور خوف و ہراس اور مار پٹائی کی وجہ سے بدن پر تکلیف ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ امام غزالیؒ اور حافظ ابن الہمامؒ وغیرہ کی عبارات سے اس کی مزید تشریح اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقال ابن تيميةؒ الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغوني وحكى عن ابن جرير وانكره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم و آخرون منهم ابن عقيل وابن الجوزي وهو غلط والا لم يكن للقبر بذلك اختصاص انتهى۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سوال کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی حدیثیں متواتر ہیں روح کے بغیر بدن سے سوال ایک طائفہ کا قول ہے جن میں ابن زاغونی بھی ہیں اور ابن جریر (الکرامی) سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سوال بدن کے بغیر صرف روح سے ہوتا ہے ابن حزمؒ ابن عقیلؒ اور ابن الجوزیؒ وغیرہ کچھ اور لوگوں نے ایسا ہی کہا ہے لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے اگر معاملہ صرف روح

(شرح الصدور ص۱۶ طبع مصر) کا ہی ہوتا تو پھر قبر سے اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

مؤلف ندائے حق نے (ص۱۹۰ میں) ابن حزمؒ ابن الجوزیؒ اور ابن عقیلؒ کا یہ حوالہ تو دیا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ غلط کے الفاظ سے آخر تک بالکل ہضم کر گئے ہیں ابن الزاغونی کا نام علی بن عبید اللہ کنیت ابو الحسن اور فقہی نسبت الفقیہ الحنبلی ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وله تصانيف فيها اشياء من بحوث المعتزلة يدعوه بها لكونه نصرها وما هذا من خصائصه بل قلّ من امعن النظر في علم الكلام الا واداه اجتهادهٗ الى القول بما يخالف محض السنة ولهذا ذم علماء السلف النظر في علم الاوائل فان علم الكلام مولد من علم الحكماء الدهرية اھ

(لسان المیزان ج۴ ص۲۴۳)

ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں معتزلہ کی ابحاث سے کئی چیزیں درج ہیں جن کی وجہ سے علماء نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے ان ابحاث میں معتزلہ کی تائید کی ہے اور یہ صرف انہی کی خصوصیات میں سے نہیں بلکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہوں نے علم کلام کی گہرائیوں میں نگاہ دوڑائی ہو اور انکے اجتہاد نے انہیں خالص سنت کی مخالفت تک نہ پہنچایا ہو اسی لیے علماء سلف نے پہلے لوگوں کے علم میں نظر کرنیکی مذمت کی ہے کیونکہ ان کا علم کلام حکماء دھریہ کے علم سے پیدا ہوا ہے۔

اسی ابن زاغونی کا سہارا مؤلف ندائے حق اور اقامۃ البرہان نے (ملاحظہ ہو ص۲۶) لیا ہے فوا اسفا۔

علامہ داؤدؒ بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وان عذاب القبر حق وانه على الروح والجسم الذى فيه الحد

(المنحة الوهبية ص۳ طبع استنبول)

بلاشبہ قبر کا عذاب حق ہے اور یہ عذاب روح اور اس جسم پر ہوتا ہے جس جسم کو لحد اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔

(یعنی جسد عنصری)

اور قاضی محمدؒ بن علی الشوکانیؒ (المتوفی سنہ۱۲۵۰ھ) حیات فی القبور کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر (نیل الاوطار ج۴ ص۹۷)

کہ اس کے بارے میں بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں۔

ایک طرف ان حضرات کی یہ صریح عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مؤلف اقامۃ البرہان کا یہ باطل نظریہ بھی دیکھتے جائیں وہ لکھتے ہیں:۔

باقی انبیاء علیہم السلام شہداء کرام اور مومنین کو برزخ میں جو نعیم و راحت حاصل ہوتی ہے وہ صرف ان کی روحوں کو ہے ابدان عنصریہ اس میں شریک نہیں ہیں انتہٰی بلفظہٖ (اقامۃ البرہان ص۱۹۸) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

امام قاسم بن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفی ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ:-

قال الامام القونویؒ اختلفوا فی انه یخلق فیه حیوٰة مطلقة کحیاته قبل الموت او حیوٰة بقدر ما یحسّ الالم والصحیح هذا اھ (شرح المسایرة للقطلوبغا جلد۲ ص۱۱۶ طبع مصر)

امام قونویؒ فرماتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا مردہ میں حیات مُطلقہ پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھی یا اس قدر حیات اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے دکھ وغیرہ کا احساس کر سکے؟ صحیح بات دوسری ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں مُردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی جیسی حیات موت سے پہلے اس کو دنیا میں حاصل تھی بلکہ اس انداز کی حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب و کلفت کا احساس ہو سکے یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کر سکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں،

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) اپنی بے نظیر تفسیر میں شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ:-

واختلف فی هذه الحیوٰة فذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد ولکنا لا ندرکها فی هذه النشأة اھ (روح المعانی جلد۲ ص۱۷)

اور اس حیات کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے اور بلاشبہ بہت سے سلف صالحینؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حقیقۃً حیات جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دور اور حالت میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

مطلب واضح ہے کہ قبر کی زندگی اگر مطلق اور کامل زندگی ہوتی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا ادراک تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر چونکہ وہ حیات اس معہود حیات سے متفاوت ہے اور ایک گونہ اور نوع من الحیوٰۃ ہے۔ اس لیے ہمارے ادراک سے وہ بالاتر ہے ہاں احیاناً کسی کو اس کا ادراک کرا دیا جائے تو اس کا کون منکر ہے؟ جس طرح قبر کی حیات اہل دنیا کے احساس و ادراک سے بالاتر ہے اسی طرح ان کی راحت و کلفت بھی اہل دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے وہ اگر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھی دیکھیں تو ان کو اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ مفتی بغداد نے پہلے یہ لکھا تھا۔

وعندی ان الحیاة فی البرزخ ثابتة لکل من یموت من شهید وغیره وان الارواح وان کانت جواهر قائمة بانفسها مغایرة لما یحس به من البدن

اور میرے نزدیک حیات فی البرزخ ثابت ہے ہر مرنے والے کے لیے شہید ہو یا غیر شہید اور ارواح اگرچہ جواہر قائم بنفسها ہیں اس محسوس بدن کے علاوہ اور مغایر لیکن ان کے ایک بدن

لكن لا مانع من تعلقها ببدن برزخي مغاير لهذا البدن الكثيف الى ان قال واما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع هدم بنيته وتفرق اجزائه و ذهاب هيئته وان لم يكن ذلك بعيدًا عن قدرة من يبدأ الخلق ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل ولا عظيم منة بل ليس فيه سوى ايقاع ضعفة المؤمنين بالشكوك والاوهام و تكليفهم من غير حاجة بالايمان بما يعدون قائله من سفهة الاحلام۔

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۲۱)

برزخی سے تعلق ہونے سے کوئی مانع نہیں (پھر آگے فرمایا) اور لیکن قول کرنا ساتھ حیات اس جسم رمیم کے باوجود اسکی بنیاد ٹوٹ پھوٹ جانے کے اور اس کے اجزاء کے بکھر جانے کے اور اس کی ہیئت (کذائیہ) کے چلے جانے کے اگرچہ اس اللہ کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی پیدائش کر رہا ہے اور پھر (روزِ محشر میں) اسی کو لوٹائے گا اور انہیں بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کریگا لیکن نہ تو اس قول کیطرف کوئی بڑی حاجت ہے اور نہ اس قول میں کوئی بڑی فضیلت ہے اور نہ (شہداء پر) بڑا احسان بلکہ اس قول میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کمزور ایمان والوں کو شکوک اور اوہام میں ڈال دیں اور بلا ضرورت ان کو تکلیف دیں ایسی چیز کے ماننے کی جس کے قائل کو وہ بے وقوف قرار دیتے ہیں۔

اس عبارت کا یہ ترجمہ بلفظہٖ ہم نے تسکین القلوب ص ۹۵ وص ۹۶ سے نقل کیا ہے اور روح المعانی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مؤلف تسکین القلوب نے راقم کو بلاوجہ خوب کوسا ہے اور لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ناظرین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اس عبارت کو ہضم کر گئے اور یہ مغالطہ دیا کہ صاحب روح بھی مولوی صاحب کا ہم نوا ہے (تسکین القلوب ص ۹۷) بے شک علامہ آلوسیؒ کا پہلے یہی نظریہ تھا لیکن تحقیق کے بعد اس کو ترک کر کے انہوں نے بعد کو جمہور کا ساتھ دیا ہے اور حضرات صوفیہ اور جمہور کے قول میں تطبیق دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وتحقيقه في شرح الشمائل للعلامة ابن حجرؒ ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه وان تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب ولعل هذا الاشراق على الاجزاء الاصلية لانها التي يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على ما اختاره جمع واعلم ايضًا ان الروح على القول بتجردها لا مستقر لها بل لا يقال انها داخل العالم

اس کی تحقیق علامہ ابن حجرؒ کی شرح شمائل میں ہے پھر تو جان لے کہ روح کا بدن کے ساتھ اتصال یوں مختص نہیں کہ کسی ایک جزو کے ساتھ ہو اور دوسری سے نہ ہو بلکہ یہ بدن کے تمام اجزاء کے ساتھ متصل ہے اور اس کا تمام اجزاء پر پرتو پڑتا ہے اگرچہ وہ اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اور ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں ہو اور شاید کہ روح کا یہ پرتو اصلی اجزاء پر ہو کیونکہ یہی وہ اجزاء ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا۔ جیسا کہ ایک بڑی جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے (مولوی عبدالحق حقانیؒ فرماتے

اوخارجه كما سمعت وانما المستقر حينئذ البدن الذى تتعلق به وقد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من ان تتعلق نفس ببدنين فاكثر بل هو واقع عندهم وذكر بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلى والآخر مثالى يظهر للعيان على وجه خرق العادة الخ۔

(روح المعانی ج۱۵ ص۱۶۳)

ہیں۔ انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرّات ہیں کہ جو حضرت آدمؑ کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے ...... پس روح کا تعلق بعد از مرگ انہی اجزاء اصلیہ و ذرات کے ساتھ ہے عقائد اسلام بحوالہ ندائے حق ص۱۹۲

اور نیز تو جان لے کہ اس قول کی بنا پر کہ روح مجرّد ہے اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں بلکہ یوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عالم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے جیسا کہ تو نے سُنا اور پختہ بات ہے کہ روح کا مستقر اس وقت وہ بدن ہے جس سے اس کا تعلق ہے اور بعض حضرات صوفیاء کرامؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ روح دو بدنوں (بدن عنصری و بدن مثالی) اور ان سے زیادہ سے متعلق ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ واقع اور ثابت ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں سے ایک بدن اصلی (عنصری و مادی) ہے اور دوسرا مثالی ہے جو خرقِ عادت کے طور پر مشاہدہ کے لیے بھی ظاہر ہو جاتا ہے

علامہ آلوسیؒ کی اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بدن اصلی (عنصری) کے ساتھ روح کا باقاعدہ تعلق رہتا ہے اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں چلی جائے لہٰذا ان کی پہلی عبارت سے ان کا مختار مذہب یہ ثابت کرنا (جیسا مؤلف تسکین الصدور نے ص۶۷ میں کیا ہے) کہ وہ روح کے بدن مثالی ہی سے تعلق کے قائل ہیں اور بدن عنصری و خاکی سے تعلق کے قائل نہیں ہیں بالکل غلط ہے اگر ان کا پہلا نظریہ یہی تھا تو اس عبارت سے ان کا رجوع الی قول الجمہور ثابت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے پھر آگے اپنی تحقیق یہ لکھی ہے کہ روح اور نفس ایک ہی شئے ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

البحث الثالث اختلف الناس فى الروح والنفس هل هما شيئ واحد ام شيئان؟ فحكى ابن زيد عن اكثر العلماء انهما شيئ واحد فقد صح فى الاخبار اطلاق كل منهما على الآخر ومااخرجه البزار بسند صحيح عن ابى هريرةؓ رفعه ان المؤمن ينزل به الموت ويعاين ما يعاين

تیسری بحث لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ کیا روح اور نفس دونوں ایک شئے ہے یا دو ہیں؟ ابن زیدؒ نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں ایک شئے ہے بلاشبہ حدیثوں میں ایک کا دوسرے پر اطلاق صحیح اور ثابت ہے محدث بزارؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت کی تخریج کی ہے

www.Alehaq.com

يد لو خرجت نفسه والله تعالىٰ يحب لقاءه وان لمومن تصعد روحه الى السماء فتاتيه ارواح المومنين يستخبرونه عن معارفه من اهل الدنيا الحديث اهر في ذلك اه

(روح المعانی ص۱۵۷)

کہ مومن پر جب موت آتی ہے اور معائنہ کرتا ہے ان چیزوں کا جن کا بھی معائنہ کرتا ہے تو وہ اُن کو پسند کرتا ہے کہ اس کا نفس نکلے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور مومن کی روح جب آسمان کی طرف جاتی ہے تو اس کے پاس مومنوں کی ارواح آتی ہیں اور وہ دنیا میں اپنے پہچاننے والوں کے بارے میں اس سے سوال کرتی ہیں الحدیث اس سے بالکل ظاہر ہے کہ نفس اور روح ایک شئی ہے۔

حافظ ابن القیم رحؒ نے فرمایا کہ جمہور کا یہی قول ہے کہ نفس اور روح دونوں ایک ہی شئی ہے (کتاب الروح ص۲۶۴) غرض قبر اور برزخ میں راحت اور تکلیف روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے لیکن دُنیا والے اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی بلند پایہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ويؤمروا بالتعذيب او التنعيم فيراهم المبتلى عيانا وان كان اهل الدنيا لا يرونهم عيانا اه

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص۳۶ طبع مصر)

فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ انکو عذاب یا راحت پہنچائیں۔ مبتلی بہ آنکھوں سے ان فرشتوں کو دیکھتا ہے لیکن اہل دنیا ان کو مشاہدۃً نہیں دیکھ سکتے۔

حیات فی القبور اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ

قبر کی زندگی کے بارے میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کا مسلک بعض حضرات نے غلط سمجھا ہے۔ اور بے جا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اور ان کی ایک مجمل عبارت۔ "ودر قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست الخ" سے غلط مطلب اخذ کیا ہے (ملاحظہ ہو تسکین القلوب ص۹۳ و ندائے حق ص۲۳۶) اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی چند عبارات عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل کھُل کر سامنے آجائے اور علمی و تحقیقی طور پہ کسی قسم کی کوئی اُلجھن باقی نہ رہے غور و فکر کرنا آپ کا کام ہے۔

(۱) روافض نے دیگر منکرین کی طرح عذاب قبر کے بارے ایک اعتراض کیا ہے جس کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں سوال و جواب دونوں ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نیز گویند کہ ما می بینیم شخصی را کہ مُردہ بر زمین افتادہ است صلوب بر جذع مدتے براں جذع ماندہ تا آنکہ اجزاء

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ایک شخص کو زمین پہ مُردہ پڑا ہوا دیکھتے ہیں یا کسی کو کافی مدت تک سُولی پہ لٹکایا ہوا دیکھتے

او ہمہ متلاشی شدہ و ہرگز در وے حیاتے وقیامے و قعودے وتحرکے وکلامے وسوالے وجوابے وچیزے از آثار ایں اُمور دریافتہ نشدہ بلکہ بر سینۂ او چند دانہ خردل پاشیدہ ایم و آں دانہ ہا را بحال خود یافتہ ایم ونیز کافر را بعد از موت تجسّس کردیم و دست رسانیدیم اصلاً اثر احراق در وے نمی بینیم جواب ایں شُبہ از تقریر سابق معلوم شد کہ اللہ تعالیٰ روح آں میّت را بقدریکہ ادراک وتألّم وتلذذ از و حاصل شود ببدنے از ابدان عنصریہ موجودہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق میسازد وایں کار سرانجام میفرماید ومحسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آنہا نمیکند زیراکہ ذوات و اشخاص ملائکہ وجن را بحواس ادراک نمیکنیم چہ جائے حرکات و معہذا واقع است بلا شُبہ عند الملیّین ونیز نائم در خواب خود می بیند کہ با زنے خوش شکل جماع میکند و معانقہ و بوس وکنار ہمہ بعمل مے آرد حتّٰی کہ انزال واحتلام ہم میشود وتلذذ ہم بر میدارد و اثر ایں اُمور دیگراں بر بدن او ادراک نمیکنند ونیز حکماء و فلاسفہ باعانت روحانیاتِ کواکب و حرکات آنہا قائل اند و ہیچکس را محسوس نمی شود چنانچہ از ثابت بن قُرّہ در بابِ ثانی نقل آں گذشت وخدا تعالیٰ قادر است بر آنکہ دانہائے خردل را بہیئت خودش باقی دارد وروح آں میّت را باوصف تعلقے کہ ببدن خود پیدا کردہ منعّم ومعذّب کردہ اند نہایت کار استبعاد است وَهُوَ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ

ہیں یہاں تک کہ اس کے تمام اجزاء بکھر جاتے ہیں اور اس میں زندگی۔ کھڑے ہونے۔ بیٹھنے۔ حرکت کرنے کلام اور سوال کرنے و جواب دینے وغیرہ اُمور میں سے کسی کا ہرگز کوئی نشان نہیں پایا جاتا بلکہ ہم نے اس کے سینے پر رائی کے چند دانے بکھیرے لیکن ان دانوں کو اسی حالت میں ہم نے پایا اور نیز کافر کی موت کے بعد ہم نے اس کے جسم کو ٹٹولا اور ہاتھ اس کے بدن تک پہنچایا لیکن اس میں جلانے کا ہرگز کوئی اثر ہم نے نہیں دیکھا۔ (ان حالات میں عذاب قبر کا کیا مطلب) اس شُبہ کا جواب پہلے بیان سے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس میّت کی روح کو اس انداز سے کہ ادراک اور تکلیف اور لذت اس سے حاصل ہو اور ابدان عنصریہ میں سے موجود بدن کے ساتھ یا مثالی مخترع بدن کے ساتھ متعلق کر دیتا ہے اور اس کام کو سر انجام دیتا ہے اور ان حرکات کا محسوس و مشاہد نہ ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ واقع نہ ہوں کیونکہ فرشتوں اور جنّات کی شخصیتوں کا احساس ہم نہیں کرتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کا احساس ہو لیکن بایں ہمہ تمام ملّتوں میں بلا شُبہ ان کا وجود مسلّم ہے اور نیز خواب دیکھنے والا نیند کی حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ کسی خوبصورت عورت سے جماع کرتا ہے اور اس کو گلے لگاتا ہے اور بوس وکنار وغیرہ سب کام کرتا ہے حتّٰی کہ انزال واحتلام بھی ہوتا ہے اور وہ لذت بھی اٹھاتا ہے لیکن دوسرا اس کے بدن پر ان اُمور کا اثر و ادراک نہیں کرتے اور نیز حکماء اور فلاسفہ ستاروں کی روحانیات کی اعانت اور ان کی

(تحفۂ اثنا عشریہ ص۲۸۴ و ص۲۸۵ طبع لکھنؤ)

حرکات کے قائل ہیں لیکن کسی کو وہ محسوس نہیں ہوتیں جیسا کہ باب دوم میں قرہ بن ثابت سے اس کی نقل گذر چکی ہے اور اللہ تعالےٰ اس پر قادر ہے کہ رائی کے دانوں کو اپنی حالت پہ باقی رکھے اور اس میّت کی روح کا اس کے اپنے بدن کے ساتھ اس انداز سے تعلق پیدا کر دے کہ اس کو راحت و عذاب ہو زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی ایک بعید سی معلوم ہوگی لیکن یہ استبعاد نہ تو بعید سمجھنے والے کو مٹا کرتا ہے اور نہ علمی بھوک دُور کرتا ہے:

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ راحت و عذاب قبر کے سلسلہ میں جو شبہ پیش کیا گیا ہے اس کے جواب میں ایک شق یہ بھی ہے کہ میّت کی روح کا اس کے بدن عنصری کے ساتھ تعلق قائم کیا جاتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر اس کو قبر کی راحت و تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کا احساس نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں اور اس بات کو پھر موصوفؒ نے خواب اور احتلام کی کثیر الوقوع صورت کے ساتھ سمجھانے کی سعی فرمائی ہے ان کی اس صریح عبارت کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے نزدیک روح کا بدن کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت اور خالص مغالطہ ہے جسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) و مقام علیین بالائے ھفت آسمان است و پائین آں متصل سدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل بپایۂ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض دراں جا میرسند و مقربان یعنی ابنیاء و اولیاء دراں مستقر می مانند و عوام و صلحاء را بعد از نویسانیدن و رسیدن نامہائے اعمال برحسب مراتب در آسمان دُنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دہند و تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قُرب و بُعد مکانی مانع ایں دریافت نمیشود

اور علیین کا مقام سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا زیرین حصہ سدرۃ المنتہیٰ سے متصل ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش مجید کے دائیں پائے کے ساتھ متصل ہے اور نیک لوگوں کی ارواح کو قبض کرنے کے بعد وہاں پہنچایا جاتا ہے اور مقربین یعنی حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کا مستقر بھی وہی ہے اور عام صلحاء کو وہاں پہنچانے اور ان کے نامہ اعمال لکھنے کے بعد حسب مراتب آسمان دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان یا زمزم کے کنوئیں میں ٹکاتے ہیں اور ان ارواح کا قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور جو ان کے اقارب اور دوسرے دوست حاضر ہوتے

ومثال آں در وجود انسانی روح بصری است کہ ستارہ ہائے ہفت آسمان را دروں چاہ میتواند دید اھ

(تفسیر عزیزی پارۂ عم بتساءلون ص۱۲۵ طبع حیدری بمبئی)

ہیں اُن کی آمد سے وہ مطلع اوران سے مانوس ہوتے ہیں کیونکہ روح کیلئے قُرب اور بُعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہے، اور اس کی مثال وجود انسانی میں روح بصری ہے کہ (رصدگاہ کے) کنوئیں میں ساتوں آسمانوں کے ستارے دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ارواح کا ٹھکانا کہیں بھی ہو مگر ان کا قبور کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور روح کے قُرب بُعد سے اس پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) مُردوں کو قبر میں دفن کرنے کی تائید اور جلانے کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ونیز در سوختن باتش تفریق اجزائے بدن است کہ بسبب آں علاقۂ روح از بدن انقطاع کلی مے پذیرد و آثار ایں عالم باں روح کمتر میرسد و کیفیات آں روح بایں عالم کمتر سرایت میکند و در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا میباشند علاقۂ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال میماند و توجہ روح بزائرین و مستأنسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہا و تلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع میشود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن الخ

(تفسیر پارہ عم ص۹۱ و ص۹۲ طبع مذکور)

اور نیز آگ میں جلانے سے بدن کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے روح کا تعلق بدن سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا ہے اور اس جہان کے آثار اس روح تک بہت کم پہنچتے ہیں اور اس روح کی کیفیات اس جہان تک کم سرایت کرتی ہیں اور دفن کرنے میں چونکہ بدن کے اجزاء بتمامہا یکجا ہوتے ہیں اس لیے روح کا بدن کے ساتھ تعلق از راہ نظر و عنایت اپنے حال پر رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور اُنس حاصل کرنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف آسانی سے ہوتی ہے کہ چونکہ بدن کا مکان متعین ہے اس لیے گویا روح کا مکان بھی متعین ہے اور اس جہان کے آثار مثلاً صدقات اور دعائیں اور تلاوت قرآن کریم جب اُس خطہ میں ہوگی جہاں بدن مدفون ہے تو سہولت سے نافع ہوگی پس جلانے میں گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور دفن کرنے میں گویا رُوح کے لیے جگہ اور مسکن بنانا ہے

اس سے بھی یہ بات آشکارا ہو گئی کہ جب تک بدن باقی رہتا ہے روح کا بدن عنصری کے ساتھ تعلق اور ربط بھی باقی رہتا ہے۔ اور جلانے کی صورت میں چونکہ بدن کے اجزاء بالکل متفرق ہو جاتے ہیں اس لیے روح کا تعلق بھی اس بدن سے کلیۃً منقطع ہو جاتا ہے اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح کا اصل ٹھکانہ جہاں بھی ہو مگر قبر میں

بدن بھی اس کے لیے ایک مکان کی حیثیت رکھتا ہے گویا روح اپنے اس تعلق کی وجہ سے مکین ہے اور بدن اس کے لیے مکان ہے اور مردہ کو جلانے کی صورت میں گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدان مبارکہ کا اصلی صورت میں موجود ہونا نصّ حدیث سے ثابت ہے اور بعض شہداء اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کی ارواح مبارکہ کا تعلق ان کے اجسام عنصریہ سے نہ ہو کیونکہ :- ؎

دل ہو اور اس میں درد محبت کہیں نہ ہو
غیرت کا ہے محل کہ مکاں ہو مکیں نہ ہو

(۴) ایک مقام پر طویل بحث کے ضمن میں یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ :-

زیراکہ ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ میباشد زیراکہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند۔
(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۲۳ طبع مجتبائی دہلی)

اس لیے کہ ارواح کا اپنے ابدان کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق ہوتا ہے کیونکہ مدت دراز تک وہ ارواح ان ابدان میں رہ چکی ہیں۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے واضح ہے کہ ابدان کے ساتھ قبور میں ان کی ارواح کا تعلق ایک یقینی امر ہے اور ظاہر امر ہے کہ موت سے پہلے جن اجسام کے ساتھ ارواح کا تعلق تھا وہ تو اجسام عنصریہ ہی تھے نہ کہ مثالیہ اور اختراعیہ اور انہی اجسام کو قبور میں دفن کیا جاتا ہے اور انہی کے ساتھ ارواح کا تعلق بھی البتہ یقینی بات ہے

(۵) توسّل اور شفاعت باہل القبور کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

وبالجملہ بعد ازاں کہ ثابت شد کہ روح باقی است وادرا تعلقے خاص باجزاء بدن بعد مفارقت ازوی وتغیّر کیفیت ری نیز باقیست کہ بداں علم وشعور بزائران قبر واحوال ایشاں دارد وارواح کُمّل کہ در حین حیات ایشاں بسبب قرب مکانت ومنزلت از رب عزت کرامات وتصرفات وامداد داشتند بعد از ممات چوں ہماں قرب باقی اند نیز تصرفات دارند چنانچہ در حین تعلق کلی بجسد داشتند یا بیشتر ازاں انکار استمداد راوجہی صحیح نمی نماید مگر آنکہ از اول منکر

اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح باقی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق اجزاء بدن کے ساتھ اس سے مفارقت اور تغیّر کیفیت کے بعد بھی باقی ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے اس میں علم و شعور پیدا ہوتا ہے جس سے قبر کی زیارت کرنے والوں اور ان کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے اور کامل لوگوں کی ارواح جن کو اللہ تعالےٰ کے ہاں زندگی میں تقرّب و منزلت حاصل تھی اور کرامات وتصرفات و امداد کرتے تھے انکو بعد از وفات بھی یہ تقرب حاصل ہوتا ہے اور تصرفات کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اس وقت کرتے تھے جبکہ ان کے ابدان کے ساتھ ارواح کا کلی تعلق تھا یا اس سے بھی بڑھکر

شوند ای تعلق روح را ببدن بالکلیہ وجمیع وجوہ بعد مفارقت وزوال علاقۂ حیاتے وآں خلاف منصوص است وبرایں تقدیر زیارت ورفتن بقبور ہمہ لغو وبے معنی گردد وآں امرے دیگر است کہ عامۂ اخبار وآثار دال برخلاف آنست ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود از جناب عزّت الٰہی بتوسل روحانیہ بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردۂ اورا برآوردہ گرداں حاجت مرا یاندا کند آں بندۂ مقرب ومکرم راکہ اے بندۂ خدا وولی وے شفاعت کن مرا وبخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ وقادر ومعطی ومسئول پروردگار است تعالیٰ شانہٗ ودروے ہیچ شائبۂ شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ وآں چناں است کہ توسل وطلب دعا از صالحان ودوستان خدا در حالت حیات کنند وآں جائز است باتفاق پس آں چرا جائز نباشد فرقے نیست در ارواح کاملان درحین حیات وبعد از ممات مگر بترقی کمال اھ (فتاوی عزیزی ج ۲ ص۱۰۸ طبع مجتبائی دہلی)

امداد حاصل کرنے کا انکار کرنے کی کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ پہلی بات سے انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ نہیں اور بدن سے مفارقت کے بعد تمام وجوہ سے زندگی کا تعلق زائل ہو چکا ہے اور یہ منصوص کے خلاف ہے اور اس تقدیر پر قبور کی زیارت اور وہاں جانا سب لغو بے معنیٰ ہو جائے گا اور یہ ایک دوسری بات ہے کہ عام اخبار اور آثار اس کے خلاف ہیں اور مدد طلب کرنے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اُس روحانی توسل کے ذریعہ کہ مقبول بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور یوں کہے کہ اے پروردگار اس بندہ کی برکت سے جس پر تو نے رحمت و نوازش فرمائی ہے میری حاجت پوری کر یا یوں کہے کہ اے بندۂ خدا اور اللہ تعالیٰ کے ولی میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کر کہ وہ میری حاجت کو پورا کر دے پس بندہ اس صورت میں صرف وسیلہ ہے اور قادر اور دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے صرف پروردگار ہے جلّ شانہٗ اور اس صورت میں شرک کا کوئی شائبہ موجود نہیں ہے جیسا کہ منکر کو وہم ہوا ہے اور اس قسم کا توسل اور طلبِ دعا صالحین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے زندگی میں بالاتفاق جائز ہے پس بعد از وفات کیوں جائز نہیں؟ کیونکہ کامل لوگوں کی ارواح میں زندگی اور بعد از وفات بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ مرنے کے بعد ارواح کو ترقی ہوتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا وہ کُلی تعلق جو جسم کے ساتھ دُنیا میں تھا یا قیامت کے دن ہوگا) اگرچہ موت کے بعد وہ تو باقی نہیں رہا مگر روح کا بدن سے بلکہ بدن کے اجزا سے ایک ایسا تعلق بدستور باقی رہتا ہے

جس سے علم و شعور وغیرہ حاصل ہوتا ہے اور برعکس اس کے اگر یہ دعوے کیا جائے کہ روح کا بدن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تو یہ دعوے خلافِ منصوص ہے اور ایک اور مقام پہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن اوشبہ نیست (فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص۸۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اموات کے ادراک و شعور کا انکار کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ :۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی کتابوں میں ایسے الفاظ اور عبارتیں بھی ملتی ہیں جن سے نظر بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد روح کا بدن سے تعلق نہیں رہتا اور عذاب و راحت روح کو حاصل ہے چنانچہ ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد (تفسیر عزیزی پارہ تبارک ص۱۳۳ طبع لاہور)

سزا روح کو دی جاتی ہے نہ کہ بدن کو تاکہ بدن کا باقی رہنا سزا دینے کے لیے شرط ہو۔

اور ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

ارواح را بعد موت فنا نیست بلکہ انقطاع تعلق بہ بدن است الخ (فتاوٰی عزیزی ج ۲ ص۱۰۵)

اور ارواح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ بدن سے انقطاع تعلق ہوتا ہے۔

اور ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

بلکہ تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودہ اند پس حمل حیات قبر بر مجازیت متعین است لاغیر۔ (تفسیر عزیزی ص۱۶۹ برحاشیہ قرآن کریم وتسکین القلوب ص۹۳)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حیات کا معنی روح کا بدن سے تعلق ہے اور قبر میں اصلاً روح کا بدن سے یہ تعلق نہیں بلکہ شعور و ادراک بدن سے مفارقت کے بعد بھی روح میں باقی رہتا ہے اور اسی کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں پس قبر کی حیات کو مجاز پہ حمل کرنا متعین ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

الجواب :۔ زیادہ قرینِ قیاس یہی بات ہے کہ ہم ان عبارات کو خود موصوفؒ کی اپنی عبارات کی روشنی میں حل کریں نہ یہ کہ ان میں رنگ و معنی اپنی طرف سے بھریں یہ بات تو ان کی سابق واضح عبارات میں گذر چکی ہے کہ آپ ارواح کا تعلق اجسام عنصریہ سے مانتے ہیں بلکہ اجزاء بدن کے بکھر جانے اور متفرق ہونے کے بعد بھی وہ روح کا جسم سے تعلق مانتے ہیں اور اسی ایک گونہ تعلق کی وجہ سے وہ عند القبور سفارش کے بھی قائل ہیں اور یہ سارا قصہ اس بدن

کا تسلیم کرتے ہیں جس بدن میں دنیا کے اندر روح رہ چکی ہے اور جو بدن قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور اس بدن سے تعلق کے نہ ماننے کو خلاف منصوص فرماتے ہیں اس پوری بحث کو ملحوظ رکھنے کے بعد ان کی ان بالا (اور اسی مضمون کی دیگر) عبارات کے دو جواب ہیں۔ اول یہ کہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق تین قسم کا ہے نباتی۔ نفسانی اور حیوانی نباتی کا یہ مطلب ہے کہ بدن اس تعلق سے بڑھتا ہے (اَنْبَتَهَا نَبَاتًا قرآن کریم کے الفاظ ہیں) اور اس تعلق کی وجہ سے بدن محتاجِ خوراک ہو اور حس و حرکت اس میں محسوس ہو اور یہ تعلق دنیا کی حقیقی حیات میں ہوتا ہے (یا قیامت کو ہوگا) بایں طور کہ روح بدن میں علیٰ وجہ الکمال والتمام داخل ہو کر بدن میں تصرف کرے کہ اس کی حرکات حس و مشاہدہ میں آسکیں اور بدن کی تدبیر کرے جس سے بدن جسمانی خوراک کا محتاج ہو اور اس خوراک کے بعد بدن میں نشو و نما ہو جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا قبر میں اس قسم کا تعلق روح کا جسم سے نہیں ہوتا بلکہ وہاں تو فی الجملہ تعلق ہوتا ہے جس سے ادراک و شعور پیدا ہو اور جس سے راحت و الم محسوس ہو سکے اور اس تعلق کے لیے بدن کا صحیح و سلامت رہنا بھی کوئی شرط نہیں وہاں اگر کوئی بدن محفوظ ہو تو اس کا انکار بھی جہالت ہے۔ بلکہ بدن کے اجزاء پریشان اور ذرات سے بھی یہ تعلق قائم ہوتا ہے ہاں مگر روح کا بدن سے دنیوی خوراک حاصل کرنے اور نشو و نما کے سلسلہ میں اصلاً اور بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا باقی ادراک و شعور والا تعلق بدستور ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ منکرین عذاب قبر کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

جوابش آنکہ در قبر احیاء و اماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا میشود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمی باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہہ است بہ تعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلہ تعذیب و تنعیم میتواند شد

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں (بلکہ) بدن پہ روح کی شعاعوں کے عکس اور پرتو پڑنے کے سبب سے روح کا بدن کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ حاجتِ خوراک اور بدن کی نشو و نما اس کے ساتھ نہیں ہوتی تاکہ (حقیقی) حیات کا معنی متحقق ہو بلکہ یہ تعلق اس تعلق کے مشابہ ہے جو تعلق عاشق کو معشوق سے یا مالک کو غلام سے یا صاحبِ خانہ کو گھر سے ہوتا ہے کہ یہ چیزیں عذاب و راحت پہنچانے کا آلہ ہیں۔

مطلب واضح ہے کہ قبر میں جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ حقیقی اور کامل حیات نہیں جس میں روح کا بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ خوراک (حسی) کی ضرورت ہو اور بدن میں نشو و نما پیدا ہو بلکہ یہ تعلق صرف اس ڈھنگ کا ہے

کہ جس میں بدن روح کے لیے راحت و تکلیف کا آلہ بنے جیسے معشوق کی تکلیف سے عاشق کو اور مملوک کی اذیت سے ک کو یا مثلاً گھر کے جل جانے کی وجہ سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوتی ہے یہی حال روح و بدن کا ہے کہ اصل راحت و کلفت جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ تو روح کو ہے لیکن اس میں اس کا آلہ بدن ہے اور پھر آگے اسی بحث میں لکھتے ہیں۔

و اما عقلی پس گویند کہ سوال و جواب و تکلم و لذت والم و ادراک ہمہ موقوف بر حیات است و حیات با فساد بنیہ و بطلان مزاج ممکن نیست پس ایں امور میت را ممکن نیست جوابش آنست کہ میت بایں معنیٰ بدن است نہ روح و فساد بنیہ و بطلان مزاج بر بدن واقع شدہ است نہ بر روح آرے روح را برائے تالّم و تلذذ جسمانی و اعمال حواس تعلقے ببدن خودش یا ببدن دیگر مثالی درکار تعلق تدبیر و تصرف و تغذیہ و تنمیہ نخواہند داد و حاصل آنکہ چوں روح از بدن جدا شد قوائے نباتی از وجدا میشوند نہ قوائے نفسانی و حیوانی و اگر وجود قوای نفسانی و حیوانی فیضاناً یا بقاءً مشروط باشد با وجود قوای نباتی و مزاج لازم آید کہ ملائکہ را شعور و ادراک حسّی و حرکت و غضب و دفع منافر نباشد پس حال ارواح در عالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکلے و بدنے کار میکنند و مصدر افعال حیوانی و نفسانی میگردند بے آنکہ نفس نباتی ہمراہ داشتہ باشند اھ

(تحفۂ اثنا عشریہ صـ ۲۸۴)

اور بہر حال عقلی طور پر وہ یوں اعتراض کرتے ہیں کہ سوال و جواب بولنا اور لذت اور دکھ اور ادراک وغیرہ تمام امور حیات پر موقوف ہیں اور حیات بدن کے فاسد ہو جانے اور مزاج کے باطل ہو جانے کے بعد ممکن نہیں ہے پس یہ امور میت کے لیے کیسے ممکن ہو سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میت اس معنی میں بدن ہے نہ کہ روح اور بدن کا فساد اور مزاج کا بطلان سب کچھ بدن پر واقع ہوتا ہے نہ کہ روح پر ہاں روح کا جسمانی دکھ اور لذت اٹھانے اور حواس کے اعمال کے لیے اپنے بدن کے ساتھ یا بدن مثالی کے ساتھ ایک تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق اس تعلق کے علاوہ ہے جس سے بدن کی تدبیر اور تصرف اور خوراک رسائی اور نشوونما ہو اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بدن سے روح الگ ہو جاتی ہے تو نباتی (بڑھنے اور نشوونما والی) قوتیں اس سے جدا ہو جاتی ہیں نفسانی اور زندگی کی قوتیں اس سے جدا نہیں ہوتیں اور اگر نباتی قوتیں فیضان و بقا میں نفسانی اور حیوانی قوتوں کے لیے شرط ہوں تو لازم آئے گا کہ فرشتوں کو شعور و ادراک حس و حرکت اور غصہ اور نفرتوں کو دور کرنے کا شعور نہ ہو سو روح کا عالم قبر میں وہی حال ہے جو فرشتوں کا ہے کہ کسی شکل اور بدن کے واسطہ سے کام کرتے ہیں اور ان حیوانی اور نفسانی افعال کے لیے صادر ہونے کی جگہ ہیں بغیر اسکے کہ نباتی نفس اپنے ساتھ رکھتے ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ جسم سے روح کے جس تعلق کی نفی فرما رہے ہیں وہ تعلق نباتی ہے۔ نفسانی اور حیوانی کی نفی نہیں فرما رہے۔

دوم: حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب تک بدن مادی اور عنصری موجود ہو تو اس وقت تک روح کا تعلق اسی سے قائم رہتا ہے لیکن جب بدن عنصری ہی قائم نہ رہے (مثلاً یہ کہ اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو) تو اس صورت میں سزا و راحت روح کو ہوتی ہے اور اس خاص صورت میں روح کا بدن مثالی سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور اس صورت میں چونکہ مادی اور عنصری بدن ہی باقی نہیں رہا اس لیے روح کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور غالباً یہ ان اقوام کے بارے میں ہو سکتا ہے جن کو درندے وغیرہ کھا لیں یا جن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے مگر اس راکھ کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسان بنا کر اس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں تصریح ہے اور وہ اس کتاب کے ص۱۰۴ میں مذکور ہے) بخلاف ان اقوام کے جو مردوں کو دفن کرتی ہیں وہاں اور نہ سہی تو آدمی کی ریڑھ کی ہڈی کا نچلا حصہ جس کو حدیث میں عجب الذنب (دُم گزہ) سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تو بہر حال قائم ہی رہتا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ بدن کے اجزاء کے تفرق کے بعد بھی روح کا تعلق ان سے مانتے ہیں۔ کما مر۔ چنانچہ وہ تصریح فرماتے ہیں کہ:

و ایں ہم در صورتے است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون و الا عذاب و نعمت روح را است کہ نفس مجرد است و بدن حقیقی او روح ہوائی است و روح را تعلیق میکنند ببدنے دیگر از عالم مثال یا مرکب از اجزاء جمادات بہیئتے و شکلے کہ بیننده را امتیاز درمیان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نہ شود و ایں از باب تناسخ نیست زیرا کہ حقیقت تناسخ انتقال روح است از تدبیر بدنے بتدبیر بدنے دیگر بطریق تغذیہ و تنمیہ و ایں تعلیق محض است بنا بر ایلام و تلذیذ اھ

(تحفہ اثنا عشریہ ص۳۸۲)

اور یہ (تعلق روح کا بدن سے) بھی اس صورت میں ہے کہ بدن قائم ہو اور مدفون اور اگر ایسا نہیں تو عذاب و نعمت روح ہی کو ہے کیونکہ وہ نفس مجرد ہے اور اس کا حقیقی بدن ہوائی روح ہے اور روح کا عالم مثال کے ایک اور بدن سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جو اجزاء جمادات سے اس صورت و شکل سے مرکب ہے کہ دیکھنے والے کو اس بدن اور اس دنیوی بدن میں امتیاز حاصل نہیں ہوتا اور یہ تناسخ کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک بدن کی تدبیر سے دوسرے بدن کی تدبیر کی طرف انتقال کرے لیکن بطور خوراک دینے اور نشو و نما کے اور یہ تعلق تو محض تکلیف اور لذت پہنچانے کے لیے ہے (نہ کہ تدبیر کیلئے تو تناسخ کیسے؟)

اس عبارت کے پیشِ نظر مطلب یہ ہوگا کہ جبتک مادی و عنصری بدن قائم ہے روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتی حیثیت سے اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدنِ مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے تو جہاں حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ روح کا بدن سے سرے سے اصلاً کوئی تعلق نہیں اور روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کر دیا جاتا ہے تو یہ اس صورت سے مختص ہے جس میں بدن اصلی اور عنصری باقی نہ رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق الدهلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات علماء نے

واختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن حیات است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد و مارا بدریافتِ کنہ حقیقت آں رہ نباشد وحق آنست کہ باحیاء است چنانکہ ظاہر احادیث دال است براں اھ

(اشعۃ اللمعات باب اثبات عذاب القبر ج ۱ ص ۱۲۰ طبع نولکشور لکھنؤ)

اس میں اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر مُردہ کو زندہ کر کے دیا جاتا ہے یا روح کو اسکے مقابل رکھ کر (اس کی شعاعوں سے) اس میں حیات پیدا کر کے یا کسی اور نوع سے جس کو پروردگار ہی جانتا ہے؟ اور ہمارے لیے اس کی حقیقت کی تہ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ زندہ کر کے اسے عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہ احادیث کا ظاہر اس پر دال ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے سوال ہوا۔

وسئل عن الروح هل تلبس حینئذ الجثة كما کانت فاجاب نعم لکن ظاهر الخبر انها تحل فی نصفه الاعلی انتہٰی

(شرح الصدور ص ۶۰ طبع مصر)

کہ (عذاب و راحت کے وقت) روح کا جسم سے کوئی تعلق ہوتا ہے جیسا کہ (زندگی میں) تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں تعلق ہوتا ہے لیکن ظاہر حدیث اس کو چاہتی ہے کہ روح نصفِ اعلیٰ میں داخل ہوتی ہے (کیونکہ دل اور دماغ وغیرہ جو محل علم و شعور اور فہم خطاب ہیں اسی نصف اعلیٰ میں ہوتے ہیں اس پر حضرت ملا علی ن القاریؒ کی گرفت بھی اسی کتاب میں مذکور ہے۔

الغرض حضرت براءؓ بن عازبؓ کی مذکور حدیث میں عود الروح الی البدن کے ساتھ قبر میں جو حیات ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے لیکن دنیوی زندگی کی طرح محسوس حیات نہیں بلکہ نوع من الحیواۃ ہے اور ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے قرآن کریم کی کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی اور نہ یہ حیات کسی دیگر عقلی اور نقلی دلیل کے خلاف ہے یہ علامہ ابن حزم اور ابن میسرہؒ وغیرہ کی کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس کو نصوص قرآنیہ کے خلاف سمجھتے ہیں اور

یہ مخالفت محض ان کے اذہان تک محدود ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

ع یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہاں۔

ہاں بعض حضرات کا یہ نظریہ بھی ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر بلاتکلیف نکال لی جاتی ہے لیکن معہذا میّت میں ایسا ادراک وشعور باقی رہتا ہے کہ جب بھی کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو (اس کے سلام وکلام کے لب ولہجہ سے) پہچان لیتی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

المنكر والنكير يأتيان الميّت فيرسل في ذٰلك الميّت الروح ثم يقعد فاذا سُئل رُسلت روحه بلا الم ونؤمن بان الميّت يعرف من يزوره اذا اتاه وآكده يوم الجمعة بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس۔

(تحریرات حدیث ص۲۵۷)

منکر ونکیر میّت کے پاس آتے ہیں تو اس میّت میں روح ڈالدی جاتی ہے پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے جب اس سے سوال ہوچکتا ہے تو اس کی روح بلاتکلیف کے نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب میّت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے خصوصاً جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل اور مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کرچکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی طرح قبر کی راحت وعذاب کے سلسلہ میں جمہور فقہاءؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک روح کا بدنِ مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرّہ ذرّہ ہوکر بکھر جائیں اور بقول علامہ آلوسیؒ ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں چلی جائے اور روح کا بدن سے یہ اتصال علم۔ ادراک اور شعور تک ہی محدود رہتا ہے جسم میں تدبیر اور جسم کے نشوونما سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا اور سابق پیش کردہ حوالے اس کا واضح اور بیّن ثبوت ہے۔ بشرطیکہ کوئی حکم ربانی کی اتباع کرنا چاہے۔ ؎

بقائے دائمی کا لطف ہوتا ہے اُسے حاصل
ضروری جس نے سمجھا اتّباعِ حکمِ ربانی

بابِ سوم

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور یہ روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے اور سو فیصدی حضرات محدثین کرامؒ اس کو صحیح کہتے ہیں اور عذابِ قبر اور راحتِ قبر اور نکرین کے سوال کے سلسلہ میں اس روایت کو اہل السنت والجماعت کے استدلال کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور مبتدعین کے خانہ ساز عقائد کے قلع قمع کے لیے اس کو حجت قاطعہ سمجھتے ہیں۔ ضرورت تو نہیں کہ اس حدیث کے بعد کسی اور حدیث کا تذکرہ کیا جائے۔ مگر ہم محض تکمیلِ بحث کے لیے اس حدیث کے تین شاہد عرض کرتے ہیں جن کو امام قرطبیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ نے حضرت براءؓ کی مذکور حدیث کی تائید و تقویت کے لیے پیش کیا ہے۔

شاہد اوّل

حافظ ابن القیمؒ، امام ابوعبداللہ عبدالرحمٰن ابن مندہؒ (المتوفی ۳۹۵ھ) جو المحدث۔ الحافظ اور العالم تھے کے حوالے سے سند کے ساتھ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:۔

ثم یقول لهٰذه النفس الطیبة ادخلوها الجنة وأروها مقعدها من الجنة واعرضوا علیها ما اعددت لها من الکرامة والنعیم ثم اذهبوا بها الی الارض فانی قضیت انی منها خلقتهم وفیها اعیدهم ومنها اخرجهم

پھر اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ روح کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دو اور اس کا وہ ٹھکانا جو جنت میں ہے اس کو دکھا دو اور اس پر عزّت اور خوشی کی وہ چیزیں پیش کرو جو میں نے اس کے لیے تیار کی ہیں پھر اس کو زمین کی طرف لیجاؤ کیونکہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں نے

تارۃ اُخری فوالذی نفس محمد بیدہ لھی اشد کراھیہ للخروج منھا حین کانت تخرج من الجسد وتقول این تذھبون بی الی ذالک الجسد الذی کنت فیہ ؟ قال فیقولون انا مأمورون بھذا فلا بد لک منہ فیھبطون بہ علیٰ قدر فراغھم من غسلہٖ واکفانہٖ فیدخلون ذٰلک الروح بین جسدہ واکفانہٖ ۔ فدل ھذا الحدیث ان الروح تعاد بین الجسد والاکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر اھ

(کتاب الروح ص٦١ و ص٦٢)

جس طرح انکو زمین سے پیدا کیا ہے" اسی طرح ان کو زمین کیطرف لوٹاؤنگا اور اسی سے انکو نکالوں گا سو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم) کی جان ہے البتہ وہ روح وہاں سے نکلنے کو اتنا ہی ناپسند کرتی ہے جتنا اس نے جسم سے نکلنے کو ناپسند کیا تھا اور وہ روح کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو؟ کیا اس جسم کی طرف لیجاتے ہو جس میں میں تھی؟ آپ نے فرمایا کہ وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یہی حکم ملا ہے اور تیرے لیے اس سے کوئی چارہ نہیں، پس اس کو نیچے اُتار لاتے ہیں اس اثناء میں لوگ میّت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو چکتے ہیں پس وہ فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روح جسم اور کفن کے اندر لوٹا دی جاتی ہے لیکن یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو روح کا جسم سے دنیا میں تھا بلکہ یہ ایک اور نوع کا تعلق ہے"

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی یہ روایت بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے لیکن بقول حافظ ابن القیمؒ یہ اعادہ اور تعلق اس طرح کا نہیں جس طرح کہ دنیا میں تھا بلکہ اس کی نوعیّت جدا ہے اور اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ جسد سے جسد مثالی مُراد نہیں بلکہ وہ جسد مراد ہے جس میں دُنیا میں روح تھی اور وہ یقیناً جسم عنصری اور مادی ہے مثالی ہرگز نہیں اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میّت کے غسل اور کفن پہنانے کے وقت تک روح اس کے کفن اور جسم کے درمیان تک لوٹا دی جاتی ہے اور حضرت براءؓ کی سابق حدیث کے مطابق جب مُردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ جس سے اس کو سوال نکیرین کے وقت فہم و شعور حاصل ہو جاتا ہے گویا تدریجاً تدریجاً باذن خداوندی روح یہ مراحل طے کرتی ہے۔

شاھد دوم

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ مسند احمد وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے مومن اور کافر کی روح کے اخراج کے بارے میں تفصیل بیان

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مومن کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کو تقرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے آخر میں فرمایا کہ :۔

فترسل بین السماء والارض فتصیر الی قبرہ فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ غیر فزع الحدیث

سو اس کی روح آسمان و زمین کے درمیان ارسال کی جاتی ہے پس وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو نیک آدمی اپنی قبر میں بلا کسی خوف و گھبراہٹ کے بیٹھ جاتا ہے۔

(شرح حدیث النزول ص۵ وکتاب الروح ص۶)

ان حضرات نے یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے لیکن مسند احمد ج ۶ ص ۱۴۰ میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے فترسل من السماء ثم تصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح الحدیث یعنی اس کی روح آسمان سے نیچے چھوڑ دی جاتی ہے تو پھر وہ قبر کی طرف رجوع اور میلان کرتی ہے پس نیک آدمی کو بٹھایا جاتا ہے۔

اس روایت کے متعلق حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ دونوں لکھتے ہیں کہ :۔

وقال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی ھذا حدیث متفق علی عدالۃ ناقلیہ اھ

حافظ ابو نعیم الاصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام رواۃ کی عدالت حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک ایک اتفاقی امر ہے۔

(شرح حدیث النزول ص۵ وکتاب الروح ص۶)

اِس روایت سے یہی معلوم ہوا کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ قبر میں قائم کر دیا جاتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے سوالِ قبر اور باقی اُمور انجام پذیر ہوتے ہیں۔

شاہد سوم

امام قرطبیؒ، حافظ ابو نعیمؒ کے حوالہ سے حضرت جابرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومن اور کافر کی موت کا اور ان کی ارواح کے اخراج کا تذکرہ فرمایا اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

حتیٰ یدخل حفرتہ، وترد الروح الی جسدہ الحدیث (مختصر تذکرۂ قرطبیؒ ص۲۳ طبع مصر)

یہاں تک کہ مُردہ کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی یہ مرفوع روایتیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے صادر ہوئی ہیں، حضرت براءؓ بن عازبؓ کی سابق حدیث کی مؤید ہیں ان تمام روایات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ قبر میں مُردہ کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور منکرین کے

سوال اور عذابِ قبر اور راحتِ قبر میں جسم کی روح سے مشارکت ہوتی ہے یہ جملہ امور نہ تو صرف بدن سے متعلق ہوتے ہیں اور نہ محض روح سے بلکہ دونوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور جمہور اہل السنت والجماعت کا یہی مسلک ہے اور یہی حق اور صحیح ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے حوالوں سے آپ معلوم کر چکے ہیں یہ کہنا کہ اعادۂ روح الی الجسد کا کوئی ثبوت نہیں یا اس کے ثبوت پر کوئی روایت موجود نہیں سراسر باطل اور محض خود فریبی ہے اور دلائل صحیحہ اس بے بنیاد نظریہ کے خلاف ہیں اور براہین واضحہ کی رہنمائی سے یہ باطل نظریہ یکسر محروم ہے اور

؎ ہر گام پہ وہ ٹھوکریں کھاتا ہی رہے گا
جو قافلہ بے خضر سرِ رہ گذر ہے

اس لیے ضروری ہے کہ صحیح حدیث اور حضرات سلف صالحینؒ کے ذکر کردہ زرّیں اقوال کو اپنا مشعل راہ بنایا جائے اور انہی کے دامنِ تحقیق سے وابستہ رہ کر حق کا ساتھ دیا جائے اور اسی میں اپنی دنیوی اور اخروی کامیابی کا راز سمجھا جائے بھلا غور فرمایئے کہ حدیث اور حضرات سلفؒ کی تحقیق سے اعراض و اغماض کر کے حق کہاں مل سکتا ہے؟ اور نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حق کا دلدادہ بنائے اور حق ہی اس کا اوڑھنا اور بچھونا ہو آمین ثم آمین۔ حق پر قائم رہنا ہی مومن کے امتحان و آزمائش کا معیار ہے۔ ؎

خدا دے کر مصائب بس انہی کو آزماتا ہے
کراتا ہے وہ جن سے دینِ قیّم کی نگہبانی

باب چہارم

اس باب میں بعض حضرات ائمہ دینؒ، محدثینؒ، متکلمینؒ اور فقہاء کرامؒ کی بعض عبارتیں عرض کی جاتی ہیں ے قبر میں اعادۂ روح کے بارے میں حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اہل السنت کا منصور مسلک واضح ے واضح تر ہوجاتا ہے جس میں کسی منصف مزاج کو شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، امام الائمہ حضرت وحنیفہ نعمانؒ بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

عادة الروح الی العبد فی قبرہ حق۔

قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔

قه الاکبر مع الشرح لعلی ن القاریؒ ص۱۲۰

طبع کانپور)

اس کی شرح میں حضرت ملا علی ن القاری الحنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

عادة الروح ای ردھا او تعلقها الی العبد ی جسدہ بجمیع اجزائہ او ببعضها مجتمعة متفرقة فی قبرہ حق اھ (ص۱۲۰)

اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزاء بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں۔

علم ان اهل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق لمیت نوع حیوٰۃ فی القبر قدر مایتألم و

تو جان لے کہ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالےٰ قبر میں میت کے اندر ایک گونہ زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے

يتلذذ ولكن اختلفوا في انه هل يعاد الروح اليه ؟ والمنقول عن إبي حنيفة التوقف الاّ ان كلامه هٰهنا يدل على اعادة الروح اذ جواب الملكين فعل اختياري فلا يتصور بدون الروح اه (شرح فقه اكبر ص۱۲۱)

وہ تکلیف اور لذّت محسوس کرتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے؟ امام صاحب سے اس سلسلہ میں توقّف نقل کیا گیا ہے لیکن ان کا کلام اس جگہ اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدون روح کے اس کا تصور نہیں ہو سکتا

اعادۂ روح کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ روح کا تعلق بحالہ جسم سے ہو جیسا کہ دنیا میں تھا یا آخرت میں ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے اگر حضرت امام صاحبؒ سے توقف کا قول کسی معتبر طریقہ سے ثابت ہے تو اس سے یہی پہلی صورت مراد ہوگی اور پہلے امام قونویؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ حق یہ ہے کہ قبر میں اعادۂ روح کی یہ صورت نہیں ہوتی اور دوسری صورت یہ ہے کہ اعادۂ روح سے فی الجملہ تعلق مراد ہو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی صریح عبارات کے حوالہ سے یہ بات پہلے نقل کی جا چکی ہے اور یہ اعادہ صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خود اپنی کتاب "فقہ الاکبر" میں اس اعادۂ روح کی تصریح کر دی ہے لہٰذا اس نقد کے ہوتے ہوئے توقف کے اُدھار کو کون مانتا ہے؟ علاوہ ازیں بہت ممکن ہے کہ امام صاحبؒ کا توقف روح کے اعادہ اور عدم اعادہ سے متعلق نہ ہو بلکہ یہ توقف کل بدن یا بعض بدن کے متعلق ہو چنانچہ ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ :

ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او كله اه (مرقات جلد ۱ ص۱۹۸)

اور شاید کہ امام صاحبؒ کا توقف اس بارے میں ہو کہ اعادہ جزو بدن سے متعلق ہے یا کل بدن سے ؟

رہا یہ شُبہ کہ فقہ اکبر تو امام صاحبؒ کی تصنیف ہی نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے تو یہ نرا شبہ ہے تاریخ کی واضح شہادتیں اس پر قائم ہیں اور علماء اسلام کا جمِ غفیر اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ فقہ اکبر حضرت امام صاحب کی تصنیف ہے اس لیے یہ شبہ بھی کوئی معنیٰ اور وزن نہیں رکھتا۔ مقدمہ البیان الازہر میں ہم نے اس پر بقدر ضرورت بحث کر دی ہے یہ معتزلہ کے مخترعات میں سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ الفقہ الاکبر امام صاحبؒ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ البخاری کی ہے (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص۲۹) غرضیکہ قبر میں اعادۂ روح کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ حوالہ صحیح اور نصِّ صریح ہے۔

امام اہل سنت حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) اپنی کتاب الصلوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

والايمان بالحوض والشفاعة والايمان بمنكر و

حوض کوثر، شفاعت، منکر و نکیر، عذاب قبر، ملک الموت

نکیر وعذاب القبر والایمان بملك الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید. اھ

(کتاب الصلوٰة ص۴۵ طبع قاهره)

کے ارواح کو قبض کرنے پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔

اِن صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ قبر میں عود الروح الی الجسد کا عقیدہ صرف بعد کے مقلدین حضرات ہی کا اختیار کردہ نہیں بلکہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی صاف لفظوں میں اس کا اقرار کرتے ہیں ان میں سے ایک بزرگ اس کو حق اور دوسرے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں قطع نظر صحیح احادیث کے علماء احناف کے لیے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ارشاد بھی کافی تھا، حالانکہ یہ مسئلہ نرے اجتہاد پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنا صحیح اور صریح احادیث پر ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اگرچہ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی اس بارے میں صراحت نظر سے نہیں گذری لیکن صحیح اور صریح حدیث کے خلاف کب وہ نظریہ قائم کر سکتے تھے لہذا ان کی تحقیق بھی یہی سمجھنی چاہیئے کہ اعادہ روح حق ہے۔

حضرت امام محی الدین یحیٰیؒ بن شرفؒ بن حسن۔ النووی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

اعلم ان مذهب اهل السنة اثبات عذاب القبر وقد تظاهرت علیه دلائل الکتاب و السّنة قال الله تعالیٰ النّار یعرضون علیها غدوا و عشیًا الآیة و تظاهرت به الاحادیث الصحیحة عن النبی صلی الله علیه وسلّم من روایة جماعة من الصحابةؓ فی مواطن کثیرة ولا یمتنع فی العقل ان یعید الله تعالیٰ الحیوٰة فی جزء من الجسد و یعذبه واذا لم یمنعه العقل وورد الشرع به وجب قبوله واعتقاده الیٰ ان قال ثم المعذب عند اهل السّنة الجسد بعینه او بعضه بعد اعادة الروح

تو جان لے کہ اہل السنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے اور اس پر کتاب و سنت کے روشن دلائل ثابت ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ آل فرعون صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور بہت سے مقامات پر حضرات صحابہ کرامؓ کی خاصی جماعت نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے اس پر صحیح احادیث بھی روایت کی ہیں اور عقل بھی اس کو ممتنع نہیں سمجھتی کہ اللہ تعالیٰ جسم کی کسی جزء میں زندگی لوٹائے اور اس کو سزا دے اور جب عقل بھی اس کو ممتنع نہیں سمجھتی اور شرع میں بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر اعتقاد کرنا واجب ہے پھر آگے فرمایا کہ پھر اہل السنّت کے نزدیک بعینہٖ جسد

الیه اوالی جزء منه وخالف فیه محمد بن جریر
وعبد الله بن کرام وطائفة فقالوا لا یشترط اعادة
الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس
انما یکون فی الحی قال اصحابنا ولا یمنع
من ذلك کون المیّت قد تفرقت اجزاءہ
کما نشاهده فی العادة او اکلته السباع
او حیتان البحر او نحو ذلك فکما ان الله تعالی
یعیدہ للحشر وهو سبحانه وتعالی قادر
علی ذلك فکذا یعید الحیاۃ الی جزء منه
وان اکلته السباع والحیتان اھ

(شرح مسلم جلد ۲ صـ۳۸۵ و صـ۳۸۶)

عنصری یا اس کی جزء کو سزا دی جاتی ہے اور اس میں محمد بن جریر اور عبد اللہ بن کرام اور ایک گروہ مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لیے اعادہ روح شرط نہیں ہے لیکن ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ یہ بالکل باطل ہے کیونکہ درد اور اس کا احساس زندہ ہی کو ہو سکتا ہے اور ہمارے بزرگ ہی فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ میّت کے اجزاء بکھر جائیں جیسا کہ عادۃً ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یا اس کو درندے کھا جائیں یا مچھلیاں ہڑپ کر جائیں یا اسی طرح کی کوئی اور صورت پیش آجائے تو جیسے کہ اللہ تعالیٰ میدان محشر میں جسم کو لوٹانے پر قادر ہے، اسی طرح جسم کی کسی جزء میں زندگی لوٹانے پر بھی قادر ہے اگرچہ اس کو درندے اور مچھلیاں کھا جائیں

تنبیہ

محمد بن جریر سے اس مقام پر وہ محمدؒ بن جریر طبریؒ مراد نہیں جو مشہور مفسر، محدث اور مؤرخ تھے، جن کی وفات سنہ ۳۱۰ھ میں ہوئی بلکہ یہ محمد بن جریر طبری کرّامی ہے جو کرّامیہ فرقہ کا روح رواں تھا
(ملاحظہ ہو۔ عبد الحکیمؒ علی الخیالی صـ۱۱۸)

محمد بن جریر الطبریؒ کے بارے میں مؤلف ندائے حق صـ۲۱۶ میں مستقل عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں کہ ابن جریر دو ہیں ایک سنّی دوسرا شیعہ یہ تیسرا کرّامی کہاں سے نکل آیا؟ یہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا پھر اس کی وفات کی تعیین کیوں نہیں؟ جناب یہ محمد بن جریر سُنّی ہیں نبراس صـ۲۲۳ میں ہے واجاب الصالحی من المعتزلة وبعض الکرّامیّة والامام ابن جریر الطبری من اهل السنة بان المیّت یعذب بعذاب بلا حیاۃ وقال المحققون هذه سفسطة اور نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد نسفیہ صـ۱۴۷ میں مرقوم ہے وذهب الصالحی من المعتزلة وابن جریر وطائفة من الکرامیّة الی انه بلا احیاء المیّت اور خیالی میں وابن جریر الطبری کے بعد وطائفة کا لفظ کاتب سے رہ گیا ہے اور خیالی پڑھنے والے پر مخفی نہیں کہ کئی جگہ متن اور حاشیہ میں غلطیاں ہیں جو کاتب کی بے پرواہی سے ہوگئی ہیں اور ہر کتاب

میں ہوتی ہیں کوئی کتاب غلطیوں سے خالی نہیں (محصلہ)

الجواب :- ابن جریر کرّامی کا ذکر راقم نے از خود نہیں کیا بلکہ فاضل اجل نکتہ رس محقق عالم حضرت مولانا محمد عبد الحکیم صاحب سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) کے حوالہ سے کیا ہے جنکو علماء کرام اور خصوصاً مدرسین حضرات بخوبی جانتے ہیں بلاشبہ کاتب بھی انسان ہوتے ہیں اور ان سے کتابت میں غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور عبارات بھی چھوٹ جاتی ہیں جیساکہ ابن کثیر کے ایک نسخہ میں ایک عبارت چھوٹ گئی ہے اور باقی نسخوں میں موجود ہے کما مرّ لیکن غلطی کی نشاندہی کے لیے بھی دلیل درکار ہوتی ہے محض دعویٰ سے کچھ نہیں بنتا ہاں صاحب نبراس نے امام ابن جریر الطبری کو اس مقام پر من اهل السنة لکھا ہے اور صاحب نبراس حضرت مولانا عبد العزیز فرہارویؒ بڑے ذہین وسیع النظر اور مصنف عالم تھے مگر مَنْ ذَا سَلِمَ مِنَ الوَهْمِ۔ وہم سے کون بچا ہے؟ یہ ان کا وہم ہے محمد بن جریر سے اس مقام میں ابن جریر سُنّی مراد نہیں بلکہ یہ کرّامی ہی ہے اور اس میں حضرت مولانا سیالکوٹی کی رائے درست ہے راقم کے پیش نظر الخیالی کے دو نسخے ہیں اور دونوں میں الکرامی کا لفظ موجود ہے آپ نے تمام دنیا کے ابن جریر نامی راویوں کا تھوڑا ہی احاطہ کر لیا ہے کہ یہ الکرامی آپ کے لیے کوئی نرالی بات ہو علم بڑا وسیع ہے یہ نہیں کہ جس چیز کا علم مجھے اور آپ کو نہ ہو تو وہ ہوتی ہی نہیں یقین جانیئے یہ ابن جریر سُنّی نہیں ہیں اس لیے کہ محمد بن جریر الطبری سُنّی اپنی مشہور تفسیر ابن جریر میں يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ الآية کی تفسیر میں پُرزور دلائل سے قبر میں مُردہ کے لیے اعادة الروح الی الجسد کے طور پر حیات ثابت کرتے ہیں اور حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

وذكر قبض روح المؤمن فتعاد روحه في جسده ويأتيه الملكان فيجلسانه في قبره فيقولان من ربك الحديث (تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴)	مومن کی روح کے قبض کرنے کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں سو وہ کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

پھر اس کی چار سندیں اور بیان کی ہیں پھر ص ۲۱۷ / ۱۳ میں الگ سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور پھر ص ۲۱۸ / ج ۱۳ میں الگ سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر الكافر حين تقبض روحه قال فتعاد روحه في جسده الحديث	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی روح کے قبض کرنے کے سلسلہ میں فرمایا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے

اور ان روایات کو نقل کر کے وہ قبر میں حیات ثابت کرتے ہیں اور حیات بھی بایں طور کہ روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے اس کے برعکس ایک حوالہ بھی انہوں نے ایسا نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ کرّامیہ کا مذہب ہے پھر کیسے اس سُنّیؒ مفسّرؒ کو محض اپنی ہوائے نفسانی کے تحت بیک جنبش قلم کرّامی سمجھ لیا جائے اور کرامی کو سُنّیؒ بنا دیا جائے یہ بات بھی طلبۂ کرام سے مخفی نہیں کہ وطائفۃ کا لفظ واو عطف کے ساتھ لفظ ابن جریرؒ پر عطف بھی ہو مجرد اس کے چھوٹ جانے سے بھی ابن جریرؒ کا سُنّیؒ ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وقد اخذ ابن جرير وجماعة من الكرّامية من هذه القصة ان السوال فى القبر يقع على البدن فقط وان الله تعالىٰ يخلق فيه ادراكاً بحيث يسمع ويعلم ويلذّ ويألم وذهب ابن حزم وابن هبيرة[1] الى ان السوال يقع على الروح فقط من غير عود الى الجسد وخالفهم الجمهور فقالو اتعاد الروح الى الجسد اوبعضه كما ثبت فى الحديث ولو كان على الروح فقط لم يكن للبدن بذلك اختصاص ولا يمنع من ذلك كون الميّت قد تتفرق اجزاؤه لان الله تعالىٰ قادر على ان يعيد الحيوٰة الى جزء من الجسد ويقع عليه السوال كما هو قادر على ان يجمع اجزائه والحامل للقائلين

بے شک اس واقعہ سے ابن جریرؒ اور کرامیہ کی ایک جماعت نے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بدن میں ایسا ادراک پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ سنتا اور جانتا اور لذت اور درد محسوس کرتا ہے اور ابن حزمؒ اور ابن ہبیرہؒ کا مذہب یہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی لیکن جمہور ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض حصہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اگر یہ کارروائی محض روح سے وابستہ ہوتی تو بدن کی اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی (حالانکہ بدن اس میں ملحوظ ہے) اور اس میں کوئی امتناع نہیں کہ کبھی میت کے اجزاء بالکل بکھر جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ایک حصہ کی طرف روح لوٹا دے

---

[1] دیگر متعدد کتابوں میں ابن میسرہؒ آیا ہے۔ فتح الباری میں ابن ہبیرہ ہے۔ اغلب ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اور صحیح ابن میسرہ ہی ہے واللہ اعلم ۱۲۔

بان السوال يقع على الروح فقط ان الميّت قد يشاهد فى قبره حال المسٔلة لا اثر فيه اقعاد ولا غيره ولا ضيق فى قبره ولا سعة وكذٰلك غير المقبور كالمصلوب وجوابهم ان ذٰلك غير ممتنع فى القدرة بل له نظير فى العادة و هو النائم فانه يجد لذةً والماً لا يدركه جليسه بل اليقظان قد يدرك الماً ولذةً لما يسمعهٗ او يفكر فيه ولا يدرك ذٰالك جليسه وانما اتى الغلط من قياس الغائب على الشاهد واحوال ما بعد الموت على ماقبلهٗ والظاهر ان الله تعالٰى صرف ابصار العباد واسماعهم عن مشاهدة ذٰلك وسترهٗ عنهم ابقاءً عليهم لئلا يتدافنوا وليست للجوارح الدنيوية قدرة على ادراك امور الملكوت الا من شاء الله تعالٰى وقد تثبت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور كقوله انه يسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه[عہ] لضمة القبر وقوله يسمع صوته، اذا ضربه بالمطراق وقوله يضرب بين اذنيه وقوله فيقعدانه وكل ذالك من صفات الاجساد و ذهب ابو الهذيل ومن تبعه، الى ان الميّت لا يشعر بالتعذيب ولا بغيره الا بين النفختين قالوا وحاله كحال النائم والمغشى عليه لا يحس بالضرب ولا بغيره الا بعد الافاقة والانبعاث

اور اس سے سوال ہو جیسا کہ وہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر قادر ہے جو لوگ سوال قبر صرف روح کے لیے مانتے ہیں اس کا باعث ان کے نزدیک یہ ہے کہ میّت کو کبھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اس میں اٹھانے وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اس کی قبر میں تنگی اور فراخی نظر آتی ہے اور اسی طرح بعض مُردوں کو بجائے دفن کرنے کے سُولی پر لٹکا دیا جاتا ہے ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں بلکہ اس کی ایک نظیر موجود ہے جو عادتاً وقوع میں آتی ہے وہ یہ کہ خوابیدہ شخص لذّت اور دکھ محسوس کرتا ہے اور اس کے پہلو میں دوسرا شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا بلکہ بیدار آدمی بھی کبھی تکلیف اور لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس نے کوئی بات سُنی ہوتی ہے یا محو فکر ہوتا ہے اور دوسرے اس کو محسوس نہیں کر سکتے یہ ساری غلطی اس لیے سرزد ہوئی ہے کہ غائب (یعنی اُمورِ برزخ) کو حاضر پر قیاس کر لیا گیا ہے اور مابعد الموت کے حالات کو زندگی کے حالات پر قیاس کر لیا گیا ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نگاہوں اور ان کے کانوں کو اس کے مشاہدہ سے روک دیا ہے اور ان پر شفقت کرتے ہوئے یہ اُمور ان سے پوشیدہ رکھے ہیں تاکہ وہ مُردوں کو دفن کیے بغیر ہی نہ چھوڑ دیں اور دنیا کے اعضاء کو یہ قدرت ہی نہیں کہ اس جہان کے امور کا ادراک کر سکیں مگر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے اور بے شبہ احادیث اُسی مسلک کے ثبوت پر موجود ہیں جو جمہور نے اختیار کیا ہے مثلاً آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ میّت قبر سے لوٹنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ

الثابتة فى السوال حالة تولى اصحاب الميت عنه ترد عليهم انتهى بلفظه۔

(فتح البارى ج ٣ ص ٢٧٧ طبع مصر)

سنتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آرپار ہو جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ جب اس کو ہتھوڑا اور گرز ماری جاتی ہے تو (ثقلین کے بغیر دوسری مخلوق کو) اس کی آواز سُنائی دیتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دو کانوں کے درمیان ضرب لگائی جاتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسکو بٹھاتے ہیں اور یہ سب کے سب اُمور اجسام کی صفات ہیں (نہ کہ ارواح کی) اور ابوالہذیل اور اس کے پیرو اس طرف گئے ہیں کہ نفخۂ اُولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان میّت کو عذاب وغیرہ کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا یہ لوگ کہتے ہیں کہ میت کا حال اس شخص کے حال کے مناسب ہے جو سویا ہوا یا اس پر غشی طاری ہو وہ افاقہ سے پہلے مار وغیرہ کسی چیز کا احساس نہیں کرتا لیکن وہ حدیثیں جو دفن میّت کے وقت لوگوں کی واپسی کے وقت میّت سے سوال کے بارے میں آئی ہیں ان کے خلاف ہیں اور ان کا رد کرتی ہیں۔

نوٹ ہم نے فتح الباری کی اس مقام پر پوری عبارت نقل کردی ہے مؤلف ندائے حق کا ص ٢٢٩ و ص ٢٣٠ میں یہ شکوہ کرنا کہ ہم نے جو عبارت خلاف مطلب تھی وہ چھوڑ دی ہے نرا بہتان ہے یہاں حافظ ابن حجرؒ نائم کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اس کو صحیح سمجھتے ہیں اس کی تردید نہیں کرتے۔

اور علامہ بدر الدین العینی الحنفیؒ (المتوفی ٨٥٥ھ) لکھتے ہیں۔

ولا يُعد فى رد الحيوٰة الى بعض اجزاء البدن فيختص بالاحياء والمسألة والعذاب وان لم يكن ذٰلك مشاهدًا لنا اھ

(عمدة القارى ج ٨ ص ١٤٦ طبع مصر)

اور اس میں کوئی بُعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزاء کی طرف زندگی لوٹائی جائے اور وہی بعض اجزاء حیات اور قبر کے سوال اور عذاب سے مختص ہوں اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینیؒ کے نزدیک بھی فی الجملہ اعادۂ روح الی البدن میں کوئی بعد نہیں

اگرچہ اس کا مشاہدہ ہمیں نہ ہو سکے بلکہ وہ اسی کو اکثر اہل السنۃ کا قول بتاتے ہیں چنانچہ وہ سماع موتیٰ کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

واجيب عن الآية بان الذى يسمعهم هو الله تعالىٰ والمعنى انه صلى الله عليه وسلّم لا يسمعهم ولكن الله تعالىٰ احياهم حتّٰى سمعوا كما قال قتادةؒ وقال السهيليؒ وعائشة رضـ لم تحضر وغيرها ممن حضر احفظ للفظه وقد قالوا له، اتخاطب قومًا قد جيفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم واذا جاز ان يكونوا فى تلك الحالة عالمين جاز ان يكونوا سامعين اما باذان رؤسهم اذا قلنا ان الارواح تعاد الى اجساد عند المسألة وهو قول الاكثر من اهل السنة واما باذان القلب والروح على مذهب من يقول يتوجه السوال الى الروح من غير رجوع منه الى الجسد او الى بعضه اھ

(عمدة القارى ج ۸ ص ۱۳۹ طبع مصر)

اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سناتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے انکو نہیں سنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا حتّٰی کہ انہوں نے سن لیا جیسا کہ قتادہؒ نے فرمایا ہے امام سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ (بدر کے موقع پر) حاضر نہ تھیں اور ان حضرات نے جو وہاں موجود تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے الفاظ کو خوب یاد رکھا ہے اور انہوں نے آپ سے کہا بھی کہ حضرت! آپ ایسے لوگوں سے خطاب کرتے ہیں جو مردار اور بدبودار ہو چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں اور جب یہ جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ سننے والے بھی ہوں یا تو سر کے کانوں سے جب ہم یہ کہیں کہ قبر میں سوال کے وقت ارواح کو اجسام کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ اکثر اہل السنۃ والجماعۃ کا قول ہے اور یا وہ دل اور روح کے کانوں سے سنتے جیسا کہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قبر میں سوال روح سے ہوتا ہے بغیر اسکے کہ اس کو جسم یا اس کے بعض حصہ کی طرف لوٹایا جائے۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (المتوفی سنہ ۱۰۳۱ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

زاد فى حديث البراءؓ فتعاد روحه فى جسده ظاهره فى جميع الجسد لكن سئل الحافظ عن ذلك فاجاب بان ظاهر الخبر انها تحل فى النصف الاعلىٰ انتهى قلت ويمكن ان يقال قوة حلولها فى النصف الاعلىٰ يوسع اللحد حتّٰى يجلس فيه زاد

حضرت براءؓ کی حدیث میں فتعاد روحه فى جسده کی زیادت بھی ہے اس کا ظاہر اس کو چاہتا ہے کہ روح کا اعادہ سب جسم میں ہوتا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہر خبر اس کو چاہتا ہے کہ روح کا حلول نصف اعلیٰ میں ہوتا ہے انکی بات ختم ہوئی میں کہتا ہوں ممکن ہے یہ کہا جائے

فی روایة فتعاد روحه فی جسده وظاهره فی کله ونقله المصنف فی ارجوزته عن الجمهور ولکن قال ابن حجر ظاهر الخبر فی النصف الاعلی وجمع بان مقرها فی النصف الاعلی ولها اتصال بباقیه وقیل وجزم به القاضی اھ

(فیض القدیر ج ۲ ص ۳۷۲ و ص ۳۷۳ طبع مصر)

کہ نصف اعلیٰ میں روح کے حلول کی قوت ہوتی ہے جس سے لحد میں وسعت ہوتی ہے اور مردہ قبر میں بیٹھ جاتا ہے اس میں فتعاد روحہ فی جسدہ کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ سب بدن میں روح کا اعادہ ہوتا ہے مصنف نے اپنے رجزوں میں اس کو جمہور سے نقل کیا ہے لیکن ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ظاہر خبر نصف اعلیٰ کو چاہتی ہے اور تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا مقر نصف اعلیٰ ہے لیکن اس کا باقی بدن سے بھی اتصال ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی (ابوبکر الباقلانیؒ) نے اسی پر جزم کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اگرچہ یہ دعویٰ کیا ہے (جیساکہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے) کہ روح بدن کے نصف اعلیٰ میں لوٹائی جاتی ہے اور علامہ مناویؒ نے اس کی جمع وتطبیق کی صورت بھی پیدا کردی ہے لیکن حضرت ملا علی ن القاریؒ حافظ ابن حجرؒ کی تردید کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

فتعاد روحه فی جسده ظاهر الحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء بدنه فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یکون الی البعض ولا الی قول ابن حجر الی نصفه فانه لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی صحة النقل انتهی۔

(مرقات ج ۴ ص ۲۵ طبع ملتان)

فتعاد روحہ فی جسدہ کی حدیث کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ روح کا اعادہ تمام بدن کی طرف ہوتا ہے لہذا ان بعض لوگوں کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جاسکتی جو یہ کہتے ہیں کہ عود روح بعض بدن کی طرف ہوتا ہے اور نہ ابن حجرؒ کے قول کی طرف التفات کیا جاسکتا ہے جس میں نصف بدن کی طرف عود کا ذکر ہے کیونکہ یہ محض عقلاً کہنا درست نہیں بلکہ اس میں صحت نقل کی ضرورت ہے (جو مفقود ہے)

نیز حضرت ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال العسقلانی فی فتاواہ ارواح المومنین فی علیین وارواح الکفار فی سجین ولکل روح بجسدها اتصال معنوی لا یشبه الاتصال فی الحیٰوة الدنیا بل اشبه شیء به حال النائم

(ابن حجرؒ عسقلانیؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ مومنوں کی ارواح علیینؒ میں اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں اور ہر ایک روح کا تعلق معنوی اپنے جسم سے بھی ہے لیکن یہ دنیوی زندگی کے اتصال کے مشابہ نہیں یہ سونے والے کے حال کے

وان كان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا يجمع بين ما ورد ان مقرها فى عليين او سجين وبين ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انها عند افنية قبورها قال ومع ذلك فهى ماذون لها فى التصرف وتأوى الى محلها من عليين او سجين قال واذا نقل الميت من قبر الى قبر فالاتصال المذكور مستمر وكذا لو تفرقت الاجزاء اھ

زیادہ مشابہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اتصال ہے اور اسی سے تطبیق ہو جائے گی اس میں کہ ارواح کا مقر علّیین یا سجّین ہے اور اس میں جو ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے کہ ارواح قبروں کے کناروں پر ہوتی ہیں معہذا ان کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ اپنے محل علّیین یا سجّین میں بھی پہنچ جاتی ہیں ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب میّت کو ایک قبر سے دوسری قبر تک منتقل کیا جاتا ہے اور اسی طرح جب اس کے اجزا متفرق ہو جاتے ہیں تو روح کا یہ اتصال بدستور باقی رہتا ہے۔

(مرقات ج ۴ ص ۲۵ طبع ملتان)

یہ اتصال محض معنوی بیرونی اور اشراقی اتصال ہی نہیں بلکہ یہ اتصال حیات کا ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجرؒ فرع نعال کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

فيه ان الميت يحيا فى قبره للمسألة خلافا لمن ردّه واحتج بقوله تعالى قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ الآية قال فلو كان يحيىٰ فى قبره للزم ان يحيىٰ ثلاث مرات ويموت ثلاثا وهو خلاف النص والجواب بان المراد بالحيوٰة فى القبر للمسألة ليست الحياة المستقرة المعهودة فى الدنيا التى تقوم فيها الروح بالبدن وتدبيره وتصرفه وتحتاج الى ما يحتاج اليه الاحياء بل هى مجرد اعادة لفائدة الامتحان الذى وردت به الاحاديث الصحيحة فهى اعادة عارضة كما حى خلق لكثير من الانبياء لمسألتهم لهم عن اشياء ثم عادوا موتى اھ

اس میں دلیل ہے کہ میت کو قبر میں سوال کے لیے زندہ کیا جاتا ہے برخلاف اس کے جس نے اس کو رد کیا ہے اس نے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ وہ (کافر قیامت کے دن) کہیں گے اے ہمارے رب تو نے دو مرتبہ ہمیں مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا اگر قبر میں بھی زندگی ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ تین مرتبہ زندہ کیا جائے اور تین مرتبہ مرے اور یہ نص کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں سوال کے لیے جو حیات ہوتی ہے وہ دنیا کی مستقر اور معہود حیات کی طرح نہیں ہے جس میں روح بدن کی مقوم اور اس میں تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور اس کو اس چیز کی حاجت نہیں ہوتی جس کے زندہ (خوراک وغیرہ کے) محتاج ہوتے ہیں بلکہ یہ محض اعادہ ہے جس کا فائدہ وہ امتحان ہے جس کے بارے حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور یہ اعادہ عارضی ہوتا ہے جیسا کہ

(فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۴)

بہت سے لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے زندہ کئے گئے تاکہ ان سے کچھ اشیاء کے بارے سوال ہو سکے اس کے بعد وہ پھر مر گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کی زندگی دنیا کی معہود زندگی کی طرح نہیں جس میں روح بدن کے لیے مقوم اور اس کی مدبر اور اس میں متصرف ہو اور بدن اس حیات کے ساتھ ان محسوس اشیاء کا محتاج ہو جن کا دنیا میں محتاج تھا بلکہ یہ اعادہ عارضی اور امتحان کے لیے ہے جیسا کہ صحیح احادیث اس پہ دال ہیں اور یہ حیات دنیا اور آخرت کی معہود اور کامل حیات نہیں جس سے آیت کریمہ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ الآیۃ کی مخالفت لازم آئے چونکہ حافظ ابن حجرؒ قبر میں ثواب و عذاب کا جسم اور روح دونوں پہ مترتب ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ان کی عبارت عرض کی جا چکی ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سوال کے بعد پھر اس کو بالکل بے روح اور بے جان بنا دیا جاتا ہے کیونکہ بغیر فی الجملہ حیات کے ثواب و عذاب اور راحت و الم کس پہ؟ بلکہ اس کا مطلب یہ لینا چاہیئے کہ ان کے نزدیک سوال کے وقت تو بالجملہ اور کامل حیات ہوتی ہے پھر یہ کامل اور عارضی حیات ختم ہو جاتی ہے اور فی الجملہ اور ایک گونہ حیات باقی رہ جاتی ہے ان کی عبارت کے آخری حصہ کما حی خلق الخ سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے اس میں تشبیہ صرف حیات عارضہ سے ہے اور ثم عادوا موتی دنیا میں بطور معجزہ عارضی طور پر زندہ ہونے والوں سے متعلق ہے نہ کہ اہل قبور سے جیسا کہ کسی بھی اہل فہم سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان مذہب سلف الامۃ وائمتہا ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذلک یحصل لروحہ وبدنہ اھ

(کتاب الروح ص ۶۳)

بلاشبہ امت کے اسلاف اور ہمارے آئمہ کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص کی وفات ہو جاتی ہے تو وہ راحت اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ راحت و تکلیف اس کی روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ عبارات بھی اس امر پر نص صریح ہیں کہ عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن کا روح سے تعلق ہوتا ہے حضرت مولانا سید احمد حسن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ومذہب اہل السنۃ اثبات عذاب القبر خلافا للخوارج والمعتزلۃ وبعض المرجئۃ

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں بخلاف خوارج معتزلہ اور بعض مرجئہ کے کہ وہ اس

نهم نفوا ذلك واحاديث الباب مترد ليهم ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه بعد اعادة الروح اليه وما قيل ان سوال في القبر يقع على البدن فقط وقال بعضهم يقع على الروح فقط فيرد عليهم قوله صلى الله عليه وسلم تعاد روحه في بعض روايات اه (تنقيح الرواة جلد ۱ ص ۳۱ و ص ۳۲)

کی نفی کرتے ہیں لیکن عذاب قبر کے باب کی حدیثیں ان کے خلاف پڑتی ہیں پھر اہل سنت کے نزدیک عذاب جسد عنصری کو ہوتا ہے مگر اعادہ روح کے بعد باقی جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس کی روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے ان اقوال کو رد کرتا ہے۔

علم عقائد کے مسلّم امام علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة اه (شرح عقيدة الطحاوي ص ۳۳۰ طبع مكة مكرمة)

اور اسی طرح اہل سنت والجماعت کے اتفاق سے عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اور اس پہ تمام اہل سنت والجماعت متفق ہیں اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

والجمهور على عود الروح الى الجسد او بعضه قت السوال على وجه لا يحس به اهل نيا الا من شاء الله تعالى منهم ووراء ذلك مذاهب فمذهب ابن جرير وجماعة من كرامية ان السوال في القبر على البدن فقط ن الله تعالى يخلق فيه ادراكا بحيث يسمع و علم ويلذ ويألم وعلى هذا المذهب يمكن ن يقال ما قيل على الاول ومذهب ابن حزم وابن ميسرة انه على الروح فقط ومذهب

جمہور (اہل السنت) اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹایا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے ہاں مگر جس کو اللہ تعالے چاہے تو محسوس کرا دے اور اس کے علاوہ اس مسئلہ میں کچھ اور مذاہب بھی ہیں سو ابن جریر (کرامی) اور کرامیہ کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے بایں طور کہ اللہ تعالی اس میں ایک گونہ ادراک پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ سنتا اور جانتا اور لذت و تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اس مذہب پر بھی ویسے ہی اعتراض ہے

ابی الهذیل واتباعه ان المیت لایشعر بشیٔ اصلاً الا بین النفختین والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملة اھ۔

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۵۷)

جیسا کہ پہلے پر تھا ذکر مثلاً بلا روح بدن کی حیات کا کوئی معنی نہیں) اور ایک مذہب ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ کا ہے وہ یہ کہ یہ ساری کارروائی صرف روح سے متعلق ہوتی ہے اور ایک مذہب ابوالہذیل اور اس کے اتباع کا ہے کہ میّت کو سرے سے کوئی شعور نہیں ہوتا مگر نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان اور حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں۔

علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی الحنبلیؒ (المتوفی سنہ ۷۷۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وفی الصحاح انها ترد الیه بعد الموت ویسأل وترد فتکون متصلة بالبدن بلا ریب واللّٰه اعلم (مختصر الفتاوی ص ۱۹۰ المصریة)

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ روح موت کے بعد بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اور پھر لوٹا دی جاتی ہے مگر بلا شبہ وہ بدن سے متصل رہتی ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

واذا جاز ان یکون المؤمنون قد احیوا فی قبورهم قبل یوم القیمة وهم منعمون فیها جاز ان یحیی الکفار فی قبورهم فیعذبوا اھ

(احکام القرآن جلد ۱ ص ۱۴۰ طبع مصر)

اور جب یہ جائز ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور وہ قبور میں راحت پاتے ہیں تو جائز ہے کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ کیا جائے اور عذاب دیا جائے۔

امام تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی الشافعی (المتوفی سنہ ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اجمع اهل السنة علی اثبات الحیوٰة فی القبور وقال امام الحرمین فی الشامل وقد اتفق سلف الامة علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتیٰ فی قبورهم ورد الارواح فی اجسادهم وقال الفقیه ابوبکر بن العربی فی الامد الاقصیٰ فی تفسیر اسماء الحسنیٰ ان احیاء المکلفین فی القبر وسوالهم جمیعًا لاخلاف فیه بین اهل السنة

قبور میں اثبات حیات پر اہل سنت کا اجماع ہے، امام الحرمینؒ اپنی کتاب شامل میں فرماتے ہیں کہ امت کے اسلاف، اثبات عذاب قبر اور مُردوں کو قبروں میں زندہ کرنے اور ان کی روح کو ان کے جسموں کی طرف لوٹانے پر متفق ہیں، فقیہ ابوبکر بن العربیؒ اپنی کتاب امد الاقصیٰ فی تفسیر اسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ جملہ مکلفین کے قبروں میں زندہ کرنے اور ان سے سوال کرنے میں اہل سنّت کا کوئی اختلاف نہیں ہے

قال سیف الدین الآمدی فی کتاب ابکار الافکار اتفق سلف الامۃ قبل ظہور المخالف واکثرھم بعد ظہورہ علی اثبات احیاء الموتٰی فی قبورھم ومسئلۃ الملکین لھم واثبات عذاب للمجرمین والکٰفرین اھ (شفاء السقام ص۱۵۱ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

امام سیف الدین آمدیؒ اپنی کتاب ابکار الافکار میں لکھتے ہیں کہ مخالف کے ظاہر ہونے سے پہلے امت کے تمام اسلاف اور ظہور مخالف کے بعد اکثریت اثبات پر متفق رہی ہے کہ مُردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور ان سے نکیرین کا سوال اور مجرموں اور کافروں کے لیے اثبات عذاب بالکل حق ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

ان حیاۃ جمیع الموتٰی بارواحھم واجسامھم فی قبورھم لاشک فیھا اھ (شفاء السقام ص۱۵۳)

بلاشبہ تمام مُردوں کا اپنی قبروں میں اپنی ارواح اور اجسام کے ساتھ زندہ ہونا شک سے بالاتر ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متقدمین میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہ تھا کہ مُردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو ان کے اجساد میں لوٹایا جاتا ہے اور منکر ونکیر کا سوال ہوتا ہے ہاں بدقسمتی سے بعد کو اس میں اختلاف پیدا ہوا لیکن اس اختلاف کے بعد بھی امت کی اکثریت متقدمین اور سلف صالحین کی ہمنوا ہی رہی ہے اور حق انہیں کے ساتھ ہے۔

مشہور مصنف اور مسلّم امام عقائد قاضی عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد الایجیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

احیاء الموتٰی فی قبورھم ومسئلۃ منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عندنا واتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظہور الخلاف واتفق علیہ الاکثرون بعدہٗ اھ (مواقف مع الشرح ص۱۷۵ طبع نولکشور)

مُردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر ونکیر کا سوال اور کافر وفاسق کے لیے عذاب قبر سب مسئلے ہمارے نزدیک حق ہیں اور اختلاف سے پہلے سلف اُمّت کے تمام حضرات اور اختلاف رونما ہونے کے بعد اُمّت کی اکثریت ان امور کے حق ہونے پر متفق رہی ہے۔

یہ عبارت بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قبروں میں مُردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اسلام کے ابتدائی اَدوار میں کوئی اختلاف نہ تھا اور اُس وقت سبھی حضرات بلاقیل وقال اس کو تسلیم کرتے تھے جب اختلاف پیدا ہوا تو اس کے بعد بھی امت مسلمہ کی اکثریت احیاء الموتٰی فی القبور اور اسی طرح دیگر بیان کردہ مسائل کے حق ہونے کی قائل رہی ہے اور حق ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے صریح فرمان اور ارشاد سے یہ ثابت ہے، قاضی صاحب موصوفؒ نے احیاءِ موتٰی کے بارے میں منکرین حیات کے اس اعتراض کو بسط سے نقل کیا ہے کہ بعض مُردوں کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور ان کے اجزاء ان کے پیٹوں میں متفرق ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے اور بعض سولی پر لٹکا دیے جاتے ہیں، ان میں بھلا حیات کہاں سے اور کیسے آجاتی ہے؟ اور مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ کسی کو ان میں حیات نظر نہیں آتی اور مشاہدہ کے خلاف قول کرنا ایک قسم کی حماقت ہے۔ (محصلہ مواقف مع الشرح ص۶۷۱)

اس اعتراض کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے موصوف یہ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد تحير الاصحاب فی التفصّی عن هذا فقالوا ای القاضی واتباعہٗ فی صورۃ المصلوب لا بُعد فی الاحیاء والمسائلۃ مع عدم المشاھدۃ کما فی صاحب السکتۃ فانہ حی مع انا لا نشاھد حیواتہٗ وکما فی رؤیۃ النبی جبرائیل علیہما السلام وھو بین اظھر اصحابہ مع سترہ عنھم و قال بعضھم لا بُعد فی رد الحیٰوۃ الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء والمسائلۃ والعذاب وان لم یکن ذٰلک مشاھدًا لنا واما الصورۃ الاُخرٰی یعنی بھا ما یشمل الثانیۃ والثالثۃ اذ ھما من وادٍ واحدٍ فان ذالک ای التمسک بھا مبنی علی اشتراط البُنیۃ فی الحیٰوۃ وھو ممنوع عندنا کما مرّ فلا بُعد فی ان تعاد الحیٰوۃ الی الاجزاء المتفرقۃ او بعضھا وان کان خلاف العادۃ فان خوارق العادۃ غیر ممتنعۃ فی مقدور اللّٰہ تعالٰی کما سلف تقریرہٗ

بلاشبہ (اہل السنّۃ والجماعت کے) اصحاب اس مشکل سے جان چھڑانے میں حیران ہوئے ہیں سو قاضی (ابوبکر باقلانیؒ) اور ان کے اتباع نے مصلوب کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے زندہ کرنے اور اس سے سوال کرنے میں کوئی استبعاد نہیں اگرچہ اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جس طرح صاحب سکتہ کہ وہ زندہ ہوتا ہے حالانکہ ہم اس کی زندگی کا مشاہدہ نہیں کر سکتے اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں دیکھتے تھے حالانکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اُن سے اوٹ میں ہوتے تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزاء کی طرف زندگی لوٹائی جائے سو وہ بعض حصہ زندہ ہونے اور سوال اور عذاب سے مختص ہو اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے اور بہرحال دوسری صورت، اس سے مراد دوسری اور تیسری دونوں صورتیں ہیں کیونکہ وہ دونوں ایک ہی میدان (واسلوب) سے ہیں، سو بیشک ان لوگوں کی دلیل اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لیے جسم کا ڈھانچہ باقی رہنا ضروری ہے اور

واللہ اعلم بالصواب۔

(مواقف مع الشرح ص۷۱۷)

ہم اس کو نہیں مانتے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے سو اس میں کوئی بُعد نہیں کہ اجزاء متفرقہ یا ان میں سے بعض کی طرف حیات لوٹائی جائے اگرچہ یہ عادت کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت میں خوارق عادات بھی داخل ہیں اور وہ ممتنع نہیں ہیں جیسا کہ پہلے اس کا بیان ہو چکا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

منکرین حیات فی القبور کا سب سے بڑا وزنی اور مرکزی اعتراض ہی یہی تھا کہ جب ڈھانچہ باقی نہیں رہتا تو حیات کہاں سے آجاتی ہے؟ اسی اشکال کو حل کرنے کے لیے اکابر اہل سنت نے یہ کہا کہ حیات کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے بلکہ اجزاء متفرقہ میں بھی حیات کا تحقق قدرت خداوندی میں داخل ہے اور بعض اجزاء کی طرف حیات کا اعادہ بھی داخل تحت القدرت ہے گو عادت کے خلاف ہی سہی لیکن قدرت باری تعالیٰ مخلوق کی عادت کی پابند نہیں ہے اور اسی کو ہم نے پہلے حیات فی الجملہ سے تعبیر کیا ہے۔ اگر جسم کے اجزاء کا نکیرین کے سوال کے سلسلہ میں دخل نہ ہوتا یا عذاب قبر کے سلسلہ میں اجزاء بدن کا واسطہ نہ ہوتا تو ان اکابر کو یہ کہہ دینے میں ہرگز کوئی تأمل نہ ہوتا کہ سوال یا عذاب تو محض روح کو حاصل ہے بدن اور اس کے اجزاء رہیں یا نہ رہیں لیکن یہ حضرات کسی موقع پر بھی اجزاء بدن کو فراموش نہیں ہونے دیتے، اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ قبر کی حیات میں بدن کا تعلق ایک طے شدہ حقیقت اور ناگزیر امر ہے۔ متقدمین بلا اختلاف اور متاخرین کی اکثریت قبر میں روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی قائل ہے۔ مواقف کے شارح علامہ علی بن محمد الجرجانی المعروف بہ سید شریفؒ (المتوفی سنہ ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ۔

واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسألۃ ان کل من قال بعذاب القبر قال بهما

(شرح مواقف ص۷۱۶ طبع نولکشور)

اور جب میت کا مُعذّب ہونا ثابت ہُوا تو اس کا زندہ کرنا اور اس سے سوال بھی ثابت ہو گیا کیونکہ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے وہ زندہ کرنے اور سوال کا بھی قائل ہے۔

مطلب واضح ہے کہ قبر میں عذاب اور سوال جبھی متحقق ہو سکتا ہے کہ اس میں زندگی اور حیات ہو اور جب عذاب قبر ثابت ہے تو لامحالہ میت کا قبر میں زندہ کرنا اور سوال بھی ثابت ہے۔

محقق حیث اطلق حافظ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ:-

ولذا كان الحق ان الميّت المعذب فی قبره توضع فيه الحيواة بقدر مايحسُّ بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتیٰ لو كان متفرق الاجزاء بحيث لا تتميّز الاجزاء بل هی مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحيواة فی تلك الاجزاء التی لا ياخذها البصر و ان الله تعالیٰ علیٰ ذٰلك لقدير اھ

(فتح القدير جلد۲ ص۹۹ طبع مصر)

اور اسی لیے حق بات یہی ہے کہ جس میّت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس انداز کی حیات رکھی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور ڈھانچے کا محفوظ رہنا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے یہاں تک کہ اگر میّت کے اجزاء بکھر جائیں اور خاک میں رَل مِل جائیں اور اس کو سزا دی جائے تو ان باریک اجزاء میں بھی حیات رکھی جاتی ہے جن کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے (اس کی شان سے یہ بعید نہیں ہے)

اور یہی حافظ ابن الہمامؒ اور ان کے شاگرد رشید کمال الدین محمد بن محمد المقدسیؒ (ایک حنفی اور دوسرے شافعی ہیں اور دونوں عقائد کے مسلّم عالم ہیں (المتوفی ۹۰۵ھ) اپنی علم کلام کی مایۂ ناز کتاب المسامرہ میں منکرین کے شبہات کو نقل کرکے آگے جواب دیتے ہیں.

وما استحيل به ما ذكر من السوال وعذاب القبر ونعيمه من جهة ان اللذة والالم والتكلم كل منها فرع الحيواة والعلم والقدرة ولا حيواة بلا بنيةٍ اذ البنية قد فسدت وبطل المزاج ومن جهة كون الميت ساكتا لا يسمع سوالنا اذا سألناه ومنهم ای من الموتیٰ من يحرق فيصير رمادا وتذروه الرياح فلا يعقل حياته وسؤاله واشار الی دفعها بقوله فمجرد استبعاد لخلاف المعتاد وهو لا ينفی الامكان فان ذٰلك الامر الذی يتكلم فيه من سوال الملكين و عذاب القبر ونعيمه ممكن اذ لا يشترط فی

سوال قبر اور عذاب و راحت کو جو بایں وجہ محال سمجھا گیا ہے کہ لذّت اور دکھ اور گفتگو یہ حیات و علم اور قدرت کی فرع ہے اور ڈھانچے کے بغیر زندگی کہاں سے؟ کیونکہ اجزاء تو باطل ہو گئے اور ڈھانچہ ختم ہو گیا اور بایں وجہ بھی کہ میّت خاموش رہتی ہے جب ہم اس سے سوال کرتے ہیں تو وہ جواب نہیں دیتی اور بعض مُردے جلا کر راکھ کر دیے جاتے ہیں اور ان کی راکھ کو ہوا اڑا دیتی ہے تو اندریں حالات میّت کی حیات اور اس سے سوال عقل کے بالکل خلاف ہے، المصنفؒ نے ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لیے یہ جواب دیا کہ اس کو محض خلاف عادت ہونے کی وجہ سے بعید سمجھا گیا ہے اور یہ امکان کی نفی نہیں کرتا کیونکہ نکیرین کا سوال اور عذاب قبر اور راحت جس کی

الحیوٰۃ البنیۃ کما قدمناہ ولو سلم
اشتراطہا جاز ان یحفظ اللہ تعالیٰ من الاجزاء
مایتأتی به الادراك بان یصلح بنیته وان کان
المیّت فی بطون السباع وقعور البحار و
غایة مافی الباب ان یکون بطن السبع و
نحوہ قبرًا له ولا یمتنع ان لا یشاهد الناظر
منه ما یدل علی ذلك فان النائم ساکن
بظاهره وهو مع ذلك یدرك من الآلام
واللذات مایحسّ تاثیرہ عند یقظته من
منامه وخروج منی من جماع راٰہ فی منامه اھ
(المسامرہ مع المسایرہ جلد ۲ ص۱۱۷ وص۱۱۸
طبع مصر)

گفتگو ہو رہی ہے بالکل ممکن ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حیات کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے اور اگر وہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ڈھانچے سے اُن اجزاء کو درست کر دے جن سے عذاب کا ادراک ہو سکے اگرچہ میّت درندں کے پیٹوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں ہو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ درندے وغیرہ کا پیٹ اس کے لیے قبر ہوگا اور اس سے بھی کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میّت سے عذاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں دیکھتا کیونکہ خوابیدہ شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے لیکن معہذا وہ تکالیف اور لذّات کا احساس کرتا ہے، اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے بعد بھی ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً وہ مار جو اس کو بحالت نیند پڑی اس کا درد اور منی کا خروج کہ بحالت نیند اس نے جماع کیا بیداری کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ماتن اور شارح کی اس طویل عبارت میں بھی یہی امر اُجاگر کیا گیا ہے کہ جس حیات کا قبر میں سوالِ نکیرین اور راحت اور عذاب کے لیے اثبات کیا جاتا ہے اس کے لیے ڈھانچے کا برقرار رہنا شرط اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ حیات اس کے بغیر بھی ثابت ہے اور اگر شرط بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اس کے اجزاء میں سے وہ ضروری اجزاء جمع کر دے جن میں ادراک و شعور رکھ دیا جائے، اگرچہ مُردے درندوں کے پیٹ میں ہوں یا سمندر کی تہ میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے؟ رہا یہ سوال کہ دیکھنے والوں کو میّت کا اٹھنا بیٹھنا حس و حرکت چیخ و پکار کچھ نظر نہیں آتا تو یہ بجا ہے لیکن اس سے ان واردات کا جو میّت پہ گذرتی ہیں انکار کرنا اور ان کا امتناع ثابت کرنا بالکل بے کار اور بے جا ہے کیونکہ کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات ایک خوابیدہ شخص کو خواب میں دشمن کی مار پڑتی ہے لیکن وہ بالکل ساکن رہتا ہے اور اس کو درد اور کرب باقاعدہ محسوس ہوتا ہے اور جاگنے کے بعد وہ بعض اوقات درد کا احساس اور شکایت بھی کرتا ہے اور اکثر اوقات بحالت نیند احتلام ہو جاتا ہے اور سونے والا مجامعت کرتا ہے

کی لذت محسوس کرتا ہے اور بظاہر وہ کوئی حرکت نہیں کرتا بلکہ بالکل ساکت اور ساکن نظر آتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو منی سے اس کا پاجامہ اور تہبند وغیرہ آلودہ اور پلید ہو چکے ہوتے ہیں اور اس پر غسل لازم ہو چکتا ہے تو کیا کوئی احمق یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اس کے پہلو میں بیدار تھے اس کو کب دشمن نے پٹیا یا مجامعت کے لیے اس نے کب حرکت کی اس لیے نہ تو اس پر غسل واجب ہے اور نہ اس کا بیان درست ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کاروائی روح اور جسم دونوں کے تعلق سے ہوتی ہے نہ صرف روح سے اور نہ تنہا جسم سے، پس اس ادنیٰ سی نظیر اور مثال سے قبر کا سوال اور عذاب وراحت بھی سمجھ میں آسکتی ہے، پھر آگے یہی ماتن وشارح معتزلہ وغیرہ کا استدلال نقل کر کے اس کا رد کرتے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وقد تمسك المنكرون للسوال وعذاب القبر ونعيمه وهم ضرار بن عمرو وبشر المريسي واكثر متاخري المعتزلة بان ذلك يقتضي اعادة الحيوٰة الى البدن لفهم الخطاب ورد الجواب وادراك اللذة والالم وذلك منتفٍ بالمشاهدة وذكر المصنف الجواب عن ذلك وتوضيحه، انا نمنع اقتضاء ذلك عود الحيوٰة الكاملة الى جميع البدن وغاية ما يقتضي اعادة الحيوٰة الى الجزء الذي به فهم الخطاب ورد الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل بجزء من باطن قلبه واحياء جزء لفهم الخطاب ويجيب ممكن مقدور عليه وامور البرزخ لا تقاس بامور الدنيا اھ

(المسامرة مع المسايرة جلد۲ ص۱۱۲)

ضرار بن عمرو، بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے جو قبر میں سوال عذاب اور راحت کے منکر ہیں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر یہ امور ثابت ہیں تو لازم آئے گا کہ بدن میں حیات لوٹائی جائے تاکہ میت خطاب سمجھے اور جواب دے سکے اور لذت وتکلیف کا ادراک کر سکے اور یہ چیز مشاہدہ سے منتفی ہے، مصنفؒ نے اس کا جو جواب دیا اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ حیات کاملہ تمام بدن کی طرف لوٹ آتی ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ ایسی جزء کی طرف حیات لوٹائی جاتی ہے جس سے فہم خطاب اور ردِ جواب متحقق ہو اور انسان مرنے سے پہلے سارے بدن سے تھوڑا ہی سمجھتا تھا بلکہ اس کے دل کے اندر ایک جزء تھی جس سے وہ سمجھتا تھا اور اس جزء کا زندہ کرنا جس سے فہم خطاب اور جواب دینا ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اور برزخ کے معاملات کو دنیا کے امور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس عبارت میں منکرین کے انکار کا اصل منشا بیان کیا گیا ہے کہ وہ قبر و برزخ اور آخرت کے امور کو اپنی نارسا عقل کی ترازو سے تولنا چاہتے ہیں، حالانکہ قبر اور برزخ کا معاملہ دُنیا کے معاملات سے الگ تھلگ اور جداگانہ ہے اس کا صحیح ادراک و شعور مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اس جہان میں تو صرف اس قدر ضروری ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے اور شک و شبہ کو قریب نہ آنے دیا جائے۔

علامہ ابو المظفر طاہر بن محمد الاسفرائنی (المتوفی سنہ ۴۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:-

واخبر انهم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور ما لا یحصی من الآی والاخبار والآثار (التبصیر ص۱۵۱ طبع مصر)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے خبر دی ہے کہ مُردے قبروں میں زندہ کیے جاتے ہیں اور مردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔

امام ابو الیسر محمدؒ بن محمدؒ بن عبد الکریم البزدوی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۴۹۳ھ) رقمطراز ہیں۔

مسألة - سوال منکر ونکیر فی القبر حق عند اهل السنة والجماعة وهما ملکان یسألان من مات بعد ما یحیی من ربک وما دینک ومن نبیک فیقدر المؤمن علی الجواب ولا یقدر الکافر وفیه احادیث کثیرة عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلّم فی هذا الباب ان الملکین یجیئان فی القبر الی المیت ویحیی الله المیت فیسألون عما ذکرنا وقد انکرت المعتزلة وعامة المبتدعة هذا انتهی

(اصول المبین ص۶۵ طبع القاهرة)

مسئلہ۔ قبر میں منکر اور نکیر کا سوال اہل السنة والجماعة کے نزدیک حق ہے اور وہ دو فرشتے ہیں جو مُردہ سے اُس کے زندہ کیے جانے کے بعد سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ مومن تو جواب پر قادر ہوتا ہے لیکن کافر جواب پہ قادر نہیں ہوتا اور اس باب میں آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلّم کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ دو فرشتے قبر میں میّت کے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالی میّت کو زندہ کر دیتا ہے پس وہ فرشتے ان اُمور مذکورہ کے بارے میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے سوال کرتے ہیں اور معتزلہ اور عام مبتدعین نے اس کا انکار کیا ہے۔

امام موصوف رہ کی اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ معتزلہ اور اکثر بدعتی قبر میں میّت کی حیات اور سوال کے منکر ہیں اور اہل السنت والجماعت حیات فی القبر اور سوال کے قائل ہیں۔

نیز موصوفؒ لکھتے ہیں کہ:-

فان قالوا تعذيب الميّت مستحيل فان الالم لا يحصل الا بالحياة فانه لا الم الا بالعلم ولا علم الا بالحيواة فنقول عند اهل السنة والجماعة يحييهم الله تعالى فيعذبهم وهم احياء فان قالوا الخلاف فى تعذيب الميّت وبه ورد الاخبار على زعمكم فانه روى يعذب الميّت ببكاء اهله فنقول اريد به يميت فى حقنا فان فى حقنا هو ميّت وكذا فى حق احكام الله تعالى ۔

ص۱۶۴)

اگر وہ یہ کہیں کہ مُردہ کو عذاب دینا محال ہے کیونکہ درد والم تو حیات سے ہوتا ہے اس لیے کہ علم کے بغیر کوئی الم نہیں ہوتا اور حیات کے بغیر علم نہیں ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالےٰ ان کو زندہ کرتا ہے اور زندہ کرنے کے بعد انکو سزا دیتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ اختلاف تو میّت کے سزا دینے میں ہے اور تمہارے زعم کے مطابق حدیثیں بھی اسی سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں کیونکہ وارد ہوا ہے کہ میّت کو اس کے اہل وعیال کے رونے سے سزا ہوتی ہے۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے حق میں وہ میّت ہے کیونکہ وہ ہمارے حق اور اللہ تعالیٰ کے احکام (تکلیفی) کے حق میں میّت ہے۔

یعنی چونکہ ہمارے اس جہان کے اعتبار سے اس کی زندگی محسوس نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے احکام نماز روزہ وغیرہ تکلیفی احکام کے لحاظ سے بھی وہ میّت ہے اس لیے اس کو میّت کہا جاتا ہے اور قبر و برزخ کے معاملہ میں وہ زندہ ہوتا ہے اس لیے اس کو عذاب و راحت کا ادراک و شعور باقاعدہ ہوتا ہے۔

فخر المناطقہ والفلاسفہ امام المتکلمین حضرت ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۵۰۵ھ) اپنی مدلل اور مشہور علم کلام کی کتاب میں عذاب قبر وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

واما عذاب القبر فقد دلت عليه قواطع الشرع اذ تواتر عن النبى صلى الله عليه وسلّم وعن الصحابة رضى الله عنهم بالاستعاذة منه فى الادعية واشتهر قوله عند المرور بقبرين انهما ليعذبان ودل عليه قوله تعالى وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا الآية وهو ممكن فيجب

بہر حال عذاب قبر کے اثبات پر شریعت حقّہ کی قطعی دلیلیں قائم ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر سے ثابت ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے اور آپ کی یہ حدیث بھی مشہور ہے کہ جب آپ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی دلیل ہے کہ فرعونیوں

تصديق به ووجه، امكانه ظاهر وانما كره المعتزلة من حيث يقولون انا نرى شخص الميّت مُشاهدة وهو غير معذب وان الميّت ربما تفترسه السباع وتأكله هذا هوسٌ اما مشاهدة الشخص فهو مشاهدة لظاهر الجسم والمدرك للعقاب جزء من القلب او من الباطن كيف كان وليس من ضرورة العذاب ظهور حركة في ظاهر البدن بل الناظر الى ظاهر النائم لا يشاهد ما يدركه النائم من اللذة عند الاحتلام ومن الالم عند تخيّل الضرب وغيره ولو انتبه النائم واخبر عن مشاهداته وآلامه ولذاته من لم يجر له عهد بالنوم لبادر الى الانكار اغترارا بسكون ظاهر جسمه كمشاهدة انكار المعتزلة لعذاب القبر واما الذي تأكله السباع فغاية ما في الباب ان يكون بطن السبع قبرًا فاعادة الحيوٰة الى جزءٍ يدرك العذاب ممكن فما كل متألم يدرك الالم من جميع بدنه واما سوال منكر ونكير فحق والتصديق به واجب لورود الشرع به وامكانه فان ذٰلك لا تستدعي منهما الا تفهيما بصوت او بغير صوت ولا يستدعي منه الا فهما ولا يستدعي الفهم الا الحياة والانسان لا يفهم

کو سخت عذاب نے گھیر لیا وہ آگ ہے جس پر صبح و شام ان کو پیش کیا جاتا ہے اور عذاب قبر ممکن بھی ہے لہٰذا اس کی تصدیق واجب ہے اور امکان کی وجہ ظاہر ہے، معتزلہ نے اس کا اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میّت کو عیاناً دیکھتے ہیں اور اس کو کوئی عذاب نہیں ہوتا اور بعض اوقات میّت کو درندے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں، لیکن یہ ان کا مَن بھاتا اور غلط نظریہ ہے کیونکہ مشاہدہ تو ظاہری جسم کا ہوتا ہے اور عذاب کا ادراک کرنے والی جزء دل یا باطن میں ہوتی ہے کچھ بھی ہو عذاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظاہری بدن پر بھی حرکت ہو بلکہ سونے والے شخص کے ظاہری جسم کو دیکھنے والا شخص اس لذّت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا جس کا احساس خوابیدہ کو احتلام کے وقت ہوتا ہے اور اس درد کا ادراک بھی بیدار شخص نہیں کر سکتا جس کا سونے والا مار پٹائی کے تخیّل سے احساس کرتا ہے اگر سونے والا شخص بیدار ہونے کے بعد اپنی تکالیف اور لذّات کے وہ مشاہدات جو اس پر گذرے ہیں کسی ایسے شخص کو بتلائے جو نیند کے اس ماجرا سے ناآشنا ہے تو وہ یقیناً اس کا فٹ انکار کر دیگا کیونکہ وہ تو بظاہر اس کے سکون جسم سے دھوکہ کھائیگا جیسا کہ معتزلہ نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر عذاب قبر کا انکار کر دیا ہے رہا وہ شخص جس کو درندے کھا گئے ہوں تو اس باب میں جو آخری بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ درندے کا پیٹ اس کے لیے قبر ہو جائے گا سو ایسی جزء کی طرف اعادہ حیواۃ جس سے ادراک عذاب ہو سکے بالکل ممکن ہے کیونکہ درد میں مبتلا ہر

بجميع بدنه بل بجزء من باطن قلبه واحياء جزء يفهم السؤال ويجيب ممكن مقدور عليه اهـ (الاقتصاد في الاعتقاد ص۹۷ طبع قاهره)

شخص تمام بدن سے درد کا ادراک نہیں کیا کرتا اسی طرح منکر ونکیر کا سوال بھی حق ہے اور اس کی تصدیق واجب ہے کیونکہ نکیرین کا سوال صرف اس بات کو چاہتا ہے کہ وہ آواز سے یا بغیر آواز کے اس کو مفہوم سمجھا دیں اور وہ اس کو سمجھ لے اور یہ فہم وعلم صرف حیات کو چاہتا ہے اور انسان تمام بدن سے نہیں سمجھتا بلکہ دل کے اندر ایک جزء سے سمجھا کرتا ہے اور ایسی جزء کا زندہ کر دینا جس سے وہ سوال سمجھے اور جواب دے سکے ممکن اور داخل تحت القدرت ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل روشن اور بے غبار ہے مزید تشریح کی حاجت نہیں۔

علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ويجوز ان يخلق الله تعالى في جميع الاجزاء او في بعضها نوعا من الحيوة قدر ما يدرك الم العذاب ولذة التنعيم وهذا لا يستلزم اعادة الروح الى بدنه ولا ان يتحرك ويضطرب اهـ (شرح عقائد ص۷۷)

اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے تمام اجزاء میں یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کا درد اور خوشی کی لذت کا ادراک کر سکے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ (مکمل طور پر) روح اس کے بدن کی طرف لوٹائی جائے اور نہ اس کو مستلزم ہے کہ وہ حرکت واضطراب اور جنبش بھی کرے۔

اس عبارت میں علامہ موصوفؒ نے اصولی طور پر دو امر ذکر کیے ہیں، اوّلؔ یہ کہ قبر میں میت کے تمام یا بعض اجزاء میں ایک گونہ حیات پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ قبر میں عذاب کا دُکھ اور خوشی وراحت کا سُکھ ادراک کر سکتی ہے اور سوال قبر اور عذاب وراحت کے لیے اتنی ہی حیات کافی ہے اور ایسی حیات جائز اور ممکن ہے اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے اور دوسرؔا یہ کہ میت میں کامل اور پوری حیات ہو جس طرح دُنیا میں تھی یا قیامت کو ہوگی اور جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اُٹھتا بیٹھتا۔ نقل وحرکت اور جنبش کرتا اور اختیاری افعال کرتا نظر آتا ہو، علامہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی کامل اور مطلق حیات قبر میں نہیں ہوتی اور معتزلہ وغیرہ کا شبہ بھی یہی تھا کہ اگر اس میں حیات ہے تو پھر اس کے آثار کیوں نظر نہیں آتے؟ اسی شبہ کا ازالہ علامہ موصوفؒ

نے کر دیا کہ یہ حیات قبر میں نہیں تاکہ تمہیں اس کے آثار اور علائم نظر آسکیں۔ علاوہ ازیں اگرچہ علامہ موصوفؒ کا معتزلہ کے جواب میں یہ ارشاد ایک حد تک کافی ہے، جس میں انہوں نے جسم کے تعلق سے ایک گونہ حیات تسلیم کی ہے لیکن علامہ عبد العزیز فرہارویؒ اس پر بھی مطمئن نہیں ہیں چنانچہ وہ علامہ تفتازانیؒ کے اس قول و ارشاد ولهذا لا یستلزم اعادة الروح فی البدن الخ پر گرفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح یعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجّه اھ (نبراس ص۳۲۳)

میرے نزدیک اس جواب میں کلام ہے وہ یہ کہ صحیح حدیثیں صراحت سے دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو پھر روح کے لوٹائے جانے کا انکار کر کے جواب کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

مطلب صاف ہے کہ علامہ تفتازانیؒ کا اعادۂ روح فی البدن کا انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے پھر اسی پر بحث کرتے ہوئے علامہ فرہارویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وحاصل الجواب ان الحیوٰة للمیت لیست کحیوٰة غیرہٖ باعادة الروح فی الجسد اعادة کاملة اھ (ص۳۲۳)

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کی زندگی دوسروں کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی کہ اس کے بدن میں روح پوری طرح لوٹائی جائے۔

یعنی بایں طور کہ روح بدن میں تدبیر و تصرف کرے اور حسی طور پر بدن خوراک، پانی اور لباس وغیرہ کا محتاج ہو جیسا کہ دنیا میں تھا روح کا بدن کی طرف اس طور پر اعادہ نہیں ہوتا اور پہلے حافظ ابن القیمؒ وغیرہ کی عبارتوں میں اس کی مزید تشریح گذر چکی ہے۔

علامہ شمس الدین الخیالیؒ معتزلہ وغیرہ کے اس سوال کا کہ میت کو جب درندے کھا چکے ہوں اور اس کے اجزاء ہی متفرق ہو چکے ہوں تو عذاب کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واما تعذیب المأکول بخلق نوع من الحیوٰة فی بطن الآکل فواضح الامکان کدودة فی الجوف وفی خلال البدن فانها تتألم وتتلذّذ بلا شعور منّا انتہٰی (الخیالی ص۱۱۸)

بہرحال جس میت کو کوئی جانور کھا گیا ہو اس کو بایں طور سزا دینا کہ کھانے والے کے پیٹ میں ایک گونہ حیات اس میں پیدا کر دی جائے اس کا روشن امکان ہے جس طرح کہ ہمارے پیٹ اور بدن کے (زخم کے) درمیان کوئی کیڑا ہوتا ہے اس کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور لذت بھی

مگر ہمیں بالکل شعور نہیں ہوتا۔

اگر عذاب صرف بدن کو ہوتا تو اس میں بخلق نوع من الحیواۃ ایک گونہ حیات تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح اگر محض روح کو عذاب ہوتا جیسے کہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ وغیرہ کا خیال ہے تو میت کو کھانے والے کے پیٹ میں کھائے ہوئے اجزاء میں ایک گونہ حیات ثابت کرنے کی حاجت بھی باقی نہ رہتی اور اگر صرف بدن مثالی کو عذاب ہوتا ہے تو وہ کھانے والے کے پیٹ میں نہیں جاتا اس کے پیٹ میں جس بدن کے اجزاء جاتے ہیں وہ تو جسد عنصری کے اجزاء ہیں عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے لیے یہ بات بالکل کافی ہوگی کہ یہ اکابر اجزاء بدن کی حیات اور ان کے معذّب ہونے کے لیے امکان بعید کو بھی نہیں چھوڑتے پھر کیا وجہ ہے کہ اگر سزا اور خوشی صرف بدن مثالی کو ہوتی ہے تو اس کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ کتب عقائد وفقہ کی تمام کتابوں کو چھان ڈالئے ایک حوالہ بھی جمہور اہل سنت کے طریق سے ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں سوال یا عذاب و آرام صرف بدن مثالی کو ہوتا ہے اگر یہ بات ان کے نزدیک کچھ بھی وزن رکھتی تو کم از کم احتمال ہی درجہ میں وہ اس کا ذکر کر دیتے یہ یاد رہے کہ علامہ خیالیؒ نے مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے یہ ایک مثال دی ہے ملا احمد جُندیؒ کا اس کو قیاس بنا کر یہ ارشاد فرمانا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ کیڑا جزو بدن نہیں ہوتا بلکہ اس سے ملابس ہوتا ہے (حاشیہ شرح عقائد مصری ص۱۱۵ بحوالہ ندائے حق ص۲۲۹) صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء عقائد نے تصریح کی ہے کہ بدن کے جو اجزاء کھانے والے کے پیٹ میں جاتے ہیں اور پھر وہ اجزاء بدن بنتے ہیں وہ زائد اور فالتو اجزاء ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ نہیں ہوتے چنانچہ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں والاجزاء الماکولۃ فضلۃ فی الاکل لا اصلیۃ (شرح عقائد ص۹۰) یعنی جو اجزاء کھائے جاتے ہیں اور کھانے والے کے پیٹ میں پہنچتے ہیں وہ زائد اور فالتو اجزاء ہیں (مثلاً گوشت اور چربی وغیرہ) اصلی اجزاء نہیں ہوتے۔ اور جن اجزاء کا قیامت کے دن اعادہ ہوگا یا جن اجزاء کے ساتھ قبر اور برزخ میں روح کا تعلق قائم کیا جاتا ہے وہ اجزاء اصلیہ ہیں گو وہ ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں جو پروردگار راکھ کے ذرات کو جمع کر کے ان سے انسان بنا کر اس سے سوال کر سکتا ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کھائے ہوئے تمام اجزاء کو بھی جمع کر کے ان سے انسان بنا سکتا ہے صرف مضبوط ایمان اور پختہ عقیدہ کی ضرورت ہے معتزلہ کے شکوک سے ہی آدمی لیس نہ ہو۔ چنانچہ مؤلف ندائے حق ص۱۶۲ میں مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ کی کتاب عقائد الاسلام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں جو حضرت

آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے ..... پس روح کا تعلق بعد از مرگ اپنی اجزاء اصلیہ اور ذرّات کے ساتھ ہے انتہیٰ بلفظہ لیکن یہ اجزاء نفس ناطقہ نَسَمہ نہیں کہلاتے جیسا کہ مولف ندائے حق کا ص۲۱۲ میں یہ وہم ہے نَسَمہ کے معنی روح کے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں اَلتَّتِمَّۃُ. بفتحات الروح (المسویٰ ج ۲ ص ۱۵۱) خیالی کے مشہور محشی علامہ ایوبیؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

واعلم ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة الاول[1] المیت حی فی قبره فیعذب وهذا هو مذهب اهل السنة والحق والثانی[2] انه جماد لا یعذب ولا یدرك العذاب وهذا هو مذهب جمهور المعتزلة والروافض والثالث[3] انه جماد یعذب وهذا مذهب الصالحیة من المعتزلة ومذهب ابن جریر اهـ (ص۱۱۸)

تو جان کہ مذاہب اس مقام میں تین ہیں پہلا[1] مذہب اہل سنت اور اہل حق کا ہے وہ یہ کہ میّت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے جس سے اس کو عذاب ہوتا ہے دوسرا[2] جمہور معتزلہ اور روافض کا مذہب ہے وہ یہ کہ میّت بالکل جماد ہوتی ہے نہ تو اس کو عذاب ہوتا ہے اور نہ ادراکِ عذاب اور تیسرا[3] مذہب معتزلہ کے صالحیہ فرقہ اور ابن جریر (کرامی) کا ہے وہ یہ کہ میّت میں روح بالکل نہیں ہوتی اور معہذا اس کو عذاب ہوتا ہے۔

یہ عبارت بھی بالکل صاف اور بے غبار ہے علمی طور پر اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

مولانا عبدالحکیمؒ بن شمس الدین سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) جو اپنے وقت کے متبحر محقق اور نکتہ رس عالم تھے، قبر میں حیات کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

لا یخفیٰ علیك ان لیس المراد بالحی ههنا ما یعاد فیه الروح ویصدر عنه الافعال الاختیاریة بل ما یدرك الالم واللذة فاذا خلق الله فیها ادراكًا یكون سببًا لادراك الالم واللذة یكون حیًّا لا جمادًا اهـ

(عبدالحکیم علی الخیالی ص۱۱۸)

یہ بات تجھ پر مخفی نہ رہے کہ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ زندہ نہیں جس میں (بکمالہ) روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں بلکہ ایسا زندہ مراد ہے جو دُکھ اور لذّت کا ادراک کر سکے جب اللہ تعالیٰ اس میں ایسا ادراک پیدا کر دے جو دکھ اور لذّت کے احساس کرنے کا سبب بن جائے تو وہ زندہ ہوگا نہ کہ جماد۔

مولانا سیالکوٹیؒ نے بھی وہی کچھ ارشاد فرمایا جو دیگر علماء عقائد اور متکلمین کہتے ہیں کہ عذاب اور آرام کا تعلق بدن مادی اور عنصری کے ساتھ ہے اور وہ بھی حیات کے بعد نہ بایں طور کہ وہ جماد کا جماد رہے اور

اس میں سرے سے حیات ہی نہ ہو ہاں یہ بات جدا ہے کہ زندہ سے اس مقام پر وہ زندہ مراد نہیں جس میں سو فیصدی روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال صادر ہوں کہ دوسرے لوگ بھی ان کا احساس کر سکیں جیسا کہ دنیا میں تھا یا قیامت کو ہوگا بلکہ زندہ سے اس مقام پر وہ زندہ مراد ہے جس میں ایسا ادراک و شعور پیدا کر دیا جائے جس سے اس کو عذاب و آرام اور الم و لذّت کا ادراک اور احساس ہو سکے جب یہ کیفیت اس میں متحقق ہو جائے تو وہ زندہ کہلائے گا نہ کہ جماد۔

مولانا عبدالعزیز فرہارویؒ لکھتے ہیں کہ :-

یکون حینئذٍ حیا لا جمادًا محضًا ولیس الحیوٰۃ منحصرۃ فیمن یفعل الافعال الاختیاریۃ ۔

(نبراس ص۳۲۱)

کہ اس وقت (روح کے تعلق سے) وہ زندہ ہوگا نہ کہ جمادِ محض اور حیات اسی میں منحصر نہیں ہے کہ اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوں۔

یعنی حیات فی القبر کے لیے افعال اختیاریہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس جہان کی زندگی میں وہ اس سے صادر ہوتے تھے۔

علم کلام کے مشہور محقق عالم علّامہ ابوشکور السالمیؒ (محمد بن عبدالسعید بن شعیب الکشیؒ) عذابِ قبر کی تحقیق کرتے ہوئے باطل فرقوں کو جواب دیتے ہوئے اثنائے کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ :-

فاذا کان الروح متصلا بالشخص سواء کان عظمًا او لحمًا او ترابا فانه یتألم اھ

(تمہید ص۱۲۵ طبع لاہور)

جب روح کا بدن سے تعلق ثابت ہے تو بدن کو الم اور دکھ پہنچے گا عام اس سے کہ بدن ہڈی یا گوشت یا مٹی ہو جائے۔

اس عبارت میں بھی بدن مادی اور عنصری کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ اس کو مدارِ کلام بنایا ہے۔

عالمِ ربانی محقق جلال الدین الدوانیؒ (المتوفی ۹۲۸ھ) عذابِ قبر کی بحث میں لکھتے ہیں کہ :-

واختلف الناس فی عذاب ثم اختلف هؤلاء فمنهم من اثبت التعذیب وانکر الاحیاء وهو خلاف العقل وبعضهم لم یثبت التعذیب بالفعل بل قال تجتمع الآلام فی جسده فاذا حشر احس بها دفعة وهذا انکار لعذاب القبر

عذابِ قبر کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، ایک قوم نے عذابِ قبر کا کلیۃً انکار کیا ہے (یہ لوگ ملحد ہیں عبدالحکیم علی الدوا ص۹۳) اور دوسرے عذابِ قبر کو تسلیم کرتے ہیں پھر ان میں بھی اختلاف ہے ان میں ایک فرقہ کہتا ہے کہ عذاب تو ثابت ہے لیکن مردہ کو زندہ نہیں کیا جاتا لیکن یہ قول

بالحقيقة ومنهم من قال باحيائه لكن من غير اعادة الروح ومنهم من قال بالاحياء واعادة الروح معًا ولا يلزم ان يرى اثر الحيوة فيه حتى ان المأكول في بطن الحيوانات يحيى ويسئل وينعم ويعذب ولا ينبغي ان ينكر لان من اخفى النار في الشجر الاخضر قادر على اخفاء العذاب والنعيم اهـ

(الدوانی علی العقائد العضدیۃ ص۹۳ طبع علیمی دہلی)

خلاف عقل ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فی الحال مُردہ کو عذاب نہیں ہوتا بلکہ تمام تکالیف کو اس کے جسم میں جمع کر دیا جاتا ہے جب قیامت کے دن اس کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت تمام تکالیف کا اس کو احساس ہوگا درحقیقت اس قول میں بھی عذاب قبر کا انکار ہے اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو زندہ کیا جاتا ہے مگر (بحالہٖ) روح اس میں نہیں لوٹائی جاتی اور چوتھا گروہ کہتا ہے کہ اس کو زندہ کیا جاتا ہے اور روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زندگی کا اثر اس میں دیکھا جا سکے یہاں تک کہ جس مُردہ کو حیوان کھا جائیں تو اس کو ان حیوانوں کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف دی جاتی ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں جو ذات سبز درخت میں آگ کو مخفی رکھ سکتی ہے، اس کو عذاب وراحت کو (مخلوق سے) چھپانے پر بھی قدرت ہے۔

محقق دوانیؒ نے اس عبارت میں عذاب قبر تسلیم کرنے والوں کے چار فرقے اور گروہ ذکر فرمائے ہیں، ایک کو تو خلاف عقل کہہ کر رد کر دیا ہے اور دوسرے گروہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ گروہ عذاب قبر کو تسلیم کرنے کے دعوے کے باوجود درحقیقت عذاب قبر کا منکر ہے اور تیسرے اور چوتھے گروہ کے مسلک کو نقل کر کے ان پر کوئی گرفت نہیں کی بلکہ چوتھے گروہ کی طرف سے دلیل بھی پیش کر دی ہے اور بظاہر محقق دوانیؒ اسی مسلک کے قائل معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اہل علم اسلوب کلام سے بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں۔ رہا تیسرا گروہ تو اس کو بھی وہ حق پر سمجھتے ہیں اس گروہ کا مسلک یہ ہے کہ مُردہ کو قبر میں زندہ تو کیا جاتا ہے مگر روح کا بحالہٖ اعادہ اس کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اسی حد تک ہوتا ہے جس سے اس کو الم و عذاب اور لذت و سرور اور جواب و سوال کا ادراک شعور اور احساس ہو سکے چنانچہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

قوله من غير اعادة الروح بل قدر ما يدرك

یعنی ان کے قول من غیر اعادہ الروح کا یہ مطلب

والم واللذۃ والجواب والسوال انتہیٰ

(عبدالحکیم ص۹۳ علی الدوانی)

ہے کہ اس قدر روح کا تعلق اس سے قائم کیا جاتا ہے جس سے وہ الم ولذت اور جواب وسوال کا ادراک کر سکے ۔

حضرت امام غزالیؒ اپنی مشہور متداول اور مفید کتاب احیاء العلوم میں موت کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ولا یبعد ان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعد ان تؤخر الی یوم البعث واللہ اعلم بما حکم بہ علی کل عبد من عبادہ وانما تعطل الجسد بالموت یضاہی تعطل اعضاء الزمن لفساد مزاج یقع فیہ وبسُدّۃ تقع فی الاعصاب تمنع نفوذ الروح فیہا فتکون الروح العالمۃ العاقلۃ المدرکۃ باقیۃ مستعملۃ لبعض الاعضاء وقد استعصی علیہا بعضہا اھ

(احیاء العلوم جلد۴ ص۴۰۹ طبع مصر)

اور اس میں کوئی بُعد نہیں کہ قبر میں جسم کی طرف (فی الجملہ) روح لوٹائی جائے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ (بکمالہ) جسم کی طرف روح کے لوٹانے کو قیامت تک مؤخر کیا جائے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو اس کو وہ بخوبی جانتا ہے موت کی وجہ سے جسم کے معطل ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے فساد مزاج یا اعصاب میں سُدّہ آجانے کی وجہ سے اعضاء مفلوج اور شل ہو جاتے ہیں اور دوران خون اور نفوذ روح میں رکاوٹ آجاتی ہے حالانکہ روح جو علم و عقل اور ادراک سے متصف ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے بعض اعضاء اس کے تصرف میں ہوتے ہیں اور بعض شل ہونے کی وجہ سے اس کا اثر قبول نہیں کرتے ۔

یعنی جس طرح مفلوج اور شل اعضاء بظاہر دوسرے اعضاء کی بہ نسبت بے حس و حرکت معلوم ہوتے اور سوکھے اور پتلے نظر آتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ کلیۃً روح کا تعلق ہی ان سے منقطع ہو جاتا ہے، ہاں یہ بھی درست ہے کہ جس طرح روح کا تعلق دیگر اعضاء صحیحہ سے ہوتا ہے وہ فالج زدہ اور شل اعضاء سے نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ روح باوجود مکمل کوشش کے مفلوج اعضاء میں پورا اثر نہیں کر سکتی بس اسی طرح موت کے بعد جسم کی مثال ہے کہ روح کا جسم سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق دنیوی تعلق سے الگ اور حس سے بالاتر ہے۔

اور حافظ بدرالدین العینی الحنفیؒ لکھتے ہیں :۔

ومن يعذب فی القبر توضع فيه الحيوٰة علیٰ الصحيح وان اختلفوا فی كيفيتها اھ
(عینی شرح کنز ص ۱۶۳)

اور جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے صحیح مذہب کے رُو سے اس میں زندگی رکھی جاتی ہے اگرچہ اس زندگی کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔

علامہ نیشاپوریؒ (المتوفی سـ‍ـ‍ـہ) شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

ثم ان اكثر المفسرين علیٰ انهم احياء فی الحال فمن الجائز ان يجمع الله تعالیٰ من اجزاء الشهيد جملة فيحييها ويوصل اليها التنعيم وان كانت فی حجم الذرة فيری معظم جسد الشهيد ميتا فلا يحسّ بحياته اھ
(تفسیر نیشاپوری بہامش طبری ج ۲ ص ۳۴ طبع مصر)

اکثر مفسرین کرامؒ اس کے قائل ہیں کہ شہداء فی الحال زندہ ہیں تو یہ امر بالکل ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے جسم کے اجزاء کا ایک حصّہ جمع کر کے اس میں حیات ڈالدے اور اس کو راحت پہنچائے اگرچہ وہ حصّہ ذرّہ برابر ہو اور شہید کا باقی تمام جسم مردہ نظر آئے اور اس کی حیات کا احساس نہ ہو سکے۔

اس عبارت میں بھی یہ حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ قبر و برزخ میں حیات کا یہ مطلب نہیں کہ دیکھنے والوں کو اس حیات کا احساس ہو اور نہ یہ مطلب ہے کہ بقدرِ ضرورت حیات کے لیے جسم مادی سے قطع نظر درست ہے، اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ شہید کے مادی اور عنصری جسم کے اعضاء سے ایک ایسا حصہ جمع کر دے جس میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے چاہے وہ حصّہ ذرّہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور راحت و نعمت کا تعلق اس سے وابستہ کر دیا جائے، اور امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۱۰ھ) اپنی فقہ کی مشہور کتاب الکافی شرح الوافی میں عذابِ قبر کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

فانه ثابت عند اهل السنة وان اختلفوا فيما بينهم فقال بعضهم نؤمن باصل العذاب ونسكت عن الكيفية لان الواجب علينا تصديق ما ورد به السنة المستفيضة وهو التعذيب بعد الموت فنؤمن به ولا نشتغل بكيفيته و عند العامة توضع فيه الحيواة بقدر ما يتألم لا الحيواة المطلقة وقيل توضع فيه الحيواة

عذابِ قبر اہلِ سنت کے نزدیک ثابت ہے اگرچہ (اس کی کیفیت کے بارے میں ان کا) آپس میں اختلاف ہے بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم نفسِ عذاب کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی کیفیت سے خاموشی اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سنت مشہورہ سے جو چیز ثابت ہے اس کی تصدیق کریں اور وہ مرنے کے بعد عذاب ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے

من كل الوجه اھ

(بحوالہٗ مائة مسائل ص۴۲)

اور اکثر کے نزدیک میت میں اس انداز کی حیات ڈالی جاتی ہے جس سے اس کو سزا کا ادراک ہو سکے کامل حیوٰۃ اس میں نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں من کل الوجہ زندگی ڈالی جاتی ہے۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ محمد بن عابدین الشامیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ولا يرد تعذيب الميّت فى قبره لانه توضع فيه الحيوٰة عند العامة بقدر ما يحس بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة بل تجعل الحيوٰة فى تلك الاجزاء المتفرقة لا يدركها البصر اھ

(شامی جلد ۳ ص۲۰۱ طبع مصر)

اور یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ میت اور بے جان کو قبر میں سزا کیسے دی جاتی ہے، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اس میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف کا احساس کر سکتی ہے اور ڈھانچے کا باقی رہنا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے بلکہ یہ حیات ایسے اجزاء متفرقہ میں پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکتی۔

یعنی حیات کا تعلق ان اجزاء سے قائم کیا جاتا ہے، جو مادی اور عنصری جسم سے وابستہ ہوتے ہیں اگرچہ وہ اجزاء پریشان ہی کیوں نہ ہوں اور نگاہ بھی ان پر نہ پڑ سکے۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

فان قيل بعض الاحاديث الصحاح تدل على ان ارواح المؤمنين حتى الانبياء وارواح الكفار كلها فى القبور كما ورد فى حديث البراءؓ الطويل يقول الله تعالى فى حق المؤمن اكتبوا كتاب عبدى فى عليين واعيدوه الى الارض فانى منها خلقتهم وفيها اعيدهم ومنها اخرجهم تارة اخرى فيعاد روحه فى جسده وكذا

پس اگر یہ کہا جائے کہ بعض صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنوں کی روحیں بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اور کفار کی جملہ روحیں قبور میں ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت براءؓ کی طویل حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ مومن کے حق میں فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نامۂ عمل علیین میں لکھدو اور اُسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے انکو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی

قال فی الکافر فیعاد روحه فی قبره قال ابن عبدالبرؒ هذا اصح ماقیل وقد رأی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم موسیٰ علیه السلام فی قبره یصلی لیلة اسری به وانه صلی اللّٰه علیه وسلّم قال من صلّی علیّ عند قبری سمعتهٗ ومن صلی علیّ غائبًا بلغتهٗ فکیف التطبیق قلنا وجه التطبیق ان مقرا رواح المومنین فی علیین او فی السماء السابعة ونحو ذٰلك کما مرّ ومقرا رواح الکفار فی سجین ومع ذٰلك لکل روح منها اتصال بجسده فی قبره لایدرك کُنهه الا اللّٰه تعالیٰ وبذلك الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ویحس اللذة اوالالم ویسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر ونحو ذٰلك مما ثبت بالکتاب والسنة کما ان جبرائیل علیه السلام مع کون مستقره من السمٰوٰت کان یدنو من النبی صلی اللّٰه علیه وسلّم حتیٰ یضع یدیه علیٰ فخذیه قال الشعبی فی بحر الکلام هی متصلة باجسادها فتعذب الارواح ویتألم الاجساد منها کالشمس فی السماء ونورها فی الارض واللّٰه تعالیٰ اعلم (تفسیر مظهری جلد۱ ص۱۲۴ وص۱۲۵)

میں ان کو لوٹاؤنگا اور اسی سے انکو دوبارہ نکالونگا۔ پس روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روح قبر میں لوٹائی جاتی ہے ....

امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح بات ہے جو کہی گئی ہے اور معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر غائبانہ درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے تو ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں کہ اس طرح پہ ہے کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور کفار کی ارواح کا ٹھکانا سجین ہے لیکن بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے۔ جس کی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنّت یا دوزخ کا پیش کیا جائے اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سُنے اور منکر ونکیر کو جواب دے اور اسی کی مانند اور اُمور جن کا کتاب وسُنت سے ثبوت ہو چکا ہے جس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام کا مستقر آسمانوں میں ہے اور معہذا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتنے قریب ہو جاتے تھے حتیٰ کہ اپنے دونوں ہاتھ آپ کی رانوں

پر رکھتے تھے امام شعبیؒ (اپنی کتاب) بحر الکلام میں فرماتے ہیں کہ ارواح اجسام کے ساتھ متصل ہوتی ہیں سو انکو عذاب دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اجسام بھی درد محسوس کرتے ہیں جس طرح کہ سورج آسمان پہ ہے اور اس کی روشنی زمین پہ پڑتی ہے واللہ اعلم۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی یہ عبارت بڑی واضح اور ہر لحاظ سے معنی خیز ہے اس کی مزید تشریح و تفسیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس عبارت سے ان مختلف احادیث کی آپس میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے اور غیر بالغ نظریں ان کے جمع کرنے میں ٹھوکریں کھاتی ہیں مثلاً ایک آپ نے اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ محدثین کرامؒ کی تصحیح کے ساتھ پڑھی ہے کہ قبر میں جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے۔ (فتعاد الروح فی جسدہ) اور دوسری طرف یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں کہ شہیدوں اور مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں مثلاً ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (المتوفی سنہ ۳۲ھ سے یوں آتی ہے کہ کچھ لوگوں نے ان سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الآیۃ کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ :۔

انا قد سالنا عن ذٰلك فقال ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنّة حیث شاءت (الحدیث) (مسلم جلد ۲ ص ۱۳۵)	ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں اور ان کے لیے عرش پہ قندیلیں لٹکتی رہتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتی پھرتی ہیں۔

سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ ان کے لیے سواری اور مرکب ہوتے ہیں جیسے دنیا میں لوگ ہوائی جہاز اور کار وغیرہ کے اندر داخل ہو کر سفر کرتے ہیں تناسخ پہ اس سے استدلال کرنا جیسا کہ بعض زائغین نے کیا ہے قطعاً باطل ہے۔ اور اسی طرح ان سواریوں کو ابدان مثالیہ قرار دینا جیسا کہ مؤلف اقامۃ البرہان نے ص ۹۹ میں کیا ہے باطل ہے اور اس کے بطلان کے لیے علماء متکلمین اور حضرات فقہاء کرامؒ کے وہ صریح حوالے کافی ہیں جن سے جسد عنصری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

اور ایک حدیث حضرت کعبؓ بن مالک (المتوفی سنہ ۵۰ھ) کی ہے :۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قال نسمة المؤمن طیر یعلق فی شجرة الجنة حتّٰی یرجعه اللّٰہ الی جسدہ یوم یبعثہ۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۵ وسنن ابن ماجہ ص ۳۱۶ موطا امام مالک ص ۹۲ واللفظ لہ وموارد الظمآن ص ۱۹۵)

آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندوں کی طرح اُڑتے ہوئے جنت کے درختوں سے کھاتی ہے یہاں تک کہ اللّٰہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف اس کو لوٹائے۔

لفظ نَسمہ جسم اور روح دونوں پر اور اسی طرح روح ہوائی پر اور صرف تنہا روح پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ مجمع البحار ص ۱۶۵ میں ہے وعلی الروح المفردة بحوالہ ندائے حق (ص ۲۸) اور حضرت شاہ ولی اللّٰہ صاحبؒ نے بھی نسمہ کے معنی روح کے کئے ہیں چنانچہ اس کتاب میں دوسری جگہ ان کا حوالہ مذکور ہے اور خود مؤلف ندائے حق ص ۲۷ میں لکھتے ہیں کہ عموماً نسمہ کے معنی روح کے کئے جاتے ہیں الخ چونکہ اس حدیث میں جسد کا لفظ مستقل طور پر موجود ہے اس تقابل کے لحاظ سے یہاں نسمہ کے معنی روح ہی زیادہ مناسب ہیں حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ وغیرہ نے نسمہ کے جو اور معنی بیان کیے ہیں اپنے مقام پر وہ بھی درست ہیں لیکن یہاں نسمہ سے روح ہی مراد ہے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور عام مومنوں کی روحیں جنّت میں ہوتی ہیں تو بظاہر ان متعارض روایات کو پیش نظر رکھ کر قاضی ثناء اللّٰہ صاحبؒ نے محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر جنّت ہو یا علیین یا ساتواں آسمان کچھ بھی ہو مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجساد کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے لذت اور کلفت کا احساس اور ادراک ان کو ہوتا ہے اور اسی ادراک و شعور کے ساتھ وہ منکر و نکیر کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور اسی اتصال کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سنتے (اور جواب دیتے) ہیں ہاں ان ارواح کا اجسام کی طرف مکمل طور پر لوٹایا جانا اور بکمالہ اعادہ قیامت کے دن ہی ہوگا اور موطا امام مالکؒ کی روایت کے آخر میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے (حتی یرجعه اللّٰہ الی جسدہ یوم یبعثہ)

حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

حتّٰی یرجعه اللّٰہ فی جسدہ ای یردہ الیه کاملاً فی بدنه اھ (مرقات ج ۴ ص ۱۳ طبع ملتان)

حتی یرجعه اللّٰہ فی بدنه کا یہ مطلب ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کامل طور اس کی روح اس کے بدن میں (قیامت کے دن) لوٹائیگا۔

مولانا حسین علی صاحبؒ اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

یعنی بجمیع جسدہٖ یوم یبعثہ، وھو یوم القیمۃ (تحریرات حدیث ص۲۰۹)

یعنی تمام جسد کے ساتھ روح کا تعلق اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ اس کو کھڑا کریگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔

علامہ الشیخ سلیمان بن سحمانؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وقد تقرر ان الاموات لا یساوون الاحیاء فی وجہ من الوجوہ اذ الموت غیر الحیوٰۃ المعھودۃ وماثبت لھم من الحیوٰۃ فھی برزخیۃ غیر الحیوٰۃ المعھودۃ فی الدنیا فمن اراد بھا الحیوٰۃ المعھودۃ فی الدنیا التی تقوم فیھا الروح بالبدن وتدبرہ وتصرفہ، ویحتاج معھا الی الطعام والشراب واللباس فھذا خطاء ظاھر والحس والعقل یکذبہ کما یکذبہ النص واما من اراد حیوٰۃ اُخرٰی غیر ھذہ الحیوٰۃ بل تعاد الروح الیہ اعادۃ غیر الاعادۃ المألوفۃ فی الدنیا لیُسئل ویمتحن فی قبرہٖ ویرد السلام علی المسلمین فھذا حق ونفیہ، خطأ وقد دل علیہ النص الصحیح الصریح وھذہ الحیوٰۃ متفاوتۃ فحیوٰۃ الانبیاء اکمل من حیوٰۃ الشھداء وحیوٰۃ الشھداء اکمل من حیوٰۃ غیرھم وھذہ الحیوٰۃ حیوٰۃ برزخیۃ لا یعلم کنھھا الا اللہ اھ (البیان المبدی لشناعۃ القول المجدی ص۱۰۲ طبع امرتسر)

بلاشبہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مُردے کسی وجہ سے بھی زندوں کے مساوی نہیں ہیں کیونکہ موت معہود حیات کے غیر ہے اور جو زندگی اموات کے لیے ثابت ہے وہ برزخی حیات ہے جو معہود دنیوی زندگی کے غیر ہے سو جس شخص نے مُردوں کی زندگی سے دُنیا کی معہود زندگی مراد لی بایں طور کہ روح بدن کا قوام اس کی تدبیر اور اسمیں تصرف کرے اور اس کی وجہ سے بدن خوراک پانی اور لباس کا محتاج ہو تو یہ نظریہ بالکل خطا ہے نصّ کی طرح حِس و عقل بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اگر اس زندگی کے علاوہ اور زندگی مراد لے کہ بدن کی طرف روح تو لوٹائی جائے لیکن دنیا کی معہود زندگی کی طرح اعادہ نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ تاکہ اس سے قبر میں سوال و امتحان ہوسکے اور وہ سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دے سکے تو یہ حق ہے اور اس کی نفی غلط ہے اور اس پر نصِ صحیح اور صریح دلالت کرتی ہے اور یہ زندگی درجہ بدرجہ ہے، سب سے اکمل حیات انبیاء علیہم السلام کی پھر شہداء کی اور پھر دوسروں کی ہے اور یہ زندگی برزخی ہے جس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

امام عبدالوہاب الشعرانی لکھتے ہیں کہ :-

وقول الجلال المحلى السابق فترد روح المعذب الى جسده كله اوما بقي منه اشارة للخلاف فى ذلك فان الحليمى يقول ترد الروح الى جسده كله وابن جرير الطبرى و امام الحرمين يقولون ترد الروح الى مابقي منه اهـ (اليواقيت والجواهر جلد ۲ ص۱۲۹ طبع مصر)

جلال الدین محلیؒ کے سابق قول میں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ جس شخص کو سزا دی جاتی ہے اس کے سب بدن میں یا باقی حصّہ کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس میں اختلاف ہے کیونکہ علامہ حلیمیؒ کہتے ہیں کہ روح پورے بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور امام ابن جریر طبریؒ اور امام الحرمینؒ فرماتے ہیں کہ روح بدن کے اس حصّہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے جو باقی رہتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن جریر طبریؒ فی الجملہ الروح الی البدن کے قائل ہیں)

رئیس المحدثین ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :-

ثم لاهل السنة قولان قيل ان العذاب للروح فقط وقيل للروح والجسد والمشهور الثاني اختاره اكثر شارحي الهداية وهو المختار وان صار البدن ذرّة ذرّة فان الشعور لكل شئ عند جمهور الامة وتفرد ابن حزم الاندلسي وقال لا شعور الا للثقلين وقال الصوفية العذاب للبدن المثالي اهـ (العرف الشذى ص۳۵۵)

پھر اہل سنّت کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مشہور یہی قول ہے اور ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک بھی) یہی مختار ہے اگرچہ بدن ذرّہ ذرّہ ہی کیوں نہ ہو جائے کیونکہ جمہور امّت کے نزدیک شعور ہر چیز کو ہے ابن حزم اندلسی اس میں متفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ کسی چیز میں شعور نہیں ہے اور صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے۔

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اہل سنت کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قبر میں عذاب صرف روح کو ہوتا ہے، آپ پہلے باحوالہ پڑھ چکے ہیں کہ کشتیٔ اہل سنت پر سوار ہونے والوں میں علامہ ابن حزم اندلسیؒ اور ابن ہبیرہؒ (یا ابن جبیرہؒ) ہی اس کے قائل ہیں اور باقی سب اہل سنّت ان کا پر زور رد کرتے ہیں جیسا کہ امام

ابن تیمیہؒ علامہ ابن القیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ عرض کیا گیا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ اس عبارت میں اکثر شراح ہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ روح اور جسم دونوں کے معذّب ہونے کے قائل ہیں اور اسی کو انہوں نے اختیار کیا ہے اور یہی قول مشہور ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں وھو المختار اور فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲ میں اسی ثانی قول کے متعلق فرماتے ہیں والاقرب عندی الثانی ۔ یعنی میرے نزدیک اقرب الی الحق یہی ثانی قول ہے۔

اور حضرت انور شاہ صاحبؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ :-

ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ فی الایمان اھ (فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۵)

پھر سوال میرے نزدیک جسم سے ہوتا ہے جو روح سے متعلق ہو جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رہا حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد — تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودند ۔ (حل مشکلات قرآن ص ۱۳) یہ حوالہ ندائے حق ص ۲۳۵ میں دیا گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کا بدن سے ایسا تعلق جو بدن کی تدبیر اس کی نشوونما اور اس میں تصرف کرے جس پر حیات کاملہ مرتب ہوتی ہے قبر میں وہ تعلق روح کا بدن سے اصلاً نہیں رہتا باقی قبر میں سوال ادراک و شعور عذاب و راحت کی حد تک روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کو وہ اقرب اور مختار فرماتے ہیں اور ہمارے خیال میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ الفاظ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے الفاظ کی نقل ہے جس کی بحث پہلے باحوالہ گذر چکی ہے۔

نیز حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

حکایۃ ۔ سمعت ببلدتی کشمیر وانا اذذاک ابن اربع سنین ان رجلین تکلما فی ان العذاب ھل یکون للجسد او للروح ؟ فاستقر رأیھما علیٰ ان العذاب لھما ثم ضربا لہ مثلاً فقالا ان مثل الجسد مع الروح کمثل اعمیٰ واعرج ذھبا الی حدیقۃ لیجنوا من ثمارھا فعجز الاعمیٰ

حکایت ۔ میں چار سال کا تھا کہ میں نے اپنے علاقہ کشمیر میں دو آدمیوں کو عذاب کے بارے کلام کرتے سنا کہ کیا عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟ ان دونوں کی رائے اس پر ٹھہری کہ عذاب دونوں کو ہوتا ہے پھر دونوں نے اس کی مثال بیان کی وہ اس طرح کہ جسم اور روح کی ایسی ہی مثال ہے جیسے اندھا اور لنگڑا جو دونوں ایک باغ میں گئے تاکہ وہاں سے پھل چنیں

ان يراها وعجز الاعرج ان يجنيها فتشاورا في امرهما فركب الاعرج على الاعمى فجعل الاعمى يذهب به الى الاشجار والاعرج يرى الثمار ويجنيها فهذا هو حال البدن مع الروح فان البدن بدون الروح جماد لاحراك له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الى الآخر فلما اشتركا في الكسب اشتركا في الاجر والوزر ايضاً وبعد مرور خمس وثلاثين سنة رأيت في القرطبي عن ابن عباس رض عين ما قاله من فطرتها فانظر هل يمكن مثله من نحو ارسطو؟ كلا ثم كلا

(فیض الباری ج ۳ ص ۱۱۵)

لیکن اندھا دیکھنے سے عاجز تھا اور لنگڑا (کھڑا ہو کر) پھل چننے سے قاصر تھا دونوں نے آپس میں اس بارے مشورہ کیا اور لنگڑا اندھے (کے کندھے) پر سوار ہو گیا اندھا اس کو درختوں کی طرف لے جاتا اور لنگڑا پھل دیکھ کر چن لیتا یہی حال ہے بدن کا روح کے ساتھ کیونکہ بدن روح کے بغیر جماد ہے اس میں کوئی حرکت نہیں اور روح بغیر بدن کے افعال سے معطل ہے اس لیے ایک کو دوسرے کی حاجت ہے جب بدن اور روح کسب میں دونوں شریک ہیں تو اجر یا گناہ میں بھی شریک ہیں پینتیس ۳۵ برس گذرنے کے بعد میں نے یہی بات حضرت ابن عباس رض کے حوالے سے تفسیر قرطبیؒ میں دیکھی جو ان دو آدمیوں نے اپنی فطری ذوق سے کہی تھی تو دیکھ لے کیا ایسی چیز ارسطاطالیس وغیرہ (یونانی حکماء) سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں پھر ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو غضب کی ذہانت اور حافظہ عطا فرمایا تھا گو یہ واقع انہوں نے چار سال کی عمر میں سُنا لیکن بخاری شریف پڑھاتے وقت وہ علم کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زن تھے لہذا اس مبنی بر حقیقت واقعہ سے پہلو تہی کرنا عقلاء کی شان کی خلاف ہے یہ واقعہ تفسیر قرطبی ج ص کے علاوہ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۳۲۸ اور کتاب الروح ص ۲۲۷ میں بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

مفتی اعظم دیوبند کا فتویٰ: حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے اسی سلسلہ کے چند سوالات ہوئے جن کے انہوں نے جوابات دیے ذیل میں بعض سوال وجواب درج ہیں سوال ۲۱۲۲ زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ سوال ۲۱۲۳ مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟

الجواب (۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصل اس کا علیین یا سجین ہے۔ (۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے فقط۔

(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل جلد پنجم ص ۲۲۶ وص ۲۲۷ طبع دیوبند)

سوال ۲۱۹۴ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے؟ الجواب جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے۔ فقط۔ (فتاوٰی دار العلوم ج۵ ص۲۶۲)

حضرت شاہ صاحبؒ اور پھر مفتی اعظمؒ کی عبارات سے جس جسم کا ثبوت ملتا ہے وہ جسم عنصری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم و بصیرت سے یہ مخفی نہیں ہے مؤلف ندائے حق کا از ص۲۲۳ تا ص۲۳۶ متعدد عبارات (جن میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت نانوتویؒ کی بھی ایک عبارت ہے)، نقل کر کے جو اصل مسئلہ سے غیر متعلق ہیں یہ باور کرانا یا مبتدی طالب علموں کو ورغلانا کہ قبر میں حیات جسم عنصری سے متعلق نہیں یا روح کا اس جسم سے تعلق نہیں صرف دفع الوقتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے صاحب ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یوں ہے کہ:۔

ومن یعذب فی القبر یُوضع فیہ الحیوٰۃ فی قول العامۃ (ھدایہ جلد۲ ص۴۸۴)

جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے تو عام علماء کے قول کے مطابق اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔

فقہاء کرامؒ کے طبقہ میں صاحب ہدایہ (الامام الفقیہ الزاھد علیؒ بن ابی بکرؒ — المتوفی ۵۹۳ھ) کا مقام اور پایہ بہت بلند ہے ان کے بعد آنے والے فقہاء ان کے علم و تحقیق اور دیانت و امانت اور زہد و تقوٰی پر کلی اعتماد کرتے ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ ارشاد دراصل مشہور اعتراض کا جواب ہے۔ چنانچہ علامہ اکمل الدین محمد بن محمودؒ البابرتی الحنفیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قولہ ومن یعذب جواب عما یقال قولکم ان الایلام لا یتحقق فی المیت یشکل بعذاب المیّت فی القبر وقیّد بقول العامۃ احترازاً عن قول ابی الحسین الصالحی فان المیت عندہ یعذب من غیر حیوٰۃ ولا یشترط الحیوٰۃ لتعذیب المیّت انتہٰی۔ (عنایہ برھامش فتح القدیر جلد۴ ص۹۹ طبع مصر)

صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ جس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے الخ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب درد و الم میّت میں متحقق نہیں ہو سکتا تو قبر میں میّت کو عذاب کس طرح ہوگا؟ (تو اس کا جواب یہ دیا کہ قبر میں میّت میں حیات ڈالی جاتی ہے اکثر کا یہی قول ہے) اور اکثر کی قید اس لیے لگائی کہ ابو الحسین الصالحی (صالحیہ فرقہ کے سربراہ) کے قول سے احتراز کرنا مقصود ہے کیونکہ اس کے نزدیک میّت کو بلا شرطِ حیات سزا دی جاتی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ۔ اس سوال کو بھی نظر انداز نہیں کرتے کہ جسم جب ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کو عذاب دینے کا کیا مطلب ہو گا؟ جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

ولا بُعد فی تعذیب الجسد بعد تمزقه فانه یبنیٰ علیٰ عدم الشعور فی الجمادات وهو فی حیّز الخفاء۔

(فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۶)

اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ جسم ریزہ ریزہ ہو جاتے اور بایں ہمہ اس کو عذاب دیا جاتا رہے اس کے خلاف نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ جمادات میں شعور نہیں اور یہ خیال محل نظر ہے۔ بعض علماء جمادات میں شعور مانتے ہیں اور قول اسی پر مبنی ہے جبکہ جمہور اس نظریہ کے قائل نہیں کما مرّ عن الخیالیؒ۔

الغرض حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں سوال اور عذاب وراحت میں روح کے ساتھ جسم بھی شریک رہتا ہے اور یہی بات حق اور مختار ہے، عرف شذی کی عبارت کے آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے صوفیاءؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عذابِ قبر جسم مثالی کو ہوتا ہے (جو جسد مادی اور عنصری کے اندر داخل ہوتا ہے) اگر جسد عنصری اور مادی ریزہ ریزہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جسم مثالی تو موجود ہے، گویا صوفیائے کرامؒ نے جسم مثالی کو لے کر ان لوگوں کو جواب دینے کی سعی کی ہے جو جسد مادی اور عنصری کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد عذاب کو اس کے لیے مستبعد سمجھتے ہیں اس مشکل سے صوفیائے کرامؒ نے بزعم خود جان چھڑانے کا یہ سہل طریقہ اختیار کیا ہے لیکن صحیح حدیث مع شواہد، علماء عقائد، شراح حدیث اور فقہاء عظام کی صریح عبارات باحوالہ عرض کی جا چکی ہیں کہ قبر میں سوالِ نکیرین اور عذاب وراحت کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جو بدن اور بدن کے اجزاء شریک ہوتے ہیں وہ بدن مادی اور بدن عنصری ہے بالتبع اور ضمنی طور پر بدن مثالی بھی شریک ہو تو ہو مگر جب دلائل اور براہین سے بدن مادی اور عنصری ثابت ہے، جس کے بارے میں متعدد صریح حوالے پہلے عرض کئے جا چکے ہیں تو صوفیاء کرامؒ کے نرے بدن مثالی کو قبر میں عذاب وراحت کے لیے ثابت کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہاں اگر ان سابق دلائل میں بدن مادی کا ذکر نہ ہوتا یا علماء عقائد میں سے کسی ایک نے بھی صرف بدن مثالی کا تذکرہ کیا ہوتا تو پھر اس پر غور کیا جا سکتا تھا مگر ان دلائل کی موجودگی میں اس نظریہ کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ صوفیاء کرامؒ کے اس مسلک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ثم لا حاجة فی اثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفیة ان العذاب علی البدن المثالی

پھر اثبات عذاب قبر کے لیے اس بات کی کوئی حاجت نہیں جس کو صوفیاء کرامؒ بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی

دون المادی وحینئذٍ لا بعد ان لم نشاهد احداً یعذب فی قبره فان الاسهل ان یقال انه من عالم الغیب واقامة الدلائل العقلیة علیه جهل ومن یطیق ذٰلک؟ اھ

(فیض الباری جلد ۲ ص ۴۷۶)

کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو لہذا اگر قبر میں ہم کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا حرج ہے؟ (کیونکہ ہم تو بدن مادی کو دیکھتے ہیں اور عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے) عذاب قبر کے بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب اس عالم میں دیا جاتا ہے جو ہماری نگاہوں سے غائب ہے اور اس پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا نرا جہل ہے اور پھر یہ کس کے بس کا روگ ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے تو صوفیاء کرامؒ کے اس بے دلیل قول کو صرف رد ہی کیا ہے لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بعض صوفیاء کرامؒ کے عذاب و ثواب قبر کے بارے میں اس بدن مثالی کے رد میں فاروقی جوش بھی دکھاتے ہیں، چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

نزد فقیر قول بنقل روح از قول بتناسخ ساقط تر است زیرا کہ تناسخ را از برائے تکمیل نفوس اعتبار کردہ اند اگرچہ ایں اعتبار باطل است و نقل روح را بعد از حصول کمال گمان بردہ اند اگرچہ ہیچ کمال نیست ہرگاہ تبدل ابدان از برائے تحصیل کمالات قرار دادہ باشند بعد از حصول کمال نقل ببدن ثانی برائے چہ بود؟ اہل کمال تماشائی نیستند ہمت ایشاں بعد از حصول کمال تجرد از ابدان است نہ تعلق بابدان زیرا کہ آنچہ مقصود از تعلق بودہ ست بحصول پیوستہ و ایضاً در نقل روح اماتت بدن اول است و احیاء بدن ثانی است پس بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذر نہ و بدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات می نمایند حشر در حق او در دنیا

فقیر کے نزدیک روح کے (بسوئے بدن ثانی حصولِ کمال کے لیے) انتقال کا قول تناسخ کے قول سے بھی ساقط تر ہے کیونکہ انہوں نے تناسخ کو نفوس کی تکمیل کے لیے اعتبار کیا ہے اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور روح کے انتقال کا گمان حصولِ کمال کے بعد کیا ہے اگرچہ یہ کچھ بھی کمال نہیں ہے جب انہوں نے ابدان کا تبدل کمالات کی تحصیل کے لیے قرار دیا ہے تو کمال کے حصول کے بعد دوسرے بدن کی طرف نقل کس لیے؟ اہل کمال کوئی تماشا تو نہیں (کہ بدن پر بدن کا سین بدلتے رہیں) ان کی ہمت تو حصولِ کمال کے بعد ابدان سے تجرد ہے نہ کہ ابدان سے تعلق کیونکہ تعلق سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا ہے اور نیز روح کے انتقال سے پہلے بدن (یعنی مادی وعنصری) کی اماتت اور دوسرے کی احیاء ہوتی ہے سو پہلے بدن (عنصری) کو احکام برزخ کے حصول سے تو کوئی چارہ نہیں اور عذاب و ثواب سے

ثابت گشت (و آں خلاف مقررات عقائد اہلسنت است) انگارم کہ معتقدانِ نقلِ روح معلوم نیست کہ بعذاب و ثواب قبر قائل باشند و بحشر و نشر معتقد بوند افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطالاں خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلّوا فاضلّوا اھ

(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۸ صـ ۲۶ طبع امرتسر)

کوئی مخلص نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب وہ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کے حق میں دنیا ہی میں حشر ثابت ہو گیا (اور یہ اہل السنت کے ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے) بہر حال معلوم نہیں کہ نقل روح کے معتقد کیا قبر کے عذاب و ثواب کے قائل ہیں؟ اور حشر و نشر کے معتقد ہیں! افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے مسخرے اپنے آپ کو بزرگی کے منبر پر براجمان سمجھتے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوتے ہیں سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر میں جو عذاب و ثواب ہوتا ہے اس میں بدنِ اول یعنی بدن عنصری کی پوری مشارکت ہوتی ہے اور اس بدن کو اس سے کوئی چارہ نہیں اور یہ بدنِ اول روح کا آلہ بن کر قبر کے عذاب و ثواب میں برابر کا شریک ہے اور احکام برزخ و قبر میں اس بدنِ اوّل کا برابر دخل ہے اور اس سے اس کے لیے کوئی مخلص نہیں ہے۔ اور اہل کمال کو جب بدنِ اوّل کی وجہ سے کمال حاصل ہو گیا تو اُن کو کسی اور بدن کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: مؤلف تسکین القلوب نے صـ ۹۳ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدن مبارک کے ساتھ روح اطہر کے عدم تعلق پر حضرت مجدد الف ثانی رح کی اس عبارت میں خط کشیدہ عبارت کو درمیان اور کمر سے پکڑ کر استدلال کیا ہے حالانکہ یہ عبارت تو عوام الناس کے بدنِ اول یعنی بدن عنصری کی روح کے ساتھ عذاب و ثواب میں مشارکت بتلا رہی ہے جب عوام کے حق میں ایسا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا بدن اطہر سے تعلق کیوں نہ ہوگا؟ اور معاذ اللہ تعالیٰ وہاں لا تعلق کیسے ثابت ہوگی؟

اور حضرت مجدد صاحب رح دوسرے مقام پر عالم مثال کی بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

عذاب قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت

(مکتوبات دفتر سوم صـ ۵۸)

عذاب قبر عالم مثال کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے نہ کہ عذاب کی صورت اور اس کی مثال اور شبیہ۔

اور ایک اور مقام پہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

و آنچہ او علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات از

اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ پر اور آپ کی

احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است از عذاب گور و ضغطۂ آن و سوال منکر و نکیر دراں و فنائے عالم و انشقاق سموٰت و انتثار کواکب و برداشتن زمین و کوہہا و پارہ پارہ شدن اینہا و حشر و نشر و اعادۂ روح بجسد و زلزلۂ ساعت و ہول قیامت و محاسبۂ اعمال و شہادت جوارح باعمال مکتسبہ اھ

(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۶۷ ص ۴۵)

اہل پر صلوات و تسلیمات ہوں) احوالِ آخرت کی جو خبر دی ہے وہ سب حق ہے مثلاً عذابِ قبر، قبر کی تنگی، قبر میں مُنکر نکیر کا سوال۔ جہان کا فنا ہونا۔ آسمانوں کا پھٹ جانا۔ ستاروں کا بکھر جانا۔ ستاروں کا بکھر جانا۔ زمین اور پہاڑوں کا اپنی جگہ سے اُٹھ جانا۔ اُن کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔ حشر و نشر۔ اعادۂ روح بجسد۔ قیامت کا زلزلہ۔ قیامت کا ہولناک منظر۔ اعمال کا محاسبہ اور اعضاء کا اپنے کئے ہوئے اعمال کے بارے میں گواہی دینا (وغیرہ وغیرہ)

اس عبارت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حرفِ واؤ کے ساتھ جس میں ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ صرف جمع کے لیے آتا ہے مرنے کے بعد کے اُن متعدد اُمور کا تذکرہ فرمایا ہے جن کی خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے دی ہے جن میں عذاب قبر۔ قبر کی تنگی۔ سوالِ مُنکر و نکیر اور اسی طرح دیگر متعدد اُمور کے علاوہ اعادۂ روح بجسد کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے اور اس جملہ میں حدیث کے اُن الفاظ کو ادا کیا گیا ہے جو فتعاد روحہ فی جسدہ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں، اور یہ ارشاد قبر کے عذاب و ثواب کے بارے میں عام مُردوں کے متعلق ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ الانبیاء یصلون فی قبورھم جیسا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر یہ حوالہ آئیگا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایسی اور اتنی واضح تصریحات... کے باوجود بھی اگر کوئی شخص یہ بے بنیاد دعویٰ کرے کہ حضرت مجددؒ صاحب عام لوگ تو درکنار، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہیں تسلیم کرتے ان پہ ایک افتراء اور علم و انصاف کا خون کرنا ہے، جو انصاف اور علم کی دُنیا میں سرے سے قابلِ سماعت ہی نہیں ہے۔

فائدہ: ہم نے تسکین الصدور میں یہ دعوے کیا تھا کہ کسی اسلامی کتاب میں اس کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روح مبارک کا آپؐ کے جسد اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے (محصلہ) اس کا جواب نہ تو مؤلف ندائے حق دے سکے ہیں اور نہ کوئی اور مؤلف تسکین القلوب نے ص ۹۳ و ص ۹۴ میں پہلے یہ لکھا ہے کہ۔ مناسب

تو یہ تھا کہ ایک لمبی بحث لکھ کر مولوی صاحب کو یہ تنبیہ کر دی جاتی کہ زندگی بھر آئندہ ایسا دعویٰ نہ کریں اھ صـ ۹۳ اور اس کے بعد اپنے اس بے بنیاد دعویٰ پر تین عبارتیں بطور دلیل کے پیش کی ہیں (۱) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست اھ جس کی پوری تشریح ہم نے خود ان کی اپنی عبارات کی روشنی میں عرض کر دی ہے (۲) حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی وہ خط کشیدہ عبارت جو اوپر بیان ہوئی جس سے ان کے دعویٰ کا ردّ ثابت ہوتا ہے (۳) حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے مکتوبات ج ۳ صـ ۱۲۷ کی وہ عبارت جس کا ان کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس عبارت میں انہوں نے تصوف کے رنگ میں ولایت محمدی اور ولایت احمدی کا ذکر کیا ہے اس میں قبر شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روح مبارک کے جسد اطہر سے عدم تعلق کا قطعاً اور یقیناً کوئی ثبوت نہیں یہ الگ بات ہے کہ مؤلف تسکین القلوب نے اس عبارت کے ترجمہ میں جگہ جگہ بین القوسین اپنی ذہنی تشریح کو داخل کر کے بزور اپنا مطلب کشید کرنے کی ناکام کوشش اور کاوش کی ہے اور آخر میں بات ٹالنے اور جان چھڑانے کے لیے یوں ارشاد فرمایا ہے وتشرحہ مقام آخر گویا ان کے نزدیک جہاں بیان اور شرح کی انتہائی ضرورت ہے وہ بیان کا مقام ہی نہیں لیکن اگر بالفرض اس عبارت سے مؤلف تسکین القلوب کی مراد ہی لی جائے تو مندرجہ ذیل امور کا جواب ان کے ذمہ لازم ہے ۱ اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ لیکن اثر اس تعیین (تعلق بالبدن) کا کچھ باقی تھا ہزار سال چاہیئے کہ وہ اثر زائل ہو الخ صـ ۹۴ اس سے معلوم ہوا کہ ہزار سال تو آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روح مبارک کا تعلق بدن مبارک سے رہا اگر زائل ہوا تو بعد کو ہوا تو ان کو یہ لازم ہے کہ دعویٰ یوں کریں کہ ہزار سال کے بعد تعلق منقطع ہوا ۲ وہ عام اموات کے ارواح کے ان کے ابدان عنصریہ کے ساتھ تعلق قائم رہنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کے مطابق فتویٰ دے چکے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا معاملہ اس فتویٰ سے الگ ہے؟ (۳) خود مؤلف تسکین القلوب نے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے مجہول الکنہ تعلق تسلیم کیا ہے کیا انہوں نے حضرت مجددؒ صاحبؒ کی اس عبارت کی خلاف ورزی نہیں کی؟ یا یہ راقم کے لیے وقف ہے کہ صـ ۱۱۲ میں لکھا کہ اس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رائے گرامی ٹھکرا دی (محصلہ) للہ کچھ تو فرمایئے کہ بات کیا ہے تسکین الصدور کا چیلنج ابھی تک برقرار ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک رہے گا اس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔

الغرض عذاب اور راحت قبر کے بارے میں بدن مثالی کا قول جن حضرات نے اختراع کیا ہے وہ محض معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کے قوی اشکال سے ایک مخلص ہے اور بلا ضرورت ہے عذاب و ثواب جو کچھ ہے وہ بدن

مادی اور عنصری سے وابستہ ہے اور جمہور محدثین و متکلمین اور فقہاء اسی کے قائل ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے اور حدیث سے بھی یہی کچھ ثابت ہے، رأس الموحدین حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) عذاب اور راحت قبر پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فیجوز ان یقع المسئلة والعذاب والنعیم ببعض جسد المؤمن والکافر دون بقیة اجزائه وقیل ان الله یجمع تلک الاجزاء المتفرقة للضغطة وللمسئلة کما یفعل ذٰلک للحشر (تحریرات حدیث ص۲۵۷)

سو جائز ہے کہ قبر میں سوال و عذاب اور راحت مومن اور کافر کے بعض جسم سے وابستہ اور متعلق ہو نہ کہ سب اجزاء سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر کی تنگی اور سوال کے لیے ان متفرق اجزاء کو جمع کر دیتا ہے جیسا کہ وہ حشر کے دن ایسا کرے گا۔

علم کلام کی مشہور اور متداول کتابوں کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ قبر میں روح کا جسم سے اس قدر تعلق کافی ہے جس سے فہم خطاب اور رد جواب متحقق ہو اور الم و راحت کا ادراک و شعور ہو سکے اور اس کے لیے تمام جسم کی حیات ضروری نہیں بلکہ اگر روح کا تعلق باطن قلب یا بدن مادی کے اجزاء سے پروردگار کو منظور ہو قائم کر دے تو مطلب پورا ہو جاتا ہے انہی عبارات کے پیش نظر حضرت مرحوم بعض جسد المؤمن و الکافر کی قید لگاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ عذاب و آرام صرف روح کو ہوتا ہے یا محض بدن مثالی کو جب مطلق لفظ جسد بولا جاتا ہے تو شرعاً و عقلاً و عرفاً اس سے بدن مادی اور عنصری ہی مراد ہوتی ہے اگر بدن مثالی کی مشارکت بھی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کما مرّ مگر ہاں یہ زندگی دنیا کی حسّی حیات سے جدا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وفی الجملة رد الروح علی المیت فی البرزخ ورد السلام علی من یسلم علیه لا یستلزم الحیاة التی یظنها بعض الغالطین وان کان نوع حیاة برزخیة وقول من زعم انها نظیر الحیوٰة المعهودة مخالف للمنقول والمعقول الخ (الصارم المنکی ص۱۸۷)

اور خلاصہ یہ ہے کہ برزخ میں میّت کی طرف روح کا لوٹنا اور اس کا سلام کرنے والوں کو جواب دینا اس حیات کو مستلزم نہیں جس کو بعض مغالطہ کا شکار ہونے والوں نے سمجھا ہے اگرچہ یہ برزخ کی حیات کی ایک قسم ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ (دنیا کی) معہود زندگی کی طرح ہے ان کا قول نقل و عقل کے مخالف ہے۔

کیونکہ نہ تو اس میں میّت کی حیات محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ جنبش و حرکت کرتی ہے اور ایسی زندگی جس کو کامل اور مطلق حیات کہتے ہیں وہ قبر اور برزخ میں نہیں ہوتی۔ ایسی زندگی دنیا میں ہوتی ہے اور پھر آخرت کو ہوگی۔

قارئین کرام! ہم نے اس باب میں آپ کا خاصا وقت لیا ہے، حوالے اگرچہ ابھی اور بھی کافی موجود ہیں۔ مگر ہمارا مقصد تمام حوالوں کا استیعاب نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ صریح اور صحیح حدیث کی روشنی میں ائمہ دینؒ، متکلمینؒ، فقہاءؒ اور شراح حدیث نے جو کچھ سمجھا وہ یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کا سوال اور عذاب و راحت بدن مادی و عنصری اور اس کے اجزاء اور روح دونوں سے وابستہ ہے اور صرف روح یا صرف بدن کی سزا کے جمہور اہل اسلام ہرگز قائل نہیں ہیں صرف روح کے عذاب کے علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ یا ابن ہبیرہؒ قائل ہیں اور جمہور ان کے خلاف ہیں اور بدن من غیر روح کے معذب ہونے کے محمد بن جریر کرامی اور ان کے اتباع قائل ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ دعوے کرے کہ جس عذاب و ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث و آثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے۔ یا یہ کہے کہ، ہمارا عقیدہ ہے کہ مردہ کا بدن خواہ ریزہ ریزہ ہو جائے تب بھی عذاب قبر بغیر روح کے ہے۔ تو قطعاً یہ قول مردود ہوگا اور یہ دونوں قول جمہور اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں اور یہ دلائل کے رو سے غلط ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے۔

غیر مقلدین حضرات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر بعض غیر مقلدین حضرات کے اقوال بھی عرض کر دیں کہ قبر و برزخ میں حیات کا تعلق جسم سے متعلق ہوتا ہے اور یہ حیات صرف روح ہی کی نہیں ہوتی:۔

(۱) محمد بن علی بن محمد المعروف بہ القاضی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وورد النص فی کتاب اللہ تعالیٰ فی حق الشہداء انہم احیاء یرزقون وان الحیواة فیہم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین اھ (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۴ طبع مصر)	اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں صراحت سے شہداء کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انکو رزق ملتا ہے اور بلاشبہ یہ حیات ان کے جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی حیات بطریق اولیٰ اجسام سے متعلق ہوگی۔

قاضی صاحبؒ نے اس عبارت میں تصریح کر دی ہے کہ حضرات شہداءؒ کی حیات محض روحانی ہی نہیں بلکہ حیات ان کے اجساد و اجسام سے متعلق ہے، اور یہی کچھ قاضی صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

معنی الآیة عند الجمہور انہم احیاء حیواة محققة ثم اختلفوا فمنہم من یقول انہا ترد	اس آیت کا معنی جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ شہداء کو حقیقی حیات حاصل ہے پھر اس کی تعبیر میں اختلاف

ایهم ارواحهم فی قبورهم فیتنعمون وقال مجاهد یرزقون من ثمر الجنة ای یجدون ریحها ولیسوا فیها وذهب من عدا الجمهور الی انها حیاة مجازیة والمعنی انهم فی حکم اللّٰہ مستحقون للتنعم فی الجنة والصحیح هو الاوّل ولا موجب للمصیر الی المجاز اھ

(تفسیر فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۶۵ طبع مصر)

واقع ہوا ہے، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ قبروں میں ان کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں اور ان کو راحت پہنچائی جاتی ہے۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ان کو جنت کا رزق ملنے کا یہ معنی ہے کہ وہ جنّت کے پھلوں کی خوشبو محسوس کرتے ہیں نہ یہ کہ ان کو حاصل ہوتے ہیں اور جمہور کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی حیات مجازی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جنّت کے عیش کے مستحق ہوتے ہیں لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور مجازی معنی لینے کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اور پھر آگے یُرْزَقُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

والمراد بالرزق ههنا هو الرزق المعروف فی العادات علی ماذهب الیه الجمهور کما سلف۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۶۵)

اس مقام پر رزق سے وہ رزق مراد ہے جو عادۃً لوگوں کے ہاں رزق معروف ہے۔ اور اسی کے جمہور قائل ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

ان عبارات میں قاضی صاحب موصوفؒ نے شہداء کے لیے حقیقی حیات اور اس کے لوازمات تسلیم کئے ہیں لیکن اس کا تعلق چونکہ درحقیقت اس عالم سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے اوجھل ہے اس لئے اگر کسی شہید کی قبر میں ہمیں حقیقی حیات اور اس کے آثار اور رزق اور اس سے ان کا انتفاع محسوس نہیں ہوتا تو یہ کوئی انکار کی بات نہیں آخر اس جہان میں جنّات بھی ہیں اور فرشتے بھی ہیں لیکن باوجود موجود ہونے کے وہ ہمیں نظر نہیں آتے تو کیا معاذ اللہ ان کا انکار کر دینا چاہئے؟ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ہی لحاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آرام فرما ہوتی تھیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آکر آپ کو وحی سُنا جاتے تھے اور حضرت عائشہؓ کو آپ کے بتلائے بغیر اطلاع تک نہ ہوتی تھی حتّٰی کہ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سلام کی خبر بھی نہ ہوئی اور وہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو میرا سلام ارشاد فرمائیں کیونکہ آپ کو وہ نظر آتے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتی۔ اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ

خرق عادت کے طور پر شہداء کی حیات کے کچھ آثار مادی نگاہوں کو بھی دکھا دے تو باعث تعجب تو ہو سکتا ہے گر محل انکار نہیں، حضرت امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) اپنی کتاب مؤطا میں (جو کتب حدیث کے طبقۂ اولی میں شمار ہوتی ہے) یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو سلمہ کے دو بزرگ انصاری حضرت عمروؓ بن الجموح اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا کچھ عرصہ کے بعد پہاڑی نالے نے اپنا رخ اُن کی قبر کی طرف موڑ دیا اور ان کی قبر کا ایک حصہ بہ گیا بامر مجبوری۔

حفر عنهما ليغيرا من مكانهما فوجدا
م يتغيرا كانهما ماتا بالامس وكان
حدهما قد جرح فوضع يده على جرحه
فدفن وهو كذلك فاميطت يده عن
جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت
كان بين احد وبين يوم حفر
عنهما ست واربعون سنة۔

(موطا امام مالك ص۱۷۷)

انکی قبر کو کھودا گیا تاکہ ان کو وہاں سے منتقل کر دیا جائے جب قبر کھودی گئی تو وہ بالکل صحیح و سالم تھے گویا کہ کل ان کی وفات ہوئی ہے اور ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا سو اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پہ رکھ رکھا تھا اور اسی حالت میں ان کو دفن کر دیا گیا تھا قبر سے نکالنے کے بعد ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا دیا گیا اور کھلا چھوڑ دیا گیا مگر وہ ہاتھ پھر بدستور زخم پہ جا ٹکا غزوۂ احد اور ان کی قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس ۴۶ سال کا عرصہ گذرا تھا۔

جسم عنصری کے ساتھ حیات شہداء کی یہ ایک بیّن مثال اور واضح دلیل ہے مگر یہ ضروری اور قاعدہ نہیں کہ ہر وقت ہر شہید سے ہر ایک کو ایسی حالت نظر آئے ہاں قدرت خداوندی سے ایسے واقعات بعید نہیں ہیں کہ کسی وقت وہ لوگوں کے ایمان و ایقان بڑھانے کے لیے ایسا دکھلا دے۔

۲) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) احوال برزخ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

جملہ اموات از مؤمنین و کفار از حصول علم
شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد جواب
زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست

(دلیل الطالب ص۸۸۶)

اور تمام مُردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم، شعور، ادراک، سُننے اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ زیارت کنندہ اور مُردوں پر سلام کہنے والا جنت اور دوزخ یا علیین اور سجین میں

ارواح کے پاس زیارت کرنے اور سلام کہنے نہیں جایا کرتا وہ اگر زیارت کرتا ہے تو جسّی قبر کی کرتا ہے اور اگر سلام کہتا ہے تو اس قبر کے پاس جس میں میت کا جسمِ مادی اور بدنِ عنصری مدفون ہوتا ہے اور بقول نواب صاحب رحؒ میّت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک وشعور ہو جاتا ہے۔ اور اس صفت میں مؤمن وکافر سب برابر ہیں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اگر روح کا جسم سے کوئی تعلق نہ ہو تو بے جان ڈھانچے کو ادراک وشعور کیسے ہو جاتا ہے اور وہ سلام کیسے سنتا ہے اور جواب کیونکر دیتا ہے؟ اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ روح کے جسم سے انفصال (خروج) یا علیحدہ ہونے کے بعد جسم انسانی زندگی کی تمام صلاحیتوں یعنی حس وحرکت نطق وسماع اور بینائی وغیرہ سے یکسر محروم وبالکل قاصر یا محض ایک مجسّمہ اور ڈھانچہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی کتاب وسنّت کا متفقہ فیصلہ اور اہل السنت والجماعت کا مسلّمہ مسلک ہے کہ روح اور جسم کا جو انفصال یا علیحدگی بصورتِ موت واقع ہوئی ہے یہ تا قیامت باقی رہیگی الخ

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ کتاب وسنت اور اہل سنت والجماعت کے اکابر کا فیصلہ قطعاً اس کے خلاف ہے جو گذشتہ اوراق میں باحوالہ گذر چکا ہے۔ اور ان غیر مقلد صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے۔

باب پنجم

وفات[1] حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام قطعی امر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جاندار مخلوق کے لیے جو محکم اور اٹل فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ :۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط (پ۴۔ آل عمران) ہر نفس موت چکھنے والا ہے۔

اور اس ضابطہ سے کوئی مستثنیٰ نہیں نہ پیغمبر اور نہ شہید اور نہ کوئی اور جلد ہو یا بدیر ہر ایک پر موت وارد ہو کر رہیگی۔

---

[1] حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی دامت برکاتہم کا ارشاد گرامی قدر جو ملتان میں علماء کرام کے سامنے انہوں نے لکھا۔

موت الانبیاء علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کو پیدا فرمایا۔ اس دنیا میں کسی کو دوام نہیں۔ آیۃ کریمہ **كل من عليها فان** کے مطابق ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، ہر آدمی کو مرنا ہے، اس سنۃ اللہ سے کوئی ولی اور کوئی نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بھی ارشاد فرمایا اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (اے پیغمبر بلاشبہ آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی موت آنی ہے) چنانچہ اس ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا بھی وصال ہؤا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی تجہیز وتکفین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کا خلیفہ منتخب فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سازش سے بچا کر اللہ تعالیٰ نے دوسرے آسمان پر اٹھالیا جو اب تک (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ گھڑی آکر رہی بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ابھی تک آسمان دوم پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید مینار پر صبح کے وقت نازل ہوں گے اور دجّال لعین کو قتل کریں گے پھر چالیس[۴] سال تک زمین پر حکومت کریں گے اس کے بعد

(**صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ**) زندہ ہیں اور قرب قیامت میں تشریف لاکر دجّال کو قتل کرکے چالیس سال زندہ رہیں گے، اور آخر کار وفات پاکر مدینہ منوّرہ میں روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔

بہرحال كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے قاعدہ کلیہ سے کوئی آدمی، جن، ولی اور نبی مستثنیٰ نہیں ہے۔ نہ اس میں کسی کو اختلاف ہے، نہ بحث، البتہ دو باتوں میں بحث ہے، ایک یہ کہ مرنے کا معنیٰ کیا ہے، اس کا طریقہ کیا ہے۔ اور کیا سب کی موت ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے یا کچھ فرق بھی ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں پھر زندگی ہوتی ہے یا نہیں وہاں روح کا کوئی تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے یا۔

پہلی بات موت کا مفہوم۔

عرفِ عام میں موت جان نکل جانے کا نام ہے یعنی جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں۔ علماء نے موت کا معنیٰ کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جائے۔ قرآن وحدیث کے نصوص و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے۔ آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے۔ پھر اپنی مقرر جگہ پر رکھی جاتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قبر کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ مگر جب تک ہم روح کی حقیقت نہ جان لیں اور یہ نہ سمجھ جائیں کہ جسم میں روح کے داخل ہونے یا تعلق رکھنے کی کیفیت کیا ہے ہم اس کے نکل جانے اور تعلق منقطع ہونے کا مطلب بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اور جب ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں ہے تو اس کی صفات وافعال کا ادراک عقل سے کیسے کیا جاسکتا ہے۔

موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کرسکتی لیکن یہ انقطاع تعلق کیسے ہوتا ہے۔ عام لوگوں میں کہا جاتا ہے کہ انقطاع تعلق یوں ہوتا ہے کہ روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ عام خیال یہی ہے۔

موت کا دوسرا مفہوم

مگر انبیاء علیہم السلام کی موت کے بارہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک میں دفن کیے جائیں گے۔ (علی الترتیب ملاحظہ ہو مسلم جلد ۲ ص ۴۰۱ ومسند طیالسی ص ۳۳۵ ووفاء الوفا ج ۱ ص ۳۹۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّہُمْ مَّیِّتُوْنَ ۝ (پ ۲۳ - الزمر ۲)

صفحہ گزشتہ کا بقیہ حاشیہ) ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی ذاتی صفت[1] ہے اور اوروں کی عارضی۔ اس لیے پیغمبروں سے حیات کا انقطاع نہیں ہوتا۔ اور نہ روح نکلتی ہے۔ بلکہ جسم سے سمٹ کر دل میں مرکوز ہو جاتی ہے اس طرح اس کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جسم میں عام دنیوی زندگی کی طرح تصرفات نہیں کرتی نہ دنیوی امور میں مشغول اور نہ مکلف ہوتی ہے روح کے سمٹ جانے سے جسمانی حواس معطل ہو جاتے ہیں یہی انبیاء علیہم السلام کی موت ہے۔ جس کے بعد وہ اوروں کی طرح دنیا سے منقطع ہو کر اوروں کی طرح قبروں میں دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں اسی روح سے ان کے مبارک اجسام میں ادراک و احساس موجود ہوتا ہے۔ حضرت مولانا اپنی اس تحقیق کو اوروں پر ٹھونسنا نہیں چاہتے فرماتے ہیں کہ موت کا اقرار تو ضروری ہے جیسے کہ آیات میں موت واقع ہو جانے کی خبر قبل از وقت دی گئی تھی۔ مگر انبیاء کی موت کا وقوع اس طرح پر ہوا کرتا ہے۔

قطب زماں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حضرت مولانا نانوتویؒ کی تحقیق کی داد دی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص فہم و ذکا عطا فرمایا تھا، جب ہم قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر نظر کرتے ہیں۔ (تو) مولانا نانوتویؒ کی تائید (ہوتی ہے)

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی	اللہ روحوں کو موت کے وقت قبض کرتے ہیں اور جن کو موت نہیں
لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضیٰ	ہوتی انکو (بھی) سوتے وقت قبض کر لیتے ہیں، پھر جس کی موت
علیہا الموت ویرسلُ الاُخریٰ۔	کا فیصلہ کیا ہو اس کو روک لیتے ہیں اور دوسری (قسم کی روح)
(پ ۲۴، سورۂ زمر ۲)	کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ نے تصریح فرما دی ہے کہ روح جیسے موت کے وقت قبض ہوتی ہے اسی طرح نیند کی حالت میں بھی قبض ہوتی ہے۔ پھر موت والی روک دی جاتی ہے اور نیند والی چھوڑ دی جاتی ہے۔ گویا روح نیند میں بھی قبض ہوتی ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ سونے والا سانس لیتا ہے۔ زندہ سمجھا جاتا ہے۔ اور روح (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر

---

[1] یعنی اوّلاً و بالذات حیات دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو بالعرض اور آگے حضرت مولاناؒ کے بیان میں آرہا ہے کہ یہ حیات اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔

بے شک تجھے بھی مرنا ہے اور وہ بھی مرجائیں گے۔

اور دوسرے مقام پہ یوں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۔ (پ۱۷، الانبیاء ۳۰) پھر کیا اگر تو وفات پا جائے تو وہ رہ جائیں گے ؟

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) اس کے اندر موجود سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ پہلے روح قبض کی جاتی ہے بعد میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ روح کا تعلق و اتصال سب امور متشابہات میں سے ہیں انکی صحیح کیفیت کے بارہ میں کوئی جزم سے نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اگر حضرت مولانا نانوتویؒ کے ارشاد کے مطابق اگر روح سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاع تعلق یا قبض روح سمجھا جائے اس میں کونسا اشکال لازم آتا ہے۔ سکتہ کی بیماری میں بسا اوقات سانس تک نہیں چلتا نہ نبض چلتی ہے نہ دل کی حرکت محسوس ہوتی ہے پھر بھی بیمار زندہ ہوتا ہے۔ اور روح اس کے اندر سمجھی جاتی ہے۔ بہر حال قرآن پاک نے موت کی خبر دی ہے، اس کے وقوع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، البتہ موت تعطل حواس اور انقطاع تعلق کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ روح نکل جائے، ایک یہ ہے کہ سمٹ جائے جیسے ایک کمرے میں چراغ جل رہا ہے اس پہ برتن اوندھا کر کے رکھ دیا یا اس کو صندوق میں بند کر دیا بس اس کا تعلق کمرے سے منقطع ہو جاتا ہے۔

دوسری بات، قبر کی زندگی

عام اہل اسلام کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں بعضوں کو عذاب بعضوں کو راحت ہوتی ہے اس عذاب قبر وغیرہ کا ماننا تواتر کی وجہ سے ضروری ہے، اسی لیے یہ ماننا پڑتا ہے کہ قبر میں میت کو راحت و تکلیف کا احساس و ادراک ہوتا ہے۔

مگر انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ قریب سے درود و سلام سنتے اور اس کا جواب بھی دیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی جا رہی ہے۔

بعض اصحاب کی کم علمی

یہاں سے ان حضرات کی کم علمی واضح ہو جاتی جو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شرک قرار دیتے ہیں۔

شرک تو تب ہوتا کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو اس کے گھر کی ہو پھر اس پہ کبھی موت طاری نہ ہو مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پہ)

اور ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی اس طرح ہے کہ :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ الآية ۔

اور نہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) مگر رسول بے شک ہو چکے اُن سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ وفات پاجائے یا شہید کردیا جائے تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں

(پ ۴ - آل عمران، ۱۵)

ان تمام آیات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات بھی ایک قطعی اور حتمی امر ہے جس کی ان آیات میں قبل از وقت خبر دی گئی اور کتب احادیث میں متعدد صحیح اور صریح روایات اس پر دال ہیں کہ قُبِضَ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اور تُوُفِّیَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اور حضرت امام بخاری رحؒ نے باب وفات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قائم کرکے اس حقیقت کو المنشرح کردیا ہے (جلد ۲ ص۶۴۱) اور اسی وفات کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تجہیز وتکفین اور دفن وقبر وغیرہ کا انتظام ہوا، اور حضرات صحابہ کرام رضؓ نے اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں آپ کو اُتار کر دفن کیا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا گیا اور وہی نماز اور خطبہ پڑھاتے اور فصلِ خصومات کرتے رہے اور اہم معاملات میں لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے رہے اور اسی طرح ان کے بعد دیگر خلفاء کے وقت بھی ایسا ہی ہوتا رہا یہ تمام اُمور اپنے مقام پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو قرآن وحدیث اور امت مسلمہ کے اتفاق واجماع سے ثابت ہے جس کا کوئی شخص منکر نہیں ہے ۔

(صفحہ گزشتہ کا بقیہ حاشیہ) کیا جو پیغمبر دنیا میں زندہ تھے وہ شرک تھا، کیا قیامت میں ہم سب زندہ ہوں گے۔ اور زندہ بھی ایسے کہ پھر کبھی نہ مریں گے کیا وہ شرک ہوگا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کسی کو درمیان میں، قبر میں بھی پوری یا ادھوری زندگی عطا فرمادیں وہ کیسے شرک ہوگیا۔ جب کہ علماء دیوبند نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوجانے کا انکار کرتے ہیں نہ پیغمبروں کی حیات کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ صرف آپ کے ارشاد کے مطابق قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات اور نماز پڑھنے اور سلام و درود سُننے کا اقرار کرتے ہیں جیسے کہ تفصیل آپ کے سامنے آئے گی تو کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشاد کو ماننا شرک ہے، اللہ تعالیٰ ایسی جہالت اور ضد سے بچائے۔ آمین۔

علّامہ عبد الکافی السُبکیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

والقرآن العزيز ناطق بموته صلى الله عليه وسلم قال تعالى إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ٥ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انى مقبوض وقال الصدّيق رضى الله عنه فان محمدًا قد مات واجمع المسلمون على اطلاق ذٰلك فالوجه اذا ثبت القول المذكور ان يقال ان ذٰلك موت غير مستمر وانه احيى بعد الموت اھ

(شفاء السقام ص۱۴۲)

قرآن عزیز صراحت سے بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوئی ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے بے شک تو بھی وفات پانے والا ہے اور بلاشُبہ وہ بھی وفات پانے والے ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وفات پانے والا ہوں اور حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ تحقیق سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہو گئی ہے اور سب مسلمانوں کا اس پہ اتفاق ہے کہ آپ کی وفات ہوئی ہے جب یہ بات ثابت ہے تو حیات کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ کی موت مستمر نہ تھی بلکہ آپ کو وفات کے بعد پھر زندہ کیا گیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان اس نظریہ کے حامل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات ہوئی ہے اور وفات کا لفظ آپ کے حق میں بولنا بالکل درست اور صحیح ہے لیکن وفات کے بعد آپ کو پھر حیات مرحمت ہوئی ہے پہلے ٹھوس حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کر دی گئی ہے کہ قبر اور برزخ میں صحیح احادیث ائمہ دینؒ متکلمینؒ، شراح حدیثؒ اور فقہاء کرامؒ کے بیان کے مطابق جسد عنصری کیساتھ روح کے تعلق اور اتصال سے حیات ہوتی ہے۔ اس صفت میں عام مومنوں سے حضرات شہداءؒ بڑھے ہوئے ہیں اور ان سے بڑھ کر یہ خوبی اور صفت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے جمہور علماء اسلام موت کا معنیٰ انفکاک الروح عن البدن ہی کرتے ہیں اور بعض علماء ملّت جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند بھی ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا معنیٰ یہ کرتے ہیں۔

کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف وجوانب سے قبض کر لیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کر دیتے ہیں اھ (جمال قاسمی ص۱۵) اور دوسرے مقام پہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

بالجملہ موت انبیاء علیہم السلام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اھ (آب حیات ص۱۶۸) اور صاف الفاظ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ :-

ہاں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گو عقیدہ[1] تو یہی ہے اور میں جانتا ہوں انشاء اللہ تعالےٰ ایسا ہی رہیگا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں ، نہ منکروں سے دست و گریباں ہوتا ہوں اھ (لطائف قاسمیہ ص۵) مطلب یہ ہوا کہ روح مبارک کو جسد اطہر کے تمام اطراف و جوانب سے سمیٹ کر مثلاً دل پہ اکٹھا کر دیا گیا اور اعضاء پر موت طاری ہوئی اور وہ بے حس و حرکت ہو گئے لیکن دل مبارک کی بھی بظاہر حرکت باقی نہ رہی جس طرح کہ بعض اوقات سکتہ کے مرض میں ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کو بظاہر آپ کا وجود مسعود بالکل بے حس و لاشعور نظر آیا لیکن بایں ہمہ حضرت نانوتویؒ اس عقیدہ کو غیر ضروری اور آپ کی وفات کے عقیدہ کو ضروری قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

”پر حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیاء کرام علیہم السّلام خاصکر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے اھ (لطائف قاسمی ص۲۷) الغرض حضرت نانوتویؒ نے کیسی صاف گوئی سے یہ واضح کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کا عقیدہ ضروری ہے اور علمی یا ذوقی طور پہ بعض دیگر علماء کرام کی طرح موت کا جو معنیٰ انہوں نے بیان فرمایا ہے اس کو وہ نہ تو وہ عقائد ضروریہ سے سمجھتے ہیں اور نہ عام لوگوں کو اس کی تعلیم و تبلیغ کرتے ہیں اور نہ علماء کرام سے اس پر ماتھا پائی کے لیے تیار ہیں الحاصل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات ایک حتمی اور قطعی امر ہے اور اس کا اعتقاد ضروری ہے ، کیونکہ یہ نصوص قطعیہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ ہاں اس وفات

---

[1] اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا موت کی تفسیر اور تشریح میں اپنی رائے کو ذوقی اور وجدانی فرماتے ہوئے کسی کو اس معنیٰ پر مجبور نہیں فرماتے ۔ بعض لوگ عوام کو مغالطہ دینے کی خاطر یہ کہتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ حیات کے مسئلہ کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔

کے بعد قبر اور برزخ میں جو حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے اس میں رتی بھر شک نہیں ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات کسی نص قطعی کے مخالف نہیں جس نے اس کو مخالف سمجھا ہے وہ کوتاہ فہمی کا شکار ہے۔

باب ششم

قبور میں حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی حضرات شہداءؓ کی زندگی سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے بعض دلائل بیان کریں اور پھر ان پر جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں، ان کے جوابات اور اس کے بعد بعض علماء اسلام کی عبارات اور اقوال عرض کر دیں تاکہ صحیح حقیقت سامنے آجائے۔

پہلی دلیل

امام ابو یعلیٰؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو الجہم[2] الازرق بن علیؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ——

---

[1] امام ابو یعلیٰ الموصلی کا نام احمدؒ بن علیؒ تھا جو الحافظ الثقہ اور محدث الجزیرہ تھے ان کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صـ۲۳۸) [2] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال یغرب (تہذیب التہذیب جلد ا صـ۲۰) ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور فرمایا کہ وہ غریب حدیث لاتے ہیں۔ اور خود حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صدوق یغرب (تقریب صـ۲۱) کہ وہ سچے راوی ہیں اور غریب حدیث لاتے ہیں۔ فن روایت میں راوی کے لیے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے (مع دیگر شروط کے) اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے اور اپنے مقام پر یہ بات آئیگی کہ غرابت صحت کے منافی نہیں

یحییٰ[1] بن ابی بکیرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مسلم[2] بن سعیدؒ نے بیان کیا وہ حجاج[3]ؒ سے اور وہ ثابت[4] بنانیؒ سے اور وہ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون
(شفاء السقام ص ۱۳۴ وحیات الانبیاء ص۱ للبیہقیؒ)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں
زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں یہ روایت بدوں سند خصائص الکبریٰ جلد ۲ ص ۲۸۱ میں اور پہلے راوی کے علاوہ

---

[1] ابوبکیر کا نام نسرؒ تھا، یحییٰؒ بن ابی بکیرؒ کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ دانا محدث تھے، امام ابن معینؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، امام ابن المدینیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۹۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص ۵۴۶) علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی تاریخ جلد ۱۴ ص ۱۵۶ و ص ۱۵۷ میں ان کا طویل ترجمہ بیان کرتے ہوئے محدثین کرامؒ کے یہ مذکورہ بالا اقوال ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں

[2] امام احمد ان کو شیخ ثقہ اور امام ابن معینؒ صویلح کہتے ہوئے ان کی توثیق کرتے ہیں، امام نسائیؒ ان کو لا باس به کہتے ہیں، اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۱۲۴) حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق عابد ربما وھم کہتے ہیں. (تقریب ۳۳۳)

[3] حجاجؒ اس سند میں الاسود ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے (فتح الباری جلد ۶ ص ۳۵۲) امام احمدؒ ان کو ثقہ اور رجل صالح کہتے ہیں امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں، اور محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (لسان المیزان جلد ۲ ص ۱۷۵)

[4] ثابت بنانیؒ جلیل القدر تابعی اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں، امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام عجلیؒ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، امام احمدؒ ان کو متثبت فی الحدیث کہتے ہیں۔ امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت کرنے میں سب سے اثبت امام زہریؒ، ان کے بعد ثابت بنانیؒ اور ان کے بعد قتادہؒ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳) غرضیکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور سند بالکل صحیح ہے۔

بقیہ رواۃ کے ساتھ فتح الباری جلد ۲ ص۳۵۲ اور فتح الملہم جلد ۱ ص۳۲۹ میں بھی مذکور ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں وصححہ البیہقیؒ (فتح الباری جلد ۶ ص۳۵۲) کہ اس حدیث کی امام بیہقیؒ نے تصحیح کی ہے اور مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ووافقہ الحافظ فی المجلد السادس اھ (فیض الباری جلد ۲ ص۶۴) کہ امام بیہقیؒ کی اس تصحیح پر حافظ ابن حجرؒ نے اتفاق کیا ہے اور علامہ عثمانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں (فتح الملہم جلد ۱ ص۳۲۹) علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ رجال ابی یعلیٰ ثقات (مجمع الزوائد جلد ۸ ص۲۱۱) ابو یعلیٰ کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں علامہ عزیزی لکھتے ہیں وھو حدیث صحیح (السراج المنیر جلد ۲ ص۱۳۴) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ:۔

صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم (مرقات جلد ۲ ص۲۱۲) الانبیاء احیاء فی قبورھم کی حدیث صحیح ہے

علامہ عبد الرؤف مناویؒ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) فرماتے ہیں ھذا حدیث صحیح (فیض القدیر جلد ۳ ص۱۸۴) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انسؓ بن مالک آوردہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مدارج النبوۃ ج۲ ص۴۴۷ وجذب القلوب ص۱۸۰)

امام ابو یعلیٰؒ ثقہ راویوں کی نقل سے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں اور اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقہ، لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین ص۲۸ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح آپ کے جسم مبارک سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم رواہ المنذری وصححہ البیہقی (نیل الاوطار جلد ۳ ص۲۶۴)

بلاشبہ حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ علامہ منذریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے اور امام بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

علامہ سید سمہودیؒ لکھتے ہیں

ورواه ابویعلی برجال ثقات ورواه البیهقی	ابو یعلیؒ نے ثقہ راویوں سے یہ روایت کی ہے اور امام بیہقیؒ
وصححه (وفاء الوفا ج۲ ص۴۰۵)	نے اس کو صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری لکھتے ہیں کہ۔ اور یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں صحیح ہے (فضائل درود ص۳۷)

آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ امام یعلیؒ کے طریق سے جو روایت ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اصول حدیث میں اس سے زیادہ قوی دلائل موجود نہیں ہیں کہ اس کے راوی سب ثقہ ہوں اور جمہور محدثین کرامؒ اس کی تصحیح پر متفق ہوں۔

اعتراض

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کے متعلق ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں ابن عدیؒ کا قول لا باس بہ ذکر کر کے اپنی اور دوسرے آئمہ کی رائے ذکر فرمائی ہے قلت بل هو هالك قال الدارقطنی فی روایة البرقانی متروك الحدیث قال ابو حاتم ضعیف قال الازدی واهی الحدیث قال العقیلی کثیر الوهم اھ (جلد ۱ ص۲۴۱) یعنی ائمہ جرح و تعدیل کی نظر میں یہ هالك متروك الحدیث ضعیف واهی الحدیث اور کثیر الوهم ہے حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان جلد ۲ ص۲۴۶ میں ذہبیؒ کی پوری عبارت نقل فرما کر اس جرح کی تصدیق فرما دی ہے حافظ خطیب بغدادیؒ نے بھی اسے واهی الحدیث اور متروك الحدیث فرمایا ہے (تاریخ بغداد جلد ۷ ص۴۰۵) باقی رہا شوکانیؒ کا تحفۃ الذاکرین میں حدیث ردّ اللہ علیّ روحی کی تشریح میں یہ لکھنا لانه صلی الله علیه وسلم حی فی قبره وروحه لا تفارقه، لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورهم (ص۲۸) تو سابق مفصل جرح کے موجود ہوتے صح سے مصطلح صحت مراد لینا تو مشکل ہے یہ صح بمعنی ثبت ہی ہو سکتا ہے جب تک حدیث پر وضع کا حکم یقینی نہ ہو محدثین کے نزدیک ثبت سے اس کی تعبیر ہو سکتی ہے نیل الاوطار میں حافظ شوکانیؒ نے یہی لفظ اختیار کیا ہے وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورهم (جلد ۳ ص۳۰۵) ایسی احادیث کا تذکرہ مواعظ اور فضائل کی مجالس میں تو کیا جا سکتا ہے لیکن عقیدہ کی بنیاد اس پر نہیں رکھی جا سکتی اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیے اھ

الجواب :- یہ جو کچھ کہا گیا ہے قطعاً باطل اور سراسر مردود ہے اولاً اس لیے کہ جن محدثین کرامؒ نے یہ حدیث سند کے ساتھ نقل کی ہے ہمارے علم میں وہ تین ہیں الاوّل امام ابو یعلی الموصلیؒ ان کی سند امام بیہقیؒ اور علامہ سبکیؒ وغیرہ نے اسی طرح نقل کی ہے جس طرح ہم نے پہلے بیان کی ہے اور ایک ایک راوی کی توثیق اور محدثین کرامؒ کی تصحیح بھی نقل کردی گئی ہے نہ تو اس سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی ہے اور نہ کوئی اور مجروح راوی ہے اور محدثین کرامؒ اسی ابو یعلیؒ کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے، اور اس کے رجال ثقات ہیں اور قاضی شوکانیؒ کے پیش نظر بھی یہی روایت ہے اور اس حدیث کے روات پر کوئی معقول جرح مذکور اور موجود نہیں ہے سینہ زوری کا البتہ کوئی علاج نہیں الثانی امام ابن عدیؒ نے اس کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کا حوالہ امام بیہقیؒ نے (حیات الانبیاء ص۱ میں) اور علامہ ذہبیؒ نے (میزان الاعتدال جلد ۱ ص۲۴۱ میں) اور حافظ ابن حجرؒ نے (لسان المیزان جلد ۲ ص۲۴۶ میں) دیا ہے اور اس کی سند یوں ہے۔ ابن عدی حدثنا قسطنطین ثنا الحسن بن عرفة ثنا الحسن بن قتیبة الخ اس سند میں الحسن بن قتیبہ الخزاعی ہے اور علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ کی جرح صرف اس سند پر ہے۔

الثالث امام البزارؒ (ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق الحافظ العلامة صاحب المسند المتوفی سنہ ۲۹۲ھ تذکرة جلد ۲ ص۲۴۳) نے یہ روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مسند میں باسند احادیث ہی روایت کرتے ہیں۔ علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد جلد ۸ ص۲۱۱ میں بزارؒ کا حوالہ بھی دیا ہے مسند بزارؒ کی سند ہمارے پیش نظر نہیں[1] ہے ممکن ہے بزارؒ کی سند میں بھی الحسن بن قتیبہ الخزاعی ہو لیکن علامہ ہیثمیؒ نے خصوصیت سے یہ فرمایا ہے کہ رجال ابن یعلیٰ ثقات۔ تو دار و مدار ابو یعلیٰؒ کی سند پر ہے اور وہ بالکل صحیح ہے اور محدثین کرامؒ اسی کی تصحیح کرتے ہیں اور حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی بنیاد اس صحیح حدیث پر رکھتے ہیں معترضین حضرات بلا وجہ یہ جرح نقل کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے اور عوام کے صاف اذہان کو الجھانے کی بے کار سعی کر رہے ہیں وثانیاً :- قاضی شوکانیؒ نے صح اور ثبت کے جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اصول حدیث اور فن روایت کے مطابق استعمال کیے ہیں اور یہ دونوں لفظ مقبول حدیث پر بولے جاتے ہیں، معترض نے جو یہ کہا ہے کہ صح بمعنی ثبت کے ہے اور محدثین جو حدیث قطعی طور پر جعلی ثابت نہ ہو اس پر بھی ثبت کا لفظ اطلاق کرتے ہیں

---

[1] حضرت العلام مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی فرماتے ہیں کہ مسند بزار کی سند میں الحسن بن قتیبہ موجود ہے جیسا کہ ان کی تقریظ میں یہ بات گذر چکی ہے اور طبقات سبکی ج ۲ ص۲۸۱ کی سند میں بھی یہی الحسن بن قتیبہ ہے۔

(محصلہ) تو یہ خالص سینہ زاد اختراع اور ایجاد بندہ ہے اور محدثین کرامؒ اس سے بالکل ناواقف ہیں اور قاضی شوکانیؒ کے وہم میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ہمارے محسن کرم فرما اور وکیل ان پر کیا کیا عنایات فرمائیں گے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) محدثین کرام کا ضابطہ بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

من الالفاظ المستعملة عند اهل الحديث فی المقبول الجيد والقوی۔ والصالح والمعروف والمحفوظ والمجود والثابت اھ	محدثین کرامؒ کے نزدیک حدیثِ مقبول پر جو الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں جید۔ قوی، صالح معروف، محفوظ مجود اور ثابت۔

(تدریب الراوی ص۱۰۴ طبع مصر)

اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرامؒ کے نزدیک جیدّ، قوی اور ثابت وغیرہ الفاظ ایک ہی درجہ کے ہیں اور یہ الفاظ حدیث مقبول میں استعمال کئے جاتے ہیں نہ کہ اس حدیث پر جو اگرچہ قطعی طور پر موضوع ثابت نہ ہو سکے مگر صحیح اور مقبول بھی نہ ہو اور پھر آگے امام سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والمجود والثابت يشملان ايضاً الصحيح۔	لفظ مجود اور ثابت صحیح کو شامل ہیں۔

(تدریب الراوی ص۱۰۵)

اِس سے بصراحت یہ بات واضح ہوگئی کہ صحیح اور ثابت یا بالفاظ دیگر صَحَّ اور ثَبَتَ ایک ہی معنی پر اطلاق ہوتے ہیں، ان میں استعمال کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، لہٰذا معترض صاحب کی یہ سینہ زاد توجیہ مردود اور توجیه القول بما لا یرضیٰ به قائله کا مصداق ہے وثانیاً معترض کا یہ ارشاد کہ اہل حدیث اور ائمہ فن کے نزدیک اعتقاد کے لیے خبر واحد صحیح ہونی چاہیئے، اس میں بھی خاصا کلام ہے اگر لفظ اہلحدیث اور ائمہ فن سے ان کی اپنی اصطلاح مراد ہے تو وہ اس کو خوب جانتے ہیں کیونکہ صاحب البیت ادرای بما فیه اور اگر اس سے جمہور محدثین کرامؒ اور متکلمین وغیرہم مراد ہیں تو ان کے نزدیک قطعی عقیدہ میں خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے، شرح عقائد ص۱۰۱ وغیرہ میں اس کی بحث موجود ہے۔ ہاں اگر خبر واحد اجماع اور تلقی امت بالقبول سے مؤید ہو جائے۔ جیسے یہ مذکور حدیث ہے تو بات جُدا ہے۔ ہمیں اس موقع پر یہ بحث مقصود نہیں جب سنداً یہ روایت صحیح ہے اور محدثین کرامؒ کی تصحیح اس پر مستزاد ہے تو مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہونا چاہیئے کہ (الانبیاء احیاء فی قبورهم) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں معترض صاحب اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر اس حق مسلک کو کیوں کمزور کرنے کے درپے ہیں؟

علامہ ذہبیؒ کا وہم

اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں قدرے معقول نما اعتراض جو سامنے آیا ہے وہ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ الذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) کا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

حجاج بن الاسود عن ثابت البنانی نکرۃ ماروی عنہ فیما اعلم سوی مستلم بن سعید فاتی بخبر منکر عنہ عن انسؓ فی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون رواہ البیہقی۔

(میزان الاعتدال جلد ا ص۲۰۶ طبع مصر)

حجاج بن الاسودؒ ثابت بنانیؒ سے روایت کرتے ہیں مگر وہ مجہول ہیں ہماری دانست کے مطابق مستلم بن سعید کے بغیر ان سے کسی نے روایت نہیں کی اور اس نے حضرت انسؓ سے ایک منکر روایت بیان کی ہے وہ یہ کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے اور نمازیں پڑھتے ہیں، امام بیہقیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

علامہ ذہبیؒ کے اس اعتراض کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے (۱) یہ کہ حجاج بن الاسود مجہول ہے نکرۃ (۲) یہ کہ مستلم بن سعید کے علاوہ اس سے کسی اور نے روایت نہیں کی (۳) یہ کہ حضرت انسؓ کے طریق سے جو روایت انہوں نے نقل کی ہے وہ منکر ہے جس کا مضمون یہ ہے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ لہٰذا یہ روایت مخدوش ہے۔

الجواب:۔ آپ ترتیب وار ہر ایک شق کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

۱ علامہ ذہبیؒ کا یہ قول کہ حجاج بن الاسود (نکرۃ) مجہول ہے صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے علامہ ذہبیؒ کا یہ اعتراض نقل کر کے آگے لکھا ہے:

قال احمد ثقۃ ورجل صالح وقال ابن معین ثقۃ وقال ابو حاتم صالح الحدیث وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔

(لسان المیزان جلد ۲ ص۱۷۵)

کہ امام احمدؒ ان کو ثقہ اور مرد صالح کہتے ہیں اور امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔

جب ائمہ جرح و تعدیل اور چوٹی کے محدثین کرامؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں تو پھر وہ نکرۃ اور مجہول کیسے ٹھہرے؟

ع۲ حافظ ابن حجرؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ:-

وعنہ جریر بن حازم وحماد بن سلمۃ وروح بن عبادۃ واٰخرون۔

حجاج بن الاسودؒ سے جریرؒ بن حازمؒ حمادؒ بن سلمہؒ روحؒ بن عبادہؒ اور دیگر حضرات روایت کرتے ہیں۔

اور اٰخرون میں آگے عیسیٰؒ بن یونسؒ کا نام بھی لیا ہے (دیکھئے لسان جلد ۲ ص ۱۷۵) جب ان سے روایت کرنے والے مستلمؒ بن سعیدؒ کے علاوہ اور بھی موجود ہیں تو علامہ ذہبیؒ کا یہ اعتراض بھی ختم ہو گیا کہ اس سے ہماری دانست میں صرف مستلمؒ بن سعیدؒ ہی نے روایت کی ہے غرضیکہ اصول حدیث کے رُو سے نہ تو یہ راوی مجہول الحال ہے اور نہ مجہول العین اس لیے علامہ ذہبیؒ کے اس اعتراض کی کوئی وقعت نہیں۔

ع۳ یہ شق پہلی دو شقوں کا نتیجہ ہے جب وہ دونوں باطل ہیں تو یہ خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں خبرِ منکر وہ ہوتی ہے جس کو کوئی ضعیف راوی ثقہ راویوں کے خلاف روایت کرتا ہو یا بعض کے نزدیک کوئی ثقہ راوی اپنے سے ثقہ تر راوی کے خلاف روایت کرتا ہو جس کو بعض شاذ سے بھی تعبیر کرتے ہیں (علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ بعض محدثین شاذ اور منکر کو ایک ہی سمجھتے ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ شاذ وہ روایت ہوتی ہے جس میں ثقہ یا صدوق راوی دیگر ثقات کی مخالفت کرے اور منکر وہ روایت ہے جس میں ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے (تدریب الراوی ص ۱۵۲) مگر اس روایت کی حیثیت ہرگز یہ نہیں ہے کیونکہ حجاجؒ بن الاسودؒ ثقہ ہے ضعیف نہیں اور پھر اس نے کسی ثقہ یا ثقہ تر اور اوثق کی مخالفت بھی نہیں کی تو ان کی روایت اصول حدیث کے اعتبار سے کیونکر منکر ہو گئی ہے؟ نظر بہ ظاہر علامہ ذہبی کو یہ وہم ہوا ہے کہ انہوں نے اس سابق حدیث کو حضرت انسؒ کی ایک اور روایت کے آئینہ میں دیکھا ہے حالانکہ وہ الگ اور مستقل روایت ہے اور یہ الگ حدیث ہے اور پھر یہ مذکور روایت اس کے مخالف بھی نہیں بلکہ اس کی مؤید ہے وہ دوسری روایت یوں آتی ہے۔

حماد بن سلمۃ عن ثابت البنانی وسلیمان التیمی عن انس بن مالکؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایۃ مررت

حمادؒ بن سلمہؒ، ثابت بنانیؒ اور سلیمان تیمیؒ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت انسؓ بن مالک سے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

علی موسیٰ لیلۃ اُسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہٖ۔
(مسلم جلد ۲ ص ۲۶۸ و مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۸)

میں معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گذرا جو سُرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس صحیح روایت سے ثابت ہُوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حجاج بن الاسودؒ کی سابق روایت اس حدیث کے کسی طرح مخالف اور منافی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے کوئی مخالفت اور منافات لازم نہیں آتی اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر میں نماز پڑھنے سے باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے کی مخالفت پیدا ہوتی ہے، اگر مسلم کی اس صحیح روایت کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور اس سے اسلام کے کسی عقیدہ پر زد نہیں پڑتی تو یقین کامل ہے کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قبروں میں نماز پڑھنے سے بھی کسی عقلی اور نقلی دلیل کی مخالفت لازم نہیں آتی، یہ دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف اور منافی تو ہرگز نہیں ہاں ایک دوسری کی مؤید ضرور ہیں اور حجاجؒ بن الاسودؒ کی روایت میں مَتن کی زیادت ہے (اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز کا بھی ذکر ہے) اور محدثین کرامؒ کا قاعدہ ہے کہ جب ثقہ راویوں سے سند اور مَتن میں زیادت مروی ہو تو وہ قابلِ قبول ہوتی ہے (ملاحظہ ہو مستدرک جلد ۱ ص ۳ وغیرہ) علامہ سخاویؒ اپنے استاد محترم حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

وشاھد للحدیث الاول ما ثبت فی صحیح مسلم من روایۃ حماد بن سلمۃ اھ
(القول البدیع ص ۱۲۶)

اس سابق حدیث کا شاہد اور مؤید وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حمادؒ بن سلمہؒ کے طریق سے مروی ہے

اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی فتح الباری جلد ۶ ص ۳۵۲ میں اس کا ذکر کیا ہے اور حضرت مولانا عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں کہ:۔

وشاھد ھذا الحدیث ما ثبت فی صحیح مسلم

اس حدیث کا شاہد وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں

من روایة حماد بن سلمة عن ثابت عن انسؓ رفعه الخ

(فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۲۹)

حمادؒ بن سلمہؒ کے طریق سے ثابت بنانیؒ سے مروی ہے کہ حضرت انسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

الغرض حجاجؒ بن الاسودؒ اور حمادؒ بن سلمہؒ کی دونوں روایتیں ایک دوسری کی مؤید، باعث تقویت اور شاہد ہیں نہ کہ ایک دوسرے کی مخالف اور منافی اس لیے علامہ ذہبی کا اعتراض بے جا ہے۔

منکر اور شاذ کی تعریف

اس مقام پر یہ بحث بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ منکر اور شاذ کی تعریف عرض کر دی جائے تاکہ علامہ ذہبیؒ کا اس روایت کو منکر کہنے کا پس منظر اور پیش منظر سامنے آجائے امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وعلامة المنكر في حديث المحدث اذا ما عرضت روايته للحديث على رواية غيره من اهل الحفظ والرضى خالفت روايته روايتهم او لم تكد توافقها فاذا كان الاغلب من حديثه كذلك كان مهجور الحديث غير مقبوله ولا مستعمله اھ (مسلم جلد ۱ ص ۵)

حدیث بیان کرنے والے کی حدیث کے منکر ہونے کی علامت یہ ہے کہ جب اس کی حدیث دوسرے اہل حفظ اور پسندیدہ راویوں کی حدیث پر پیش کی جائے تو اس کی روایت ان کی روایت کے مخالف ہو یا ممکن ہی نہ ہو کہ اس کی روایت اُن کی روایت کے موافق ہو سکے جب اس کی حدیث پر یہ اغلب ہو تو اس کی حدیث ترک اور غیر مقبول ہو گی۔

اس تعریف کے پیش نظر حجاجؒ بن الاسودؒ کی روایت کسی طرح منکر نہیں کیونکہ یہ حمادؒ بن سلمہؒ کی روایت کے موافق مؤید اور اس کی شاہد ہے اور اس کے مخالف کسی طرح نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال الشافعیؒ ليس الشاذ من الحديث ان يروي الثقة ما لا يرويه غيره هذا ليس بشاذ وانما الشاذ ان يروي الثقة حديثا يخالف فيه الناس هذا الشاذ من الحديث۔

(معرفت علوم الحدیث ص ۱۱۹ طبع قاہرہ)

شاذ وہ روایت نہیں ہے جس کو ایک ثقہ راوی بیان کرتا ہو اور دوسرے بیان نہ کرتے ہوں بلکہ شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ راوی بیان کرے مگر اس کی روایت دوسرے راویوں کی روایت کے مخالف ہو ایسی حدیث شاذ ہوتی ہے۔

اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لان الزیادۃ اما ان تکون لاتنافی بینہا و بین روایۃ من لم یذکرھا فہذہ تقبل مطلقاً لانہا فی حکم الحدیث المستقل الذی یتفرد بہ الثقۃ ولا یرویہ عن شیخہ غیرہ واما ان تکون منافیۃ بحیث یلزم من قبولہا رد الروایۃ الاُخری فہذہ ھی التی یقع الترجیح بینہا وبین معارضہا فیقبل الراجح ویرد المرجوح اھ

(شرح نخبۃ الفکر ص٣٧)

زیادت یا تو ایسی ہوگی کہ جن روات نے یہ بیان نہیں کی یہ ان کی حدیث کے مخالف نہیں تو وہ مطلقاً قابل قبول ہے کیونکہ وہ ایک مستقل حدیث کے حکم میں ہے جس کے بیان کرنے میں ثقہ راوی متفرد ہے اور اس کے شیخ سے کوئی دوسرا اس کو بیان نہیں کرتا اور یا یہ روایت منافی ہوگی بایں طور کہ اس کے قبول کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو تو ایسی زیادت اور اس کے معارض حدیث میں ترجیح کا سوال پیدا ہوگا راجح کو قبول کر لیا جائے گا اور مرجوح کو رد کر دیا جائے گا۔

اور امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ثم یفسرون الشذوذ بمخالفۃ الثقۃ من ھو اوثق منہ والمنقول عن ائمۃ الحدیث المتقدمین کابن مھدی ویحیی القطان واحمد وابن معین وابن المدینی والبخاری وابی زرعۃ وابی حاتم والنسائی والدارقطنی وغیرھم اعتبار الترجیح فیما یتعلق بالزیادۃ المنافیۃ بحیث یلزم من قبولہا رد الروایۃ الاخری اھ

(تدریب الراوی ص١٥٧ طبع مصر)

پھر محدثین کرامؒ شذوذ کی یہ تفسیر کرتے ہیں کہ ثقہ راوی اوثق کی مخالفت کرتا ہو اور متقدمین آئمہ حدیث مثلاً امام ابن مہدیؒ، یحییٰ القطانؒ، احمدؒ، ابن معینؒ ابن المدینیؒ بخاریؒ، ابوزرعہؒ، ابوحاتمؒ، نسائیؒ اور دارقطنیؒ وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ ترجیح کا اعتبار اور سوال اس منافی روایت سے متعلق ہے اور منافات بھی اس حیثیت کی کہ اس زیادت کے قبول کر لینے سے دوسری روایت کا رد لازم آتا ہو۔

اور علامہ جزائریؒ نے بھی اس کی اسی نہج پر بحث اور تحقیق کی ہے (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص٢١٩ طبع مصر) ان روشن اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ شاذ کی تعریف میں مخالفت اور منافات بنیادی شرط ہے بایں طور کہ اس شاذ کے قبول کر لینے سے دیگر ثقات کی روایت کا رد او

مخالفت لازم آتی ہو لیکن حجاج بن الاسودؒ کی روایت سے نہ تو حمادؒ بن سلمہؒ کی روایت کی مخالفت اور منافات ہے اور نہ دیگر ثقہ راویوں کی روایت سے اس کا تضاد ہے اس لیے اس کو منکر یا شاذ کہہ اور سمجھ کر اس سے گریز اور پہلو تہی کرنا تحقیق کے میدان سے کوسوں دور ہے۔

علماء اسلام اور مسئلہ حیات

اس صحیح حدیث اور دیگر شرعی دلائل سے علماء ملت نے جو کچھ سمجھا ہے اس مقام پر اس کا ذکر کرنا بھی ایک حد تک ضروری ہے تاکہ اس حدیث کی صحت کے علاوہ اس کی مراد اور مطلب بھی واضح ہو جائے اور اس حدیث کے بارے میں انصاف و دیانت کی دنیا میں کوئی شبہ باقی نہ رہے باقی جو حضرات ذاتی رائے کو چھوڑنا نہ چاہتے ہوں اُن کے لئے دفتروں کے دفتر بھی بیکار ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

ان حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم (فتح الباری جلد ۷ صـ ۲۲ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں زندگی ایسی ہے جس پر پھر موت وارد نہیں ہو گی بلکہ آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس عبارت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبروں میں زندگی صریح الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے۔ قبر میں آپ کی زندگی مستمر اور دائمی ہے جس پر پھر موت طاری اور وارد نہیں ہوتی جس طرح کہ بعض حضرات کے نزدیک نکیرین کے سوال کے وقت عام مُردوں کو زندہ کیا جاتا ہے پھر اُن پر وفات طاری کر دی جاتی ہے گو جمہور اس کے بھی خلاف ہیں۔

نوٹ ضروری :۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قطعی اور صریح دلائل کی روشنی میں وفات آچکی ہے اور یہ بات سب کے نزدیک مسلّم ہے۔ اور نفسِ موت میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، ہاں اس کے بعد قبر اور برزخ میں دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حیات اور زندگی حاصل ہے

اور یہ برزخی حیات دائمی اور ہمیشہ کے لیے ہے لہٰذا ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے ہرگز کوئی شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بعض کوتاہ فہم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وفات آچکی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آئے گی اور کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کا اٹل فیصلہ ان کے حق میں بھی پورا ہوگا اور جب ان کو حَیُّ القَیُّوم سے اس حیاتِ دائمہ کی صفت میں کوئی مماثلت ہی حاصل نہیں تو پھر شرک کیسا؟ ہاں اگر کوئی شخص ان کی کسی قسم کی وفات کا قائل نہ ہو تو پھر یہ فتویٰ اس کی طرف رُخ پھیر سکتا ہے۔

حضرت امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ان اللہ جل ثناءہٗ رد الی الانبیاء ارواحھم فھم احیاء عند ربھم کالشھداء الخ (حیاۃ الانبیاء ص۱۴، وفاء الوفاء جلد۲ ص۴۰۶، زرقانی شرح مواھب جلد۵ ص۳۳۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح اُن کی طرف لوٹا دیئے ہیں، سو وہ اپنے رب کے ہاں شہیدوں کی طرح زندہ ہیں۔

پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے کہ قبر اور برزخ میں مومنین اور کفار سب کی طرف ارواح لوٹائے جاتے ہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام تو بہت اونچا ہے اس لیے قبور میں ان کی حیات ردِ ارواح کے طور پر ہی ہوگی اور حضرت امام بیہقیؒ کی اس عبارت کا یہی مطلب ہے۔

حضرت ملا علی القاریؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ علیہ وسلم حیٌّ فی قبرہٖ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون اھ (شرح شفاء جلد۲ ص۱۴۲ طبع مصر)

قابل اعتماد عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں اور اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کے ارواح کا عالم علوی اور سفلی دونوں سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں تھا سو وہ قلب کے لحاظ سے عرشی اور جسم کے اعتبار سے فرشی ہیں۔

اس عبارت میں حیات انبیاء علیہم السّلام کو قابلِ اعتماد عقیدہ قرار دیا ہے اور یہ بھی تصریح کردی ہے کہ ان کے ارواح طیبہ کا تعلق جنّت ملاءِ اعلیٰ، رفیقِ اعلیٰ اور علیّین سے بھی قائم رہتا ہے اور عالم سفلی یعنی قبور میں ان کے اجسام مبارکہ سے بھی جس طرح کہ دنیا میں تھا کہ قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے لحاظ سے فرشی تھے۔

علاّمہ سمہودی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لا شك في حياته صلى الله عليه وسلّم بعد وفاته وكذا سائر الانبياء عليهم الصلوٰة والسّلام احياء في قبورهم حياة اكمل من حيٰوة الشهداء التى اخبر الله بها في كتابه العزيز اھ

(وفاء الوفاء جلد۲ ص۴۰۵)

وفات کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیات میں کوئی شک نہیں اور اسی طرح باقی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کی اُس حیات سے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کیا ہے بڑھ کر ہے۔

اس عبارت میں وفات کے بعد حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کی حیات کا ذکر ہے اور یہ بات بھی واضح کردی گئی ہے کہ ان کی حیات شہداء کی حیات سے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے زیادہ کامل اور اعلیٰ درجہ پر ہے یعنی جس طرح کہ ان کا درجہ بلند ہے اسی طرح قبر میں ان کی زندگی بھی شہداء کی زندگی سے عمدہ اور ارفع ہے۔ اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

واما ادلة حياة الانبياء فمقتضاها حياة الابدان كحالة الدنيا مع الاستغناء عن الغذاء اھ

(وفاء الوفا ج۲ ص۴۰۷)

بہر کیف حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات کے دلائل اس کے مقتضی ہیں کہ یہ حیات ابدان کے ساتھ ہو جیسا کہ دنیا میں تھی مگر خوراک سے وہ مستغنی ہیں۔

یعنی ان کی حیات محض برزخی اور روحانی ہی نہیں بلکہ جسمانی بھی ہے مگر جس طرح دنیا میں اجسام عادۃً خوراک کے محتاج ہوتے ہیں قبر میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو حسی اور دنیوی خوراک کی حاجت نہیں بلکہ وہ اس سے مستغنی ہیں۔

امام علی بن عبد الکافی السبکی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واما حيٰوة الانبياء اعلىٰ واكمل واتم من الجميع لانها للروح والجسد على الدوام على ما كان في

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السّلام کی حیات تو تمام سے اعلیٰ اکمل اور اتم ہے کیونکہ ان کی حیات جسم اور روح دونوں کو

الدنیا اھ (شفاء السقام ص۱۵۲)

دوامی طور پر حاصل ہے جس طرح کہ دنیا میں تھی۔

اور دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

فان الصلوٰۃ یستدعی جسدًا حیًا وکذٰلک الصفات المذکورۃ فی الانبیاء لیلۃ الاسراء کلھا صفات الاجسام ولا یلزم من کونھا حیاۃً حقیقیۃً ان یکون الابدان معھا کما کانت فی الدنیا من الاحتیاج الی الطعام والشراب والامتناع عن النفوذ فی الحجاب الکثیف وغیر ذٰلک من صفات الاجسام التی نشاھدھا بل قد یکون لھا حکم اٰخر فلیس فی العقل ما یمنع من اثبات الحیوٰۃ الحقیقیۃ لھم واما الادراکات کالعلم والسماع فلاشک ان ذٰلک ثابت وسنذکر ثبوتہ لسائر الموتٰی فکیف بالانبیاء انتہٰی

(شفاء السقام ص۱۴۳)

نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے اور اسی طرح معراج کی رات حضرات انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جتنی صفات کا ذکر ہے وہ تمام اجسام کی صفات ہیں اور اس حیات کے حقیقی حیات ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس حیات کے ساتھ ابدان کو کھانے پینے کی ویسی ہی حاجت ہو جیسے دُنیا میں تھی یا یہ کہ وہ کثیف پردہ میں نفوذ نہ کر سکیں اور اسی طرح اجسام کی دیگر صفات جن کا ہم دُنیا میں مشاہدہ کرتے ہیں یہ ہو سکتا ہے کہ اُن ابدان کا حکم دنیوی ابدان سے جُدا اور الگ ہو عقلاً اس میں کوئی امتناع نہیں کہ ان کے لیے حقیقی حیات ثابت ہو رہے ادراکات مثلاً علم اور سماع وغیرہ تو ان کے ثبوت میں کوئی شک و شبہ ہی نہیں یہ تو تمام مُردوں کے لیے ثابت ہیں پھر بھلا حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے کیوں ثابت نہ ہوں گے؟

اس عبارت سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی اور جسمانی حیات پر خاصی روشنی پڑتی ہے اور اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ حیات جسمانی کے جملہ لوازمات قبر میں ثابت نہیں ہیں مثلاً کھانے اور پینے کی جس طرح حاجت دُنیا میں ہوتی ہے اس طرح قبر میں نہیں ہوتی اور اسی طرح دیگر کئی احکام میں بڑا فرق اور تفاوت ہے، ہاں دُنیوی حیات کی طرح ان کو ادراک علم اور شعور حاصل ہے اور انھی اہم اُمور کی وجہ سے اس کو دنیوی اور جسمانی حیات سے تعبیر کیا جاتا ہے ان کے فرزند ارجمند علامہ تاج الدین السبکیؒ (المتوفی سـ۷۷۱ھ) حضرت انسؓ کی مذکور حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

عن انسؓ انہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون فاذا ثبت ان

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

نبينا صلی اللہ علیہ وسلم حی فالحی لابد من ان یکون اما عالما او جاهلا ولا یجوز ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم جاهلا اھ

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد ۶ ص ۲۸۱ طبع مصر)

اور نماز پڑھتے ہیں جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم زندہ ہیں تو زندہ کے لیے لازم ہے کہ یا تو وہ عالم ہو اور یا جاہل اور یہ بات تو ہرگز جائز نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جاہل ہوں (معاذ اللہ) تو لا محالہ آپ عالم ہوں گے) الخ

اس عبارت میں علّامہ سُبکیؒ نے ایک تو حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح اور قابلِ احتجاج ہے اور پھر واضح الفاظ میں یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم قبر میں زندہ اور صفتِ علم سے متصف ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بیّنا اھ

(جلد ۶، ص ۲۸۲)

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم زندہ ہیں حسّ و علم سے موصوف ہیں اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچائے جاتے ہیں جس طرح کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

قبر میں حیات کے جو نتائج مرتب ہیں، امام موصوفؒ نے ان کو اس عبارت میں بالکل نمایاں کر کے پیش کر دیا ہے کہ حسّ و علم اور عرضِ اعمال[1] و تبلیغ صلوٰۃ وسلام بالکل متحقق ہیں کچھ غلط کار یا کم فہم

---

[1] عرضِ اعمال کے بارے میں نہایت مختصر تحقیق یہ ہے کہ صحیح روایت سے اجمالی طور پر عرضِ اعمال ثابت ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم تحدِّثُونَ ویحدَّثُ لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۲۴، وفاء الوفا جلد ۲ ص ۴۰۶، ذکرہ السبکیؒ فی شفاء السقام ص ۳۴ والعلامۃ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ

کہ میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے کہ تم (مشکل مسئلے) بیان کرو گے اور (میری طرف سے) ان کی حقیقت بیان کر دی جائے گی اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہوگی تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوں گے سو جو اچھے ہوں گے میں ان پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو بُرے ہوں گے میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگوں گا اس کو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

لوگوں نے امام اہل سنت ابو الحسن الاشعریؒ (المتوفی سنہ ۳۳۰ھ) کی طرف یہ عقیدہ منسوب کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ کی نبوت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان کم فہموں کو شبہ یہ ہوا ہوگا کہ چونکہ وفات کے ساتھ تکلیفی زندگی ختم ہو جاتی ہے اس لیے نبوت اور رسالت کے فرائض بھی شاید وفات کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں اشاعرہ نے اس غلط نظریہ کی اپنے امام سے جو پرزور مدافعت کی ہے وہ متعدد

فی المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوھابیۃ ص۱۵ طبع (بقیہ صفحہ) بزارؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے
استنبول والزرقانی فی شرح المواھب ج۵ ص۳۳۷) سب راوی بخاری کے راوی ہیں۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بسندٍ صحیح ہے (خصائص الکبریٰ ج ۲ ص۲۸۱) علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جیّد ہے (زرقانی شرح مواہب ج۵ ص۳۳۷) اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جیّد ہے (فہرست عقیدۃ الاسلام ص۱۱) اور مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے۔ (فتح الملہم ج۱ ص۴۱۳) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے ملاحظہ ہو فتاویٰ عزیزی ج۲ ص۶۹ فارسی و مترجم اردو ج۲ ص۱۴۶) اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضورؐ کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لیے استغفار فرماتے ہیں (پ۱۴ سورہ النحل رکوع ۱۲ تفسیر ص۳۵۸) اور اسی مضمون کی روایت مشہور ثقہ اور مامون تابعی حضرت بکر بن عبداللہؒ سے بھی مروی ہے (طبقات ابن سعد ج۲ ص۱۹۴ والجامع الصغیر ج۱ ص۱۵۰ والسراج المنیر ج۲ ص۲۲۳ وخصائص الکبریٰ ج۲ ص۲۸۱) اور اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں علامہ ابن عبدالہادیؒ فرماتے ہیں وھذا اسناد صحیح الی بکر المزنیؒ اھ (الصارم المنکی ص۱۶۸) اور حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ابن المبارکؒ نے حضرت سعید بن المسیبؒ سے روایت کی ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش نہ کئے جاتے ہوں کذا فی المواہب (نشر الطیب ص۲۱۰ اور ص۲۲۹ میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ عرض اجمالی ہے تفصیلی نہیں (محصلہ) اور مولانا سہارنپوریؒ لکھتے ہیں کہ اور جو عقیدہ نہیں بلکہ یہ عقیدہ ہے کہ جب حق تعالیٰ چاہے جس شے کو چاہے آپ پر منکشف کر دیوے اور ملائکہ درود و سلام پہنچاتے ہیں اور اعمال امت کچھ بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو درست ہے الخ (البراہین القاطعہ ص۲۱۶ و ۲۱۷ طبع امدادیہ دیوبند) اور نیز حضرت فرماتے ہیں اس بات کو خوب یاد کر لینا ضروری ہے کہ عقیدہ سب کا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبر میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اور جنت میں جہاں چاہیں باذنہ تعالیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ علامہ تاج الدین سبکیؒ لکھتے ہیں کہ:-

ومن عقائدنا ان الانبیاء علیہم السلام احیاء فی قبورھم فاین الموت الی ان قال وصنف البیہقی رحمہ اللہ جزوًا سمعناہ فی حیوۃ الانبیاء علیہم السلام

ہمارے عقیدہ میں یہ بات داخل ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو پھر ان پر موت کہاں؟ (پھر آگے فرمایا) کہ امام بیہقیؒ نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات پر

(بقیہ صفحہ گزشتہ) چلتے پھرتے ہیں اور اس عالم میں بھی حکم ہو تو آسکتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام ملائکہ پہنچاتے ہیں اور اعمال امت آپ پر پیش ہوتے ہیں اور جس وقت حق تعالیٰ چاہے دُنیا کے احوال کشف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی مخالف نہیں مگر یہ کہ ہر جگہ محفل مولود میں اور دیگر مجالس ذکر میں ہر روز آتے ہوں یا ہر صوت ونداء اور عرض حالات دُنیا کے ہر روز معلوم ہوتے ہوں بدونِ اعلام حق تعالیٰ کے اس کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہ سب اشیاء کا علم حق تعالیٰ نے اُن کو دیا ہے اس کو بھی قبول نہیں کرتے بلکہ جس قدر دیا جاتا ہے اس قدر جانتے ہیں اور بس اھ (البراہین القاطعہ ص ۱۹۹، ۲۰۰) الغرض یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن یہ یاد رہے کہ عرضِ اعمال سے اُمت کے تمام اعمال کا عرض مراد نہیں ہے جیسا کہ شیعہ شنیعہ کا مسلک ہے یا جس طرح غالی قسم کے اہل بدعت کا باطل نظریہ ہے بلکہ یہ عرض صرف اجمالی ہے جس میں درود وغیرہ بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں چنانچہ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:-

انہ عرض کعرض الاسماء علی الملائکۃ لا علم محیط الی ان قال فعلیہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک مع عرض الاعمال علیہ صلی اللہ علیہ وسلم اھ (فہرست عقیدۃ الاسلام ص۱۱)

یہ عرض (صرف اجمالی ہے) جس طرح کہ چیزوں کے نام فرشتوں پر پیش کئے گئے تھے اس سے علم محیط مراد نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) سو اس کی دلیل یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ سے فرمایا جائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد ان بدعتیوں نے کیا کیا بدعات گھڑی ہیں حالانکہ آپ پر اعمال پیش ہوتے رہے ہیں۔

یعنی اگر اس عرضِ اعمال سے تفصیلی عرض مراد ہو جو اُمت کے تمام اعمال اور جزئیات کو شامل ہو تو انک لا تدری ما احدثوا بعدک کہنا صحیح نہیں ہو سکتا اور یہ صحیح صریح اور مشہور روایت ہے تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ شقی القلب اور بدبخت بدعتیوں نے جو بدعات آپ کے بعد ایجاد کی ہیں ان کا آپ کو علم نہیں حالانکہ ان کے اعمال بھی آپ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ سوائے عرضِ اجمالی کے اور کیا (باقی برصفحہ آئندہ)

فی قبورھم واشتد تکیر الاشاعرۃ علی من نسب ھذا القول الی الشیخ اھ

(طبقات جلد ۶ ص ۲۶۶)

ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے جو خود ہم نے سنا ہے اور جن لوگوں نے امام ابو الحسن اشعریؒ کی طرف یہ غلط بات منسوب کی ہے اشاعرہ نے سختی سے اس کا رد کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متکلمین اشاعرہؒ حضرات انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنے امام ابو الحسن الاشعریؒ کا بھی یہی مسلک بیان کرتے ہیں اور اس کے خلاف جو بات ان کی طرف نسبت کی گئی ہے سختی سے وہ اس کی تردید کرتے ہیں اور دلائل کی مد میں امام بیہقیؒ کی کتاب کا سہارا لیتے ہیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) ہو سکتا ہے؟ مؤلف تسکین القلوب نے ص ۱۰۲ و ۱۰۳ میں حضرت شاہ صاحبؒ کا نام لیے بغیر بلا دلیل راقم پر غصہ کیا ہے کہ مولوی صاحب تطبیق میں فرماتے ہیں کہ یہ عرضِ اعمال چونکہ اجمالی ہوتا ہے تفصیلی نہیں الخ اور آگے اس اجمال کی نفی کی جو لاحاصل بحث کی ہے اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کے علمی جواب کا بالکل رد نہیں ہوتا ان کا جواب و تطبیق اپنی جگہ قائم ہے ہاں مگر انصاف شرط ہے

امام تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب السبکی الشافعیؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں

لان عندنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی یُحِسّ ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام علی ما بیّنّا اھ

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۲)

کیونکہ ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں حس رکھتے ہیں اور جانتے ہیں اور آپ پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور صلوٰۃ وسلام آپ کو پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زندگی کے آثار میں سے احساس اور علم بھی ہے اس لیے آپؐ قبر مبارک میں حس و علم کی صفت سے بھی متصف ہیں اور آپ پر اعمال اُمت اور صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ السید نور الدین علی بن احمد السمہودی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:۔

انا لا نسلم انہ لا یستغفر بعد الموت لما سبق من حیاتہ ومن استغفارہ لامتہ بعد الموت عند عرض اعمالھم علیہ اھ

(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۲۱)

بیشک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آپؐ وفات کے بعد استغفار نہیں کرتے کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ آپؐ زندہ ہیں اور جب اُمت کے اعمال آپؐ پر پیش کئے جاتے ہیں تو آپؐ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

(باقی آئندہ صفحہ پر)

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن القشیریؒ (المتوفی ۴۶۵ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فاما ما حکی عنه وعن اصحابه انهم یقولون ان محمداً صلی اللہ علیه وآله وسلم لیس نبی فی قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظیم وکذب محض لم ینطق به منهم احد ولا سمع فی مجلس مناظرة ذلك عنهم ولا وجد فی کتاب لهم وکیف یصح ذلك وعندهم محمد صلوات اللہ علیه حی

جو بات امام ابو الحسن اشعریؒ اور ان کے اصحاب سے حکایت کی گئی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں نبی نہیں اور نہ وفات کے بعد رسول ہیں (معاذ اللہ) تو یہ بہتانِ عظیم اور خالص جھوٹ ہے اور ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ بات نہیں کہی اور نہ کسی مجلسِ مناظرہ میں ان سے سنی گئی ہے اور نہ ان کی کسی کتاب میں اس کا ثبوت ہے

(بقیہ صفحہ) اس عبارت میں بھی آپؐ پر عرضِ اعمال کی اور اُمت کے لیے آپؐ کے استغفار کی تصریح ہے۔ قاضی شوکانی رحؒ لکھتے ہیں کہ

وقد ذهب جماعة من المحققین الی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم حی بعد وفاته وانه یسر بطاعات امته الخ

(نیل الاوطار ج۳ ص۲۶۴)

محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وفات کے بعد زندہ کئے گئے ہیں اور آپ امّت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

عام موتیٰ پر عرض اعمال

اجمالی طور پر بعض اعمال کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) پر عرض اہل السنت والجماعت کے ہاں ایک مسلّم حقیقت ہے جیسا کہ اس کتاب میں درج شدہ حوالوں سے آپ کو یہ امر بخوبی معلوم ہو گیا ہے اہلِ حق کے نزدیک جملہ اموات پر بھی بعض اعمال پیش کئے جاتے ہیں اچھے ہوں تو ان پر وہ خوش ہوتے ہیں بُرے ہوں تو اُن کو ان سے رنج ہوتا ہے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ بدر الدین العینیؒ کے حوالے سے ہم نے سماع الموتیٰ ص۱۶ میں اور بعض مرفوع احادیث اور چند حوالے سماع الموتیٰ ص۲۰۵ میں درج کر دیئے ہیں وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں طلبہ علم کے افادہ کے لیے ہم یہاں چند اور حوالے عرض کرتے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱ امام محمدؒ بن محمد الغزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

وقال النعمانؓ بن بشیرؓ سمعت رسول اللہ صلی

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

فی قبرہ قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ فاخبر سبحانہ ان الشہداء احیاء عند ربہم فالانبیاء اولی بذلک لمتقاصر رتبۃ الکافۃ عن درجۃ النبوۃ اھ

(الوسائل القشیریہ ص۱ طبع کراچی)

اور یہ بات ان سے بھلا کیسے ثابت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اور ہرگز ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے گئے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں جب شہداء زندہ ہیں تو حضرات انبیاء علیہم السلام بطریق اولیٰ زندہ ہیں کیونکہ سب کا رتبہ نبوت کے رتبہ سے قاصر ہے۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی المنبر یقول الا انہ لم یبق من الدنیا الا مثل الذباب یمور فی جوھا فاللہ اللہ فی اخوانکم من اہل القبور فان اعمالکم تعرض علیہم وقال ابوھریرۃؓ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفضحوا موتاکم بسیئات اعمالکم فانہا تعرض علی اولیائکم من اہل القبور اھ

(احیاء العلوم ج۴ ص۴۱۲)

منبر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا آپ نے فرمایا کہ خبردار دنیا اتنی ہی باقی ہے جتنی (تھوڑی دیر) مکھی جو میں حرکت کرتی ہے سو تم قبروں میں دفن ہونے والے اپنے بھائیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ تمہارے اعمال ان پر پیش کیے جاتے ہیں اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے برے اعمال سے اپنے مردوں کو مت رسوا کرو تمہارے اعمال تمہارے رشتہ داروں پر قبروں میں پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ روایت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے اور اس سے صراحۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندوں کے برے اعمال سے ان کے اعزہ واقارب اور رشتہ دار مردوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

۳۰ شیخ الطائفہ شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد السہروردیؒ (المتوفی ۶۳۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وقد ورد فی الخبر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ وتعرض علی الانبیاء والآباء والامہات

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث وارد ہوئی ہے آپ نے فرمایا کہ سوموار اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جمعہ کے

(باقی برصفحہ آئندہ)

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے امام ابو الحسن الاشعریؒ کی طرف ان کے دشمنوں نے جو یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوت کے قائل نہیں ہیں یہ خالص بہتان اور محض افتراء ہے خود ان کی اور ان کے اتباع کی کتابوں میں اس کے خلاف مصرح ہے پھر آگے لکھتے ہیں کہ :۔

لان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم وقد اقام النکیر علیٰ افتراء ذٰلک

اس لیے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابو القاسم القشیریؒ نے اس

(بقیہ صفحہ گذشتہ) یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتھم وتزداد وجوھھم بیاضاً واشراقاً فاتقوا اللہ ولا تؤذوا موتاکم وفی خبر اعمالکم تعرض علیٰ عشائرکم واقاربکم من الموتیٰ فان کان حسناً استبشروا وان کان غیر ذٰلک قالوا اللھم لا تمتھم حتّٰی تھدیھم کما ھدیتنا الخ
(عوارف المعارف علیٰ ھامش الاحیاء ج ۴ ص ۱۵۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور باپ دادوں اور ماؤں پر پیش کیے جاتے ہیں وہ نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہرے سفید اور چمکیلے ہو جاتے ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مُردوں کو اذیت مت دو اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ رشتہ داروں اور اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اعمال اچھے ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر اعمال بُرے ہوتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو اس وقت تک موت نہ دے جب تک تو ان کو ہماری طرح ہدایت نہ دے دے۔

یہ روایت قدرے اختلافِ الفاظ کے ساتھ الجامع الصغیر ج ۱ ص ۱۳ والسراج المنیر ج ۲ ص ۱۶۵ وزرقانی شرح المواہب ج ۵ ص ۳۲۷ میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے اور شرح الصدور ص ۱۱ اور مائۃ مسائل ص ۳۸ میں بحوالہ مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵ اور مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸ حضرت انسؓ سے مرفوعاً اور ابو داؤد الطیالسی ص ۲۴۸ میں حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ سے مرفوعاً مروی ہے الغرض عرض اعمال علی الاقارب کی حدیثیں بھی موجود ہیں اور علماء امت نے ان سے استدلال واحتجاج کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے یہ واضح وظاہر ہے۔

حدیث عرض اعمال پر گرفت

اکابر سے کٹ اور ہٹ کر اپنی نئی تحقیق اور رائے کو حرفِ آخر سمجھنے والے بعض دوستوں نے جو کچھ کہا اس کا اجمالی خاکہ بھی ملاحظہ فرمائیں مؤلف ندائے حق ص ۲۴۳ میں لکھتے ہیں کہ شیعہ کہتے ہیں ہمارے

ابوالقاسم القشیریؒ اھ (شامی جلد ۳ ص ۳۶۶ باب المغنم)

افتراء کی سختی سے تردید کی ہے۔

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والحاصل ان حیاۃ الانبیاء ثابتۃ بالاجماع اھ (المنحۃ الوھبیۃ ص ۶ طبع استنبول)

حاصل یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بالاجماع ثابت ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہٖ ھو وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لما قام عندنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر مبارک میں اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اعمال آئمہ اطہار کے پیش ہوتے ہیں سُنّی گو بدعتیوں نے کہا ہمارے اعمال حضور کے حضور پیش ہوتے ہیں الخ الجواب قارئین کرام نے عرضِ اعمال کے بارے اکابر علماء اہلسنت کے کچھ حوالے پہلے پڑھ لیے ہیں اور مولف ندائے حق کے اس حوالہ کے پیش نظر وہ تمام اکابر سُنّی گو بدعتی ہیں ہاں اگر اصلی سُنّی ہیں تو وہ مؤلف مذکور یا ان کے بعض ہمنوا لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور مولف مذکور نے ندائے حق ص ۱۳۶ میں عرض اعمال کا عنوان قائم کر کے جو باتیں کہیں وہ یہ ہیں (۱) روایت کی تصحیح اور تحسین کی بابت سیوطیؒ کا تساہل مشہور ہے اور زرقانیؒ کا حال بھی کسی عالم سے مخفی نہیں اور سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ نے انہیں کو دیکھ کر سند جید کہہ دیا ہے (۲) حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عرض اعمال شیعہ کا مذہب ہے چنانچہ سند کے ساتھ امام جعفر صادقؒ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر صبح و شام تمام نیک و بد بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو تم بد اعمال سے بچو اللہ تعالیٰ کا ارشاد اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون قال واللہ ھو علی ابن ابی طالب عرض اعمال شیعہ کا مذہب ہے کسی حدیث میں نہیں (۳) ابوداؤد کنس المساجد میں عرضت علیّ اعمال امتی منقطع ہے قابلِ اعتبار نہیں اور پھر اس کا معنی یہ ہے کہ احوال عملوں کا دکھایا گیا نہ یہ معنی کہ فلاں شخص نے یوں کیا (۴) خود صاحب تسکین الصدور نے اپنی کتاب تبرید النواظر ص ۱۱۹ میں لکھا ہے کہ فسیری اللہ عملکم الآیۃ سے شیعہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر آئمہ پر اعمال پیش کرنے پر استدلال کیا ہے (اصول کافی جزو سوم ص ۱۳۹ مع الصافی) اور لکھا ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

من الادلة فی ذٰلك وتواترت بہ الاخبار الدالة
علیٰ ذٰلك اھ (انباہ الاذکیاء ص۲ طبع حیدرآباد
دکن وفتاوی امام سیوطیؒ جلد۲ ص۱۴۷ طبع مصر)

کی حیات ہمارے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کیونکہ اس
پر ہمارے نزدیک دلائل قائم ہیں اور تواتر کے ساتھ اخبار
موجود ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں رہا اور اس پر حدیث صحیح سے بھی ثبوت موجود ہے اور اُمت کے تمام طبقات میں اس کو تسلیم کیا گیا ہے اس لیے امام سیوطیؒ

(بقیہ گذشتہ) درحقیقت عرض جملہ اعمال شیعہ شنیعہ کا مسلک ہے (۵) رجالہ رجال الصحیح کا لفظ نہ تو صحت حدیث پر دال ہے اور نہ سند کے منقطع ہونے کے منافی ہے (محصلہ) الجواب مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ کہا ہے بالکل بے سود ہے علی الترتیب جوابات ملاحظہ فرمائیں ع۱ بلا شبہ امام سیوطیؒ متساہل تھے لیکن علامہ نور الدین ہیثمیؒ اور علامہ زرقانیؒ کا تساہل ثابت نہیں اور بلا حوالہ اور بدون دلیل کے ان حضرات کا تساہل غیر مسلّم ہے اسی طرح مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ دور حاضر کے محقق علماء میں سے تھے نرے لکیر کے فقیر نہ تھے خود مؤلف مذکور ندائے حق ص۳۷ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کو رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں مگر صد افسوس ہے کہ یہی رئیس المحدثین اور ابن حجر ثانی جب کوئی ایسا بیان کرتے ہیں جو مؤلف مذکور کے نظریہ کے خلاف ہوتا ہے (جیسے یہاں) تو وہ صرف سید محمد انور شاہ صاحبؒ رہ جاتے ہیں اس لیے ان پر کی گئی بے اعتمادی کا بھی اہل حق کے ہاں قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے ع۲ شیعہ کے ساتھ بعض مسائل میں اشتراک و توارد اس کا مقتضی تو نہیں کہ ان مسائل ہی کا سرے سے انکار کر دیا جائے اگر شیعہ نماز و روزہ اور حج وغیرہ احکام کے قائل ہیں تو کیا ہم اہل السنۃ والجماعت ان احکام کا انکار کر دیں؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) علاوہ ازیں اہل حق اجمالی عرض کے قائل ہیں جیسا کہ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا تھانوی رحؒ وغیرہ حضرات کے حوالہ عرض کر دیئے گئے ہیں اور شیعہ عرض تفصیلی کے قائل ہیں چنانچہ خود مؤلف ندائے حق نے ص۱۳۶ میں حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کی املائی تفسیر بلغة الحیران ۳۳۳ کا یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ اے برادر یہ عقیدہ کہ کوئی سب کچھ جانتا ہے اور صبح و شام کسی پر اعمال کل عباد کیے پیش ہوتے ہیں یہ عقائد شیعہ کے ہیں۔ الغرض دونوں کے نظریات میں بڑا فرق ہے۔

ع۳ ابوداؤد کی روایت کا اس موقع پر پیش کرنا بے محل ہے اور یہ حضرت مرحوم کا وہم ہے کیونکہ وہ عرض

(باقی بر صفحہ آئندہ)

نے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور ایک اور مقام میں تواتر کا دعویٰ کر کے یوں لکھتے ہیں کہ :-

ان من جملة ما تواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیاة الانبیاء فی قبورھم (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر کذا فی شرح البوستوی ص[illegible] طبع مصر)

یعنی جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

علامہ داؤدؒ بن سلیمان البغدادیؒ نے بھی اس حدیث کے متواتر کہنے میں امام سیوطیؒ کی تابعداری کی ہے۔ (المنحۃ الوہبیۃ ص۱۱ طبع استنبول)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) جیسا کچھ بھی تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر زندگی میں ہوا تھا اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں جو عرض ہے وہ بعد از وفات قبر مبارک میں ہے جب دونوں حدیثوں کا محل جدا جدا ہے تو ایک کو دوسری کی تفسیر میں یا اس کے معارضہ میں پیش کرنا بے سود ہے وہ صحیح ہو یا منقطع ہو اس کی وجہ سے اس صحیح حدیث پر ہرگز کوئی زد نہیں پڑتی (۴) تبرید النواظر میں شیعہ شنیعہ کا جو مسلک نقل کیا گیا ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں عرض جملہ اعمالش الخ خدا کرے کہ مؤلف مذکور کو جملہ کا معنی سمجھ آ جائے کیونکہ بات سب سمجھ ہی کی ہے الحاصل اہل حق جس طرح کے عرض اعمال کے قائل ہیں وہ روایۃً ودرایۃً بالکل صحیح ہے اور اس پر کوئی قابل التفات عقلی یا نقلی اعتراض وارد نہیں ہوا ہاں اگر کوئی صرف میں نہ مانوں کی رٹ لگاتا رہے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

مؤلف اقامۃ البرہان

مؤلف مذکور نے ص۲۴۲ تا ص۲۴۵ میں ازالۃ الریب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کثرت تفحص کے بعد بھی حضرت امام سیوطیؒ کے زمانہ تک کسی اور محدث سے اس حدیث کی تصحیح یا تحسین نہیں مل سکی اور امام سیوطیؒ تصحیح حدیث میں بہت متساہل ہیں وہ تو جعلی من گھڑت اور موضوع حدیثوں کا سہارا بھی اپنے استدلال میں ڈھونڈ لیتے ہیں دیکھئے (مسالک الحنفاء وغیرہ) جب تک اس روایت کی پوری سند اور اس کے رواۃ کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت نہ کیا جائے اور کسی معتبر محدث سے اس کی تصحیح اور تحسین ثابت نہ ہو تو اس پر علم غیب وغیرہ قطعی عقیدہ میں کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ بقول امام سیوطیؒ یہی کہا جائے گا کہ یا تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا خود یہ حدیث باطل ٹھہرے گی (کما سیأتی) خصوصاً جب کہ یہ روایت مسند بزار کی ہے جو نہ تو کتب حدیث کے طبقہ اولیٰ میں ہے اور نہ ثانیہ میں الخ (باقی برصفحہ آئندہ)

؎ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ اپنی مختصر تفسیر بے نظیر البیان فی ربط القرآن ص[illegible] طبع تعمیر پرنٹنگ پریس راولپنڈی میں لکھتے ہیں ہر روز سب عمل بندوں کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچتے ہیں یہ شیعہ مذاہب والے کہتے ہیں الخ آگے اصول کافی ص۱۳۳ کا حوالہ دیا ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ تواتر کے کئی اقسام ہیں۔ تواتر لفظی، تواتر معنوی، تواتر طبقہ اور تواتر توارث وغیرہ گو اس حدیث کے الفاظ اور اسناد متواتر نہیں لیکن تواتر طبقہ اور تواتر توارث کا شرف اس کو حاصل ہے! امام عبدالوہاب شعرانیؒ المتوفی ۹۷۳ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قد صحت الاحادیث انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی باذان واقامۃ۔	بلاشبہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔
(منح المنۃ ص۹۲ طبع مصر)	

پہلے صحیح روایت عرض کی جا چکی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور منفرد کی کامل نماز تو وہی ہوتی ہے جو اذان و اقامت سے ہو لہذا اذان و اقامت خود نماز

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس کے بعد انہوں نے تسکین الصدور کی عرضِ اعمال کی حدیث کے صحیح ہونے کا حوالہ پیش کر کے جواب لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ سیوطیؒ معتبر محدث نہیں کسی معتبر محدث سے اس کی تصحیح و تحسین ثابت نہیں راویوں کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت نہیں اب کیا امام سیوطیؒ معتبر ہو گئے ہیں؟ یا مسند بزار طبقہ اولیٰ اور ثانیہ میں شامل ہو گئی ہے یا طبقہ ثالثہ و رابعہ کی حدیثیں قابلِ احتجاج ہو گئی ہیں۔ علامہ نورالدین ہیثمیؒ اگرچہ امام سیوطیؒ پر اقدم ہیں لیکن وہ بھی امام سیوطیؒ کی طرح ناقل و جامع ہیں اور ان کے رجالہ رجال الصحیح کہنے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا (محصلہ) الجواب جس وقت ہم نے ازالۃ الریب لکھی تھی اس وقت ہمارے سامنے صرف امام سیوطیؒ کی خصائص الکبریٰ کا حوالہ ہی تھا اور ہم صرف امام سیوطیؒ کی تصحیح پر ان کے متساہل ہونے کی وجہ سے مطمئن نہ تھے لیکن سرسری طور پر اس کے دیگر مظان سے دیکھا تو کسی اور کی تصحیح و تحسین نہ مل سکی لیکن جب بعد کو مجمع الزوائد زرقانیؒ رئیس المحدثین ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ کے حوالے مل گئے تو ہم مطمئن ہو گئے اور ہم نے اسی اطمینان سے یہ بحث تسکین الصدور میں باحوالہ درج کر دی اور اس سلسلہ میں اصل اعتماد امام سیوطیؒ کے علاوہ دوسروں پر ہے جب اس روایت کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں تو ان کے ثقہ ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور جب ذمہ داری سے علامہ ہیثمیؒ وغیرہ اس کو صحیح اور جید کہتے ہیں تو اصول حدیث کے رو سے صحت کے لیے اتصال سند بھی ضروری امر ہے لہذا اتصالِ سند بھی ثابت ہے علامہ ابن الصلاحؒ کا حوالہ اسی کتاب میں اپنے مقام پر آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ (باقی بر صفحہ آئندہ)

میں شامل ہیں اور کتب فقہ میں منفرد کے لئے بھی اذان و اقامت کا ثبوت موجود ہے (ہاں جماعت اس منفرد کی نماز نور الانوار صـ۳۶ وغیرہ کے حوالہ کے مطابق ادائے قاصر کی مد میں شامل ہوتی ہے جہاں جماعت مسنونہ مل سکتی ہو اور تغافل و کوتاہی کر کے آدمی اس کو حاصل نہ کر سکے اور نہ پھر تکلیفی زندگی ہو قبر کا معاملہ اس سے الگ ہے لہذا ندائے حق صـ۹۱ پر اس پر بحث لاحاصل ہے)

حضرت مولانا عثمانی رح لکھتے ہیں کہ:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی کما تقرر و	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ
انہ یصلی فی قبرہ باذان واقامۃ اھ	پر ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت
(فتح الملہم جلد ۳ صـ۲۱۹)	سے نماز پڑھتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رح ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

ان کثیراً من الاعمال قد ثبتت فی القبور	قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے
کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقرأۃ	جیسے اذان و اقامت کا ثبوت دارمی کی روایت
القرآن عند الترمذی الخ (فیض الباری جلد ۱	میں اور قرأۃ قرآن کا ترمذی کی روایت ہیں۔
صـ۱۸۳)	

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی رح (المتوفی ۸۵۵ھ) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:-

اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی	دو موتوں سے ایک وہ موت مراد ہے جو دنیا میں آتی ہے
القبر وهما موتتان المعروفتان المشهورتان	اور دوسری وہ ہے جو قبر میں آتی ہے یہی دو معروف و مشہور
فلذلک ذکرهما بالتعریف وهما موتتان لکل	موتیں ہیں اس لیے ان کو الف لام حرف تعریف سے ذکر کیا
احد غیر الانبیاء علیهم السلام فانهم لا یموتون	ہے ہاں حضرات انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں وہ اپنی

(بقیہ گذشتہ) اور علامہ ہیثمی رح سے ناقل اور جامع ہی نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح اور ضعیف حدیثوں کے پرکھنے کا قوی ملکہ عطا فرمایا ہے اور بعد میں آنے والے جملہ محدثین کرام رح اس سلسلہ میں ان پر اعتماد کرتے ہیں جب یہ ذمہ دار حضرات اس کی تصحیح کرتے ہیں تو یہ روایت مسند بزار میں رہ کر بھی صحیح ہو سکتی ہے نہ طبقہ بدلنے کی حاجت ہے اور نہ اس صحیح روایت پر بے اعتمادی کی کوئی وجہ ہے۔

فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیامۃ اھ
(عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۶ طبع مصر)

قبروں میں نہیں مرتے بلکہ وہ زندہ ہی رہتے ہیں بخلاف دیگر مخلوق کے کہ (حساب و کتاب کے بعد) وہ قبروں میں وفات پا جاتے ہیں اور پھر قیامت کے دن زندہ ہوں گے۔

یہ تحقیق اس مسلک پر مبنی ہے کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے پھر ان کو وفات دی جاتی ہے، مگر جمہور اس کے خلاف ہیں (پہلے اس کی بحث گذر چکی ہے) لیکن حضرات انبیاء علیہم السلام پر قبور میں وفات نہیں آتی بلکہ وہ مستمر طور پر زندہ رہتے ہیں اور اس بات میں وہ حضرات بھی متفق ہیں جو عام مُردوں کے لیے قبر میں سوال کے بعد موت تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے یہ منقول ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہونے والے کے لیے لفظ زیارت کو پسند نہ فرماتے تھے۔ علامہ ابن رشدؒ (المتوفی ۵۹۵ھ) نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ لفظ زیارت عموماً مُردوں کے متعلق استعمال ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو قبر مبارک میں زندہ ہیں پھر لفظ زیارت کیوں استعمال کیا جائے۔

چنانچہ حضرت مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ (المتوفی ۱۲۸۵ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

نقل عن الامام مالکؒ انہ کان یکرہ ان یقول رجل زرت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابن رشدؒ من اتباعہ ان الکراھۃ لغلبۃ الزیارۃ فی الموتٰی وھو صلی اللہ علیہ وسلم احیاہ اللہ تعالٰی بعد موتہ حیاۃ تامۃ واستمرت تلک الحیوۃ وھی مستمرۃ فی المستقبل ولیس ھذا خاصۃ بہ صلی اللہ علیہ وسلم بل یشارکہ الانبیاء علیھم السلام فھو حی بالحیوۃ الکاملۃ مع الاستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی (نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن ص ۱۲ ونحوہ فی وفاء الوفاء جلد ۲ ص ۴۱۳ طبع مصر)

امام مالکؒ سے یہ منقول ہے کہ وہ اس کو ناپسند کرتے تھے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کی علامہ ابن رشد مالکیؒ فرماتے ہیں کہ کراہت کی وجہ یہ ہے کہ زیارت کا لفظ بالعموم مُردوں کے لیے بولا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد مکمل حیات بخشی ہے اور یہ مستقبل میں دائمی ہے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مختص نہیں بلکہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام بھی اس میں آپ کے ساتھ شریک ہیں پس آپ کو حیات کاملہ حاصل ہے لیکن دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت نہیں پڑتی۔

اس عبارت میں بھی یہ امر واضح کر دیا گیا ہے کہ گو یہ حیات کامل ہے مگر تمام لوازمات دنیوی اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ اس میں دنیوی اور حسی خوراک کی حاجت بھی باقی رہے۔

اس مقام میں مؤلف ندائے حق نے صـ۳۵ تا صـ۳۷ میں ایک غیر ضروری اور بے فائدہ بحث چھیڑ دی ہے جس کا تجزیہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ (۱) ابن رشدؒ کا قول لغت میں معتبر نہیں۔

الجواب ہم نے کب ابن رشدؒ کا قول لغوی اعتبار سے پیش کیا ہے ان کا حوالہ صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ فقہی طور پر انہوں نے امام مالکؒ کے قول کی ایک توجیہہ پیش کی ہے اور علامہ ابن رشدؒ کا مقام فقہاء مالکیہ میں بہت بلند ہے۔

عـ۲ زیارت کا لفظ زندوں پر ہوتا ہے اور اس کے ثبوت میں کئی حوالے پیش کئے ہیں۔

الجواب بجا ہے اس کا کون انکار کرتا ہے؟ لیکن یہ لفظ اسی میں منحصر نہیں ہے اور مقامات پر بھی بولا جاتا ہے۔

عـ۳ اہل عرف جب زیارت میت کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد (بحذف مضاف) قبر ہوتی ہے

الجواب بجا ہے قرآن کریم، احادیث اور فقہاء کرامؒ کی عبارات میں زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ اور زیارۃ القبور وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اگر ایسا ہی مضاف آپ ابن رشدؒ کے کلام میں مراد لے لیں تو کیا نقصان لازم آتا ہے؟ علاوہ ازیں ہمارے فقہاء احنافؒ نے لفظ زیارت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے بولا ہے چنانچہ علامہ شرنبلالیؒ لکھتے ہیں

ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ الخ	جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا قصد کرے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ بکثرت آپؐ پر
(نور الایضاح صـ۱۸۸)	درود شریف پڑھے۔

اور علامہ عبد العلی بحر العلومؒ روضۂ اقدس پر حاضر ہونے سے پہلے کی ایک دعا بتاتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں وارزقنی من زیارۃ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم الخ (رسائل الارکان صـ۲۸۰) الغرض زندہ کی زیارت، قوم کی زیارت، قبر کی زیارت اور زیارۃ النبیؐ اور زیارۃ الرسول کے تمام الفاظ اپنے اپنے معنی اور اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے درست ہیں نہ تو اس میں راقم کی لغوی غلطی ہے اور نہ علامہ ابن رشدؒ کی۔

علامہ ابو الوفاء علی بن محمد ابن عقیل الحنبلیؒ (المتوفی ۵۱۳ھ) کا ارشاد ہے کہ:۔

قال ابن عقیلؒ من الحنابلۃ وھو صلی اللہ علیہ وسلم حیّ فی قبرہ یصلی (الروضۃ البھیۃ ص۱۴)

علامہ ابن عقیل الحنبلیؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

امام بدر الدین بعلی الحنبلیؒ جنہوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتاوی کا اختصار کیا ہے، لکھتے ہیں کہ:۔

والانبیاء احیاء فی قبورھم وقد یصلون (مختصر الفتاوی المصریۃ ص۱۷)

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بسا اوقات نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی چونکہ تکلیفی زندگی تو رہی نہیں اور وہ حضرات نماز تلذذ کے طور پر پڑھتے ہیں، اس لیے پابندی لازم نہیں اور قد یصلون کہہ کر اسی حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے کیونکہ حرف قد مضارع پر داخل ہو کر اکثر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔ اور حرف قد مضارع پر کبھی تحقیق کے لیے بھی آتا ہے۔ (رضی جلد ۲ ص۳۹۸ و تن متین ص۲۸)

فقیہ وقت علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولما ھو مقرر عند المحققین انہ صلی اللہ علیہ وسلم حی یرزق متمتع بجمیع الملاذ والعبادات غیر انہ حجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات۔ (نور الایضاح ص۱۷۷)

محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپ تمام لذتوں اور عبادتوں سے متمتع ہیں مگر ان نگاہوں سے اوجھل ہیں جو ان ارفع مقامات تک رسائی سے قاصر ہیں۔

اس عبارت میں محققین کا مسلک یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور رزق اور عبادات سے منتفع ہیں لیکن یہ رزق دنیوی اور حسی نہیں بلکہ عالم غیب اور دوسرے جہاں کا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

علامہ ابن عابدین الشامی الحنفیؒ ایک خاص مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ

(رسائل ابن عابدین جلد ۲ ص ۲۰۳ طبع مصر)

ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

علامہ شامی رحؒ نے اس عبارت میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حدیث پر بنیاد رکھتے ہوئے تسلیم کیا ہے جس سے حدیث کی صحت بھی ان کے نزدیک مسلّم ہے۔

الامام الاستاذ ابو منصور طاہر الشافعی البغدادیؒ (المتوفی ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حیّ بعد وفاتہ یسر بطاعات امتہ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۶ و اعلاء السنن جلد ۱۰ ص ۳۳)

ہمارے اصحاب کے محقق متکلمین یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی اُمت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

اصحابنا سے متکلمین کی جماعت مُراد ہو یا شوافع کی بہر صورت ان میں محققین کا مسلک اور تحقیق یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاویؒ المتوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں کہ

نحن نؤمن ونصدق بانہ صلی اللہ علیہ وسلم حیّ یرزق فی قبرہ وان جسدہ الشریف لا تأکلہ الارض والاجماع علیٰ ھذا۔ (القول البدیع ص ۱۲۵ طبع الٰہ آباد)

ہم اس بات پر ایمان لاتے اور اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق ملتا ہے اور آپ کے جسدِ اطہر کو زمین نہیں کھا سکتی اور اسی پر اجماع منعقد ہے

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر مبارک میں زندہ ہونا اور آپ کو رزق ملنا اور جسدِ اطہر کا محفوظ رہنا اجماع اُمت سے ثابت ہے اگر بالفرض حدیث سے اس کا کوئی ثبوت نہ بھی ہو تو تب بھی اُمتِ مسلمہ کا اجماع شرعی دلائل میں سے ایک وزنی دلیل ہے۔

علامہ محمد عابد السندی الحنفیؒ المتوفی ۱۲۵۷ھ لکھتے ہیں کہ :۔

اما ھم فحیاتھم لا شک فیھا ولا اختلاف لاحد من العلماء فی ذٰلک الیٰ ان قال فھو صلی اللہ علیہ وسلم حی علی الدوام (رسالہ مدنیہ ص ۴)

بہر حال حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور علماء میں سے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (پھر آگے فرمایا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔

یعنی وفات کے بعد قبر میں جو حیات آپؐ کو حاصل ہے وہ مستمر اور دوامی ہے وہ سلب نہیں ہوئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

حیات متفق علیہ است، ہیچ کس را در وے خلافے نیست (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۶۱۳)	حیات متفق علیہ ہے کسی کا اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

شیخ محدث دہلویؒ باوجود وسیع النظر ہونے کے کس وضاحت سے یہ بیان کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اگر کسی ایک فرد کا اختلاف بھی اس میں ہوتا تو ضرور اس کا اظہار فرماتے۔

نواب قطب الدین خان صاحبؒ (المتوفی ۱۲۷۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے (مظاہر حق جلد ۱ ص ۴۲۵) نواب صاحبؒ دنیا کی سی کا جملہ بول کر یہ حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ حیات من کل الوجوہ دنیوی نہیں ہے کہ حسی کھانے پینے کی حاجت ہو بلکہ بعض وجوہ سے دنیوی ہے مثلاً ادراک علم اور شعور وغیرہ۔

مشہور محقق، محدث اور نکتہ رس عالم علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین توربشتی الحنفی[1] المتوفی فی حدود سنہ ۶۶۰ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصیات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔

وازاں جملہ آنست کہ بداند کہ کالبدِ وے را زمین نخورد و پوسیدہ نشود و چوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد و حشر وے و جملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثے درست است کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ	ان خصوصیات میں سے ایک یہ بھی جاننی چاہیئے کہ آپ کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھاتی اور نہ وہ ریزہ ریزہ ہوگا اور (قیامت کو) جب زمین شق ہوگی تو آپ کا جسم مبارک اپنی حالت میں محفوظ ہوگا اور اسی وجود مبارک کے ساتھ آپ اور دیگر جملہ انبیاء علیہم السلام کا حشر ہوگا

---

[1] ملا کاتب چلپیؒ نے ان کو الحنفی لکھا ہے ملاحظہ ہو کشف الظنون ج ۲ ص ۴۴۲ وھو الحق اور علامہ سبکیؒ نے ان کا تذکرہ طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۴۶ میں کیا ہے۔

اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ اِلٰی ان قال هم احیاء فی قبورهم یصلّون۔ واوّل همه پیغمبر ما برخیزد از گور (کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲، فصل ۴ للتورپشتیؒ)

اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں (پھر آگے فرمایا کہ) انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر مبارک سے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اٹھیں گے۔

موصوفؒ نے یہ لکھ کر آخر میں فرمایا ہے کہ دانستن ایں ہمہ کہ یاد کردم مہم است یعنی یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس کا جاننا نہایت ضروری اور اہم ہے غور فرمایئے کہ کس خیر خواہی، دلسوزی اور ہمدردی سے ضروری اور مہم امور کو ذہن نشین کرنے کی سعی کی جا رہی ہے اور مستند، صحیح اور معروف حدیثوں کا حوالہ دے کر ان امور کو مبرہن اور مدلل کیا جا رہا ہے تاکہ کسی منکر کے لیے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوریؒ الحنفی (المتوفی ۱۲۹۷ھ) نقل کرتے ہیں کہ:۔

والاحسن ان یقال ان حیاته صلی الله علیه وسلم لایتعقبها موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورهم (حاشیہ بخاری جلد ۱ ص۵۱۷)

بہتر بات یہ ہے کہ کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ایسی ہے کہ اس کے بعد موت وارد نہیں ہوتی بلکہ دوامی حیات آپ کو حاصل ہے اور باقی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

قبر میں حیات کے منکروں نے حضرت صدیقؓ کے اس قول

والذی نفسی بیده لایذیقك الله الموتتین ابدًا۔

کہ بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی دو مرتبہ موت نہیں چکھائے گا)

سے استدلال کیا تھا اور اہل سنت کی طرف سے اس کا ایک جواب یہ ہے جو مولانا سہارنپوریؒ نے فتح الباری کے حوالہ سے نقل کر کے اس کی تائید کی ہے۔

مولانا ابو الخیر عبد الہادی محمد صدیق نجیب آبادی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

انهم اتفقوا علی حیوته صلی الله علیه وسلم بل حیوة الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام متفق علیها لااختلاف لاحد فیها

محدثین کرامؒ اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات متفق علیہا ہے،

(انوار المحمود شرح ابی داؤد جلد ۱ ص ۶۱)

اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اتفاقی امر ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضرت مولانا عثمانی رحؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ودلت النصوص الصحیحۃ علی حیٰوۃ الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کما سیأتی انشاء اللہ تعالیٰ فی موضع بلیق بہ انتہٰی (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۵)

نصوص صحیحہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں جیسا کہ مناسب موقع پر اس کا ذکر ہو گا۔ انشاء اللہ

مولاناؒ نے متعدد مقامات پر حیات انبیاء علیہم السلام کو بیان فرمایا ہے ان کی بعض ضروری عبارتیں باحوالہ اپنے مقام پر آ رہی ہیں انشاء اللہ۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ کما ان الانبیاء علیھم السلام احیاء فی قبورھم اھ (بذل المجہود جلد ۲ ص ۱۱۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں جس طرح کہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اگر اس حیات سے محض روح کی حیات مراد ہے اور قبر میں جسم اطہر کا اس سے کوئی تعلق نہیں تو حضرت انس رضؓ کی حدیث میں قبور کا لفظ معاذ اللہ بیکار جاتا ہے اور اسی طرح اکابر کی عبارات میں بھی لفظ قبر کا کوئی مطلب خیز معنٰی حاصل نہیں ہوتا چونکہ ان کے اجساد مبارکہ قبروں میں بالکل محفوظ ہیں تو قبر میں حیات کا مطلب اور مفہوم اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے تعلق ہے اور اس کی بدولت حیات حاصل ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد یتخایل ان رد الروح ینافی الحیٰوۃ وھو بفقرھا فان الرد انما یکون

کبھی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ روح کا لوٹانا حیات کے منافی ہے حالانکہ رد روح حیات کو ثابت کرتا ہے

الی الحی لا الی الجماد کما وقع فی حدیث لیلۃ التعریس یوید بقولہ الانبیاء مجموع الاشخاص لا الارواح فقط الخ

(تحیۃ الاسلام ص۳۵ و ۳۶)

کیونکہ روح زندہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے نہ کہ جماد کی طرف جیسا کہ لیلۃ التعریس کی حدیث میں ہے (جب سب حضرات سو گئے تھے اور سورج چڑھنے کے بعد بیدار ہوئے اور اس میں روح کا ذکر ہے، بخاری ج۱ ص۸۳) اور انبیاء احیاء سے حضرات انبیاء کے مجموع اشخاص مراد ہیں نہ کہ فقط ارواح (یعنی وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں۔

حضرت موصوف نے اس عبارت میں تصریح کر دی ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی سے فقط روح کی زندگی مراد نہیں بلکہ بدن اور روح دونوں کی زندگی مراد ہے (مجموع الاشخاص)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رح ارقام فرماتے ہیں کہ بیہقی وغیرہ نے حدیث انس رض سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں کذا فی المواھب اور یہ نماز تکلیفی نہیں بلکہ تلذذ کے لیے ہے اور اس حیات سے یہ تہ سمجھا جائے کہ آپ کو ہر جگہ پکارنا جائز ہے الخ

(نشر الطیب ص۲۱۱ طبع جید برقی پریس دہلی)

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔ آپ بنص حدیث قبر میں زندہ ہیں (التکشف ص۴۴۶)

حضرت مجدد الف ثانی رح حضرت انس رض کی اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں مواطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی قبورھم شنیدہ باشند۔

(مکتوبات دفتر دوم ص۲۹ طبع لکھنؤ)

چھوٹا برزخ (یعنی قبر) جب ایک وجہ سے دنیوی جگہوں میں سے ہے تو یہ ترقی کی گنجائش رکھتا ہے اور مختلف اشخاص کے اعتبار سے اس جگہ کے حالات خاصے متفاوت ہیں۔ آپ نے یہ تو سنا ہی ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ حیات انبیاء علیہم السلام پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقوّيه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء اه

(فتح الباری جلد ۶ ص ۳۷۹)

اور جب نقل کے لحاظ سے ان کا زندہ ہونا ثابت ہے تو دلیل عقلی اور قیاس بھی اس کی تائید کرتا ہے وہ یہ کہ شہداء نصّ قرآن کے رُو سے زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تو شہداء سے اعلیٰ اور افضل ہیں (تو بطریق اولیٰ ان کو حیات حاصل ہوگی)

تمام اہلِ اسلام اِس امر پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر اور برزخ میں حیات حضرات شہداء کی حیات سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور جب شہداء کی زندگی نص قرآنی سے ثابت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں تو حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث انسؓ کی رُو سے تو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہی ہے عقلی اور نظری طور پر دلالۃ النص سے بھی ان کی حیات ثابت ہے اس لئے کہ وہ شہداء سے افضل ہیں تو لامحالہ ان کی حیات بھی شہداء سے افضل اور برتر ہوگی لہذا نقل وعقل سے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم شہید تھے

حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے تو قیاس کے ذریعہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام قبر و برزخ میں زندہ ہیں لیکن قطع نظر اس قیاس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید بھی ہیں لہذا جو حیات شہداء کی منصوص ہے وہ نص قرآنی سے بھی آپ کے لیے ثابت اور متحقق ہے۔

قصّہ یوں ہے کہ ۷ھ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرات صحابہ کرامؓ کی معیت میں خیبر فتح کر لیا تو یہود خیبر اس پر بہت ہی زیادہ برافروختہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو شہید کرنے کا منصوبہ تیار کیا چنانچہ مشہور یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مع چند دیگر صحابہ کرامؓ کے دعوت تیار کی اور بکری کے گوشت میں زہر ہلاہل ڈال کر آپؐ کو شہید کرنا چاہا، چنانچہ آپ کے ساتھیوں نے بھی وہ کھانا ایک ایک دو دو لقمے کھایا اور آپؐ نے بھی ایک لقمہ منہ مبارک میں ڈالا، اور اس کا لعاب حلق مبارک سے نیچے پیٹ میں چلا گیا، گوشت کی بوٹی نے بول کر کہا حضرت

مت کھائیے کیوں کہ میں زہر آلود ہوں، آپ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو فوراً منع کیا، مگر ایک صحابی حضرت بشرؓ بن براء بن معرور اس سے شہید ہو گئے اور آپ کو اس زہر سے کافی تکلیف ہوئی چنانچہ آپؐ نے وفات سے چند لمحات پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ :-

یا عائشۃؓ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان وجدت انقطاع ابھری من ذلک السم۔ (بخاری ج۲ ص۶۳۷ ومستدرک جلد۳ ص۵۸)

اے عائشہؓ میں برابر اس کھانے کی زہر کا اثر پا رہا ہوں جو خیبر میں میں نے کھایا تھا سو اس وقت میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میری رگ جان کٹ رہی ہے۔

آپ کی وفات کے وقت اس زہر کا خاصا اثر تھا اور عالم اسباب میں آپ کی وفات کا سبب وہ زہر ہلاہل ہے، اس لیے آپ شہید بھی ہوئے چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

لان احلف تسعا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل قتلا احب الیّ من احلف واحدۃ انہ لم یقتل وذلک ان اللہ اتخذہ نبیا واتخذہ شہیدا۔ (مستدرک جلد۳ ص۵۸ قال الحاکمؒ والذھبیؒ صحیح علی شرطھما ومسند احمد ج۱ ص۳۸۱)

یہ کہ میں نو دفعہ قسم اٹھاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک دفعہ یہ قسم اُٹھاؤں کہ آپ قتل نہیں کیے گیے اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہادت کا رُتبہ بھی عنایت فرمایا ہے۔

علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکیؒ (المتوفی ۱۱۲۲ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

اخرجہ احمد وابو یعلیٰ والطبرانی والحاکم والبیہقی عن ابن مسعود اھ (زرقانی شرح مواھب ج۵ ص۳۱۲)

اس روایت کو امام احمدؒ، ابو یعلیٰؒ، طبرانیؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کا بلند مقام بھی مرحمت فرمایا ہے اور قرآن کریم میں شہداء کی جو زندگی اور حیات منصوص ہے وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ہے۔ نصِ قرآنی اور صحیح حدیث کو ملانے کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے علاوہ یہ ایک الگ اور جُدا دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک میں زندہ ہیں اور یہ محض قیاسی فقہی اور نظری دلیل ہی نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے پہلے عرض کیا گیا ہے بلکہ اس روایت کے رُو سے آپ کی شہادت بھی منصوص ہے اور نصِ قرآنی سے شہداء کی حیات بھی منصوص ہے۔

اکابر علماء دیوبند کی دینی خدمات

اس دور میں مذہب و قوم کی جو خدمت علماء دیوبند نے کی ہے وہ کسی دانشمند اور منصف مزاج آدمی سے مخفی نہیں ہے علمی اور تحقیقی، تقریری اور تحریری تدریسی اور سیاسی رنگ میں ان کی خدمات رہتی دُنیا تک نہ صرف یہ کہ یادگار ہی رہیں گی بلکہ انشاء اللہ مشعلِ راہ بھی بنیں گی اور ان کے درس و تدریس اور وعظ و پند سے تشنگانِ علم و ہدایت ذوق و شوق کے پیالے بھر بھر کر سیراب ہوتے رہیں گے، ایک وقت تھا کہ ان کی خداداد قابلیت اور بے لوث خدمت اور قبولیت عامہ نے برطانیہ کی حکومت کو خاصا ہراساں کر دیا تھا جس نے ان کو طرح طرح کی اذیتیں اور دُکھ پہنچائے اور اُن کو بدنام کرنے کا کوئی مذموم سے مذموم حربہ اور پہلو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا، اسی دورِ برطانیہ میں ایک خاص مصلحت کے پیش نظر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی (المتوفی سنہ ۱۳۴۰ھ) نے اکابر علماء دیوبند کی خالص علمی اور دقیق عبارتوں میں قطع و برید کر کے اسلامی ممالک کے علماء اور علی الخصوص علماء حرمین شریفین کے سامنے پیش کر کے ان سے کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ لیکن جب علماء حرمین کو اصل حقیقت معلوم ہوئی اور خانصاحب کی مجرمانہ کارروائی کا پتہ چلا تو انہوں نے چھبیس ۲۶ سوالات مرتب کر کے حضرت علماء دیوبند کو بھیجے کہ آپ حضرات کا ان مسائل کے بارے میں کیا خیال ہے ان کو صاف لکھئے تاکہ حق و باطل واضح ہو جائے تو اس وقت فخر العلماء رأس المحققین حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور نے ان کے جوابات لکھے اور ۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ میں ان کو مکمل کر کے اپنی جماعت کے تیئیس بزرگوں (جن میں خصوصیت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند، حضرت مولانا میر احمد حسن صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

دیوبندیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں) کی تصدیقات لکھوا کر علماء حرمین اور دیگر ممالک اسلامیہ کو بھیجیں وہ حضرات ان کے تسلی بخش جوابات دیکھ کر مطمئن ہو گئے اور خانصاحب کے الزامات پر محو حیرت ہو کر انگشت بدندان رہ گئے ان جوابات پر مشتمل رسالہ المہند علی المفند کے نام سے سالہا سال سے طبع ہو چکا ہے ہمارے سامنے ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء کا وہ نسخہ ہے جو مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوا ہے گویا یہ رسالہ ان معتقدات پر مشتمل ہے جو علماء دیوبند کے اتفاقی اور اجماعی عقیدے کہلاتے ہیں اگرچہ ہم نے بعض اکابر علماء دیوبند کی عبارات پہلے بھی باحوالہ عرض کر دی ہیں اور آئندہ بھی انشاء اللہ اپنے مقام پر عرض ہوں گی اور اُن کے علاوہ بھی ان کی اس مسئلہ کے بارے میں بہت سی عبارات ہیں لیکن اس اجماعی اور مرکزی رسالہ کے بعد مزید کچھ کہنے اور لکھنے کی مطلقاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی المہند کی اس عبارت کو بغور ملاحظہ فرمائیں

السوال الخامس:۔ ما قولكم في حيوٰة النبي عليه الصلوٰة والسلام في قبره الشريف هل ذٰلك امر مخصوص به ام مثل سائر المؤمنين رحمة الله عليهم حيوٰة برزخية

پانچواں سوال:۔ کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے۔

الجواب:۔ عندنا وعند مشائخنا حياة حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهي مختصة به صلى الله عليه وسلّم وبجميع الانبياء صلوٰت الله عليهم والشهداء لا برزخية كما هي لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطيؒ في رسالته انباه الاذكياء بحيوٰة الانبياء حيث قال قال الشيخ تقي الدين السبكي حيوٰة الانبياء والشهداء في

جواب: ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے رسالہ انباہ الاذکیاء بحیوٰۃ الانبیاء میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ

القبر کحیواتہم فی الدنیا ویشہد لہ صلوٰۃ موسٰی علیہ السلام فی قبرہ فان الصلوٰۃ تستدعی جسداً حیاً الٰی اٰخر ما قال فثبت بھذا ان حیاتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونہا فی عالم البرزخ ولشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس اللہ سرہ العزیز فی ھذا المبحث رسالۃ مستقلۃ دقیقۃ المأخذ بدیعۃ المسلک لم یُر مثلہا قد طبعت وشاعت فی الناس واسمہا آب حیات ای ماء الحیات انتہٰی (المہند علی المفند ص۱۳، ۱۴)

تقی الدین سبکیؒ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام و شہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسٰی علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی کو برزخی بھی کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اُس کا نام آبِ حیات ہے

اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں زندگی اور حیات کو دنیوی حیات سے تعبیر کیا ہے اور اس کو برزخی بھی کہا ہے کہ وہ عالم برزخ میں ہے اور اس حیات قبر دنیوی پر دلیل علامہ تقی الدین سبکیؒ کی عبارت پیش کی ہے اور ان کی عبارت کا ابتدائی حصہ پیش کر کے آخر میں لکھا ہے کہ الٰی آخر ما قال یعنی علامہ سبکیؒ کی عبارت کا یہی ٹکڑا مدار دلیل نہیں بلکہ ان کی عبارت آخر تک اس دلیل میں ملحوظ رکھنی چاہیے اور آخر تک ان کی عبارت میں جو تشریح اور تفصیل ہے اُس کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور ہم باحوالہ پہلے علامہ سبکیؒ کی معہود عبارت نقل کر چکے ہیں جس میں اس کا بھی ذکر ہے کہ اگرچہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر میں زندگی دنیوی ہے لیکن دنیوی زندگی کے تمام لوازمات اس کیلیے ضروری نہیں ہیں کہ وہ دنیوی کھانے پینے اور ایسے ہی دیگر حاجات کو مستلزم ہو بلکہ اُن امور میں وہ الگ اور جُدا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ادراک وشعور اور علم وغیرہ میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے بالفاظ دیگر ان کے ارواح طیبہ کا تعلق ان کے ابدان دنیویہ سے ہے اور دنیا کی زندگی کی طرح ادراک وشعور اور علم ان کو حاصل ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس زندگی کو دیکھنا چاہیے تو اس کے لیے وہ بالکل محسوس نہیں ہو سکتی اور اس کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ ساکن اور ساکت ہی نظر آئیں گے کیونکہ دوسروں کے حق

میں وہ غیر محسوس ہے اور اس لحاظ سے وہ دنیوی نہیں اور نہ دنیوی زندگی سے مشابہ ہے بلکہ اس معنی میں وہ برزخی اور اُخروی ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

لانہ بعد موتہ وان کان حیا فھی حیاۃ اُخرویۃ لا تشبہ حیٰوۃ الدنیا اھ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶)	کیونکہ آپ وفات کے بعد اگرچہ زندہ ہیں لیکن یہ دوسری قسم کی حیات ہے، وہ دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہے

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

وھٰذہ الحیٰوۃ لیست دنیویۃ انما ھی اخرویۃ الخ (فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۳)	اور یہ زندگی دنیوی نہیں بلکہ اُخروی ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام اہلِ السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز و عبادات میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسّی اور جسمانی ہے اس لیے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامۂ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے اھ (حیات نبوی ص ۲) اور آگے لکھتے ہیں کہ: غرض یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے محض روحانی نہیں اس لیے کہ مرنے کے بعد روحانی حیات اور سمع و ادراک حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ احادیث صحیحہ سے تمام افراد و آحاد بشر کے لیے ثابت ہے اھ (ص ۵) اور پھر آگے چند دلائل کا ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:- یہ تمام امور اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہے اور ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے تعلق قائم ہے اھ ص ۱۱۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۴۷ھ) لکھتے ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات خصوصاً آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی حیات شہداء کی حیات سے افضل و اعلیٰ ہے اور بحث اس کی طویل ہے فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج ۵ ص ۱۷۴ طبع دیوبند)۔

ایک اور سوال یوں ہوا کہ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کر دی جاتی ہے جس کا جواب یہ ارشاد فرمایا۔

الجواب:- جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے فقط (فتاویٰ دار العلوم مدلل و مکمل ج ۵ ص ۳۶۲ طبع دیوبند)

جب عام مُردوں کے جسم سے روح کا تعلق رہتا ہے تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مبارکہ سے ارواح طیبہ کا تعلق کیوں نہ ہو گا؟

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

والمراد بتلك الحيوٰة نوع من الحيوٰة غير معقول لنا وهي فوق حيوٰة الشهداء بكثير وحيوٰة نبينا صلى الله عليه وسلم اكمل واتم من حيوٰة سائرهم عليهم السلام الى ان قال ان تلك الحيوٰة في القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحيوٰة في الدنيا المعروفة لنا من الصلوٰة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلك الا انها لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلك الحيوٰة المعروفة اھ

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۳۶)

اس حیات سے حیات کی ایک ایسی نوع مراد ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے اور یہ حیات شہداء کی حیات سے بہت اُونچی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو تمام انبیاء علیہم السلام سے اکمل اور اتم ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اس قبر کی زندگی پر اگرچہ بعض وہ امور مترتب ہوتے ہیں جو ہماری دُنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہیں مثلاً نماز، اذان، اقامت اور سُنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا اور اسی طرح کے کئی اور اُمور مگر اس پر وہ سب اُمور مترتب نہیں جو دُنیا کی معروف زندگی پر مترتب ہوتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ گذر چکا ہے کہ جس طرح دنیوی زندگی میں حسّی قسم کا کھانا اور پانی درکار ہوتا ہے اور اس کے بغیر عادۃً لمبی زندگی برقرار نہیں رہتی، اس طرح کے حسّی کھانے اور پانی کی ضرورت قبر اور برزخ میں پیش نہیں آتی، وہاں کا طعام و شراب اسی ماحول کے مناسب ہر حیثیت ہوتا ہے۔ ہاں عبادات اور صلوٰۃ و سلام کا سماع وہاں بھی متحقق ہے اور اس معنی کے لحاظ سے وہ دُنیوی حیات ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ:-

فلو فرض انكشاف قبر نبي من الانبياء عليهم السلام لا يرى الناس الا كما يرون سائر الاموات الذين لم تاكل الارض اجسادهم اھ

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۳۸)

پس اگر فرض کیا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی کی قبر مبارک کھل گئی ہے تو لوگ ان کو اسی طرح (بے حس و حرکت) دیکھیں گے جس طرح کہ عام دوسرے مُردوں کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی۔

یعنی باوجود اجسام مبارکہ کے صحیح وسالم ہونے اور باوجود قبر میں ان کی حیات کے لوگ اس حیات کو محسوس نہیں کر سکتے اور نہ ظاہری طور پر اُن کو اس کے کچھ آثار نظر آسکتے ہیں اور امام سیوطی رحؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قبروں سے باہر نکل کر دنیا میں پھرنے اور تصرف کرنے کے قائل ہیں (اگرچہ امام سیوطی رحؒ نے اجسام کے ساتھ چلنے پھرنے کا ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ ان کے نزدیک مثالی اجسام یا ارواح کے ساتھ یہ سیر ہوتی ہو بشرطیکہ کسی معقول اور قطعی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے لیکن اس سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا شبہ نہ کیا جائے کیونکہ اگر کسی ایک جگہ روح یا جسم مثالی حاضر ہو تو دیگر مقامات میں تو وہ نہیں ہوگا اور کسی ایک جگہ میں حاضر ہونے سے ہر جگہ حاضر ہونا لازم نہیں آتا) علامہ آلوسی رحؒ اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

وما تقدم من ان الانبیاء علیهم السلام یخرجون من قبورهم ای باجسامهم وارواحهم کما هو الظاهر ویتصرفون فی الملکوت العلوی والسفلی فمما لا اقول به (روح المعانی جلد ۲۲ صـ ۳۵)	اور جو پہلے گذر چکا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے اجسام وارواح کے ساتھ نکلتے ہیں جیسا عبارت سے یہی متبادر ہوتا ہے اور عالمِ علوی اور سفلی میں تصرف کرتے ہیں تو میں اس نظریہ کا قائل نہیں ہوں۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

والحیوة فی القبر لا تستلزم الخروج وانا اقول بها فی حق الانبیاء علیهم السلام اھ. (روح المعانی جلد ۲۲ صـ ۳۶)	قبر میں زندگی اس بات کو مستلزم نہیں کہ صاحبِ قبر باہر بھی نکلے ہاں میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات فی القبر کا قائل ہوں۔

غور فرمایئے کہ علامہ آلوسی الحنفی رحؒ حیات فی القبر تو تمام حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس نظریہ کے قائل نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام اور ارواح کے مجموعہ کے ساتھ قبروں سے نکل کر دنیا میں پھرتے اور تصرف کرتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی سے کسی وقت ان کی خواب یا بیداری[1] میں ملاقات ہوتی ہے تو محض ابدانِ مثالی سے ہوتی ہے نہ کہ اجسام عنصریہ اور اجسام وارواح دونوں کے مجموعہ سے، لیکن قبر میں اُن کی حیات ابدان عنصری کے ساتھ ہے۔

---

[1] اس کی تحقیق فیض الباری جلد ۱ صـ ۲۰۴ میں ملاحظہ کریں علاوہ ازیں اسنی المطالب کا حوالہ بھی اس زیرِ نظر کتاب میں موجود ہے۔

www.KitaboSunnat.com

حیات انبیاء علیہم السّلام اور غیر مقلدین حضرات

اِس سے قبل جتنے حوالے نقل کئے گئے ہیں وہ ان حضرات کے ہیں جو فروعی مسائل میں کسی نہ کسی امام کے مقلّد تھے، کوئی حنفی تھا اور کوئی مالکی کوئی شافعی تھا اور کوئی حنبلی (بجز قاضی شوکانی رح اور نواب صاحب رح کے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر غیر مقلدین حضرات کے کچھ حوالے بھی نقل کر دیں تاکہ حیات انبیاء کرام علیہم السلام کی حقیقت بالکل روشن ہو جائے۔

قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں کہ:

وقد ذهب جماعة من المحققين الیٰ ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حیّ بعد وفاته و انه یسر بطاعات امته وان الانبیاء لا یبلون مع ان مطلق الادراك كالعلم والسماع ثابت لسائر الموتٰی۔ الیٰ ان قال وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیٰوة فیهم متعلقة بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورهم رواه المنذری وصححه البیهقی وفی صحیح مسلم عن النّبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قال مررت بموسیٰ لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره انتهٰی۔

(نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۳ طبع مصر)

بے شک محققین کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی اُمت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجسام بوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم اور سماع وغیرہ تو یہ سب مردوں کے لیے ثابت ہے (پھر آگے کہا) اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں شہداء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے اور ان کی حیات جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کی حیات جسم سے کیوں متعلق نہ ہو گی؟ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، امام منذری رح نے اس کو روایت کیا ہے اور امام بیہقی رح نے اس کی تصحیح کی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات سُرخ رنگ کے ٹیلے کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں کھڑے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

قاضی شوکانیؒ کی اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگی بطریق اولیٰ جسمانی ہے کیونکہ ان کے اجسام طیبہ اپنی حالت پر رہتے ہیں، ان میں کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات تو ہوتی ہے لیکن وہ اس کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:

انہ صلی اللہ علیہ و الہ و سلم حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم و قد صححہ البیھقی و الف فی ذلک جزء ا قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ انتھی و یوید ذالک ما ثبت ان الشھداء احیاء یرزقون فی قبورھم و النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم منھم اھ

(نیل الاوطار ج ۵، ص ۱۰۱ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور بیہقیؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور اس مسئلہ میں انہوں نے ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ استاذ ابو منصور البغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں محقق متکلمین کا ارشاد ہے کہ آنحضرت ﷺ وفات کے بعد زندہ ہیں۔ ان کا بیان ختم ہوا۔ اور اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور قبروں میں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہیں۔

پہلے صحیح روایت کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید تھے۔ اور حافظ ابن حجرؒ سے نظر اور دلالۃ النص کی دلیل سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے اور قرآن کریم کی نص سے شہداء کی زندگی ثابت ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بھی ثابت ہے کہ آپ قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ فرماتے ہیں کہ:

والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا صلی اللہ علیہ وسلم علی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ

جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مطلقاً ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی

---

[1] مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الغفور امرتسریؒ فنبی اللہ حی یرزق کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: ”پس نبی اللہ کے۔ الخ۔ کہا علامہ شوکانیؒ نے نیل میں، محققین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اپنی وفات کے پیچھے اور یہ کہ پیغمبر علیہم السلام زمین میں نہیں گلتے باوجود اس بات کے کہ مطلق ادراک جیسے سننا اور جاننا ہر مردہ کے لیے ثابت ہے۔ پھر اور روایتوں کو بیان کیا جن سے ہر ایک مردہ کے لیے مطلق ادراک ہوتا ہے، پھر نبیوں اور رسولوں کا کیونکر یہ حال نہ ہوگا اور حدیث میں ثابت ہوا ہے کہ انبیاء جیتے ہیں اپنی قبروں میں۔ اس کو منذریؒ نے روایت کیا اور بیہقیؒ نے اس کو صحیح کہا۔ انتھی ما قال الشوکانی فی النیل۔ ۱۲“ بلفظہ رحمۃ المہداۃ الیٰ من یرید ترجمۃ المشکوٰۃ ص ۲۰۳، ج ۱)

ابلغ من حیات الشهداء المنصوص علیها فی التنزیل اذ هو افضل منهم بلا ریب وانه یسمع من یسلم علیه (بحوالہ اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ طبع کانپور)

سے متصف ہیں، جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپؐ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے، آپ سنتے ہیں۔

اس سے بھی آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ اپنے وقت میں علماء نجد کے وکیل اعظم اپنی جماعت کا یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں دوامی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی منصوص حیات سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ نواب صدیق حسن خان صاحبؒ کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ جملہ اموات کے لیے ادراک و شعور اور سماع وغیرہ ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ اوصاف سب کے لیے ثابت ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صلحاء کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

غیر مقلدین[1] حضرات کے شیخ الکل مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ: "اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے، میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔" (فتاویٰ نذیریہ جلد ۱ ص ۵۵ ضمیمہ) اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت میاں صاحبؒ کی وجہ سے ہندوستان میں غیر مقلدین حضرات کو اپنے مقام پر کتنی تقویت اور تائید حاصل ہوئی بلکہ انہی کی بدولت ان میں اہل علم، صاحب قلم مدرس اور مصنف قسم کے علماء پیدا ہوئے ہیں اور جن کی کتاب معیار الحق غیر مقلدین حضرات کے ہاں بڑی مقبول اور مستند سمجھی جاتی ہے، حضرت میاں صاحبؒ نے اس عبارت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی اپنی قبر میں حیات کے علاوہ یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم عند القبر سلام کہنے والوں کا سلام بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور دور سے درود شریف آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ:

ان الانبیاء فی قبورهم احیاء (عون المعبود ص ۴۰۶ ج ۱) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

---

[1] غیر مقلد عالم مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہری پوری لکھتے ہیں کہ کُل پیغمبروں کے جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود بھیجے یا سلام کرے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہل حدیث کا یہی اعتقاد ہے۔ (رسالہ درود شریف ص ۱۶) محدث مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم فرماتے ہیں کہ محققین کی جماعت کا یہی مسلک ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرقد میں زندہ ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ امت کی اطاعت کی خبر پا کر خوش ہوتے ہیں۔ (اسلام کی چودھویں کتاب ص ۴۵)

اور مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف لکھتے ہیں کہ:۔

انهم احياء فى قبورهم يصلون وقد قال النبى صلى الله عليه وسلم من صلى علىّ عند قبرى سمعته ومن صلى علىّ نائيا بلّغته (التعليقات السلفية على سنن النسائى جلد ا ص ۲۳)

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ[1] ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں خود اس کو سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے تو وہ مجھے (بذریعہ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے

علماء نجد جو لوگوں میں وہابی کے نام سے مشہور ہیں اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

واما الكلام على حيوة النبى صلى الله عليه وسلم فاعتقادنا فى ذلك اعتقاد سلف الامة وائمتنا وهم الاسوة وهى انه صلى الله عليه وسلم قبض ودفن و زالت عنه الحيوة الدنيا (الى قوله) واما حيوة البرزخ فهو حى الحيوة البرزخية وكذا الشهداء فلو كان حيا حيوة دنيوية لرفعوا اليه الامر فيما جرى بينهم اه (الدرر السنية فى الاجوبة النجدية جلد ا ص ۲۶ طبع مصر)

بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے بارے میں ہمارا وہی اعتقاد ہے جو سلف امت اور ہمارے ائمہ کا اعتقاد ہے اور وہی اس میں ہمارے مقتداء ہیں۔ وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور آپ کو دفن کیا گیا اور آپ کی دنیوی زندگی ختم ہو گئی ہے (پھر آگے کہا) اور بہرحال برزخی زندگی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہے، اور آپ حیات برزخیہ کے ساتھ زندہ ہیں اور ایسے ہی شہداء بھی زندہ ہیں، اگر آپ کی زندگی دنیا کی زندگی ہوتی تو اختلافی امور میں سلف آپ کی طرف مراجعت کرتے۔

یعنی دنیوی تکلیفی اور حسی زندگی آپ کی ختم ہو چکی ہے لیکن برزخی زندگی آپ کی ثابت ہے نیز علماء نجد نے کہا کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے افضل و اکمل ہے اور سلام کہنے والے کا آپ سلام سنتے ہیں۔ (الهدية السنية والتحفة الوهابية النجدية ص ۴۷ طبع مصر)

محمد بن عبد الوہابؒ نجدی اور ان کے پیروکار مسلکاً حنبلی ہیں جو مقلدین ہی کا ایک فرقہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی تحقیق پر اعتماد کرتے اور ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہوئے ان کی کتابوں

---

[1] مولانا محمد اسماعیل صاحب "سلفی" لکھتے ہیں کہ: "اہل السنت کے دونوں مکاتب فکر اصحاب الرائے و اہل حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ شہداء اور انبیاء زندہ ہیں برزخ میں، وہ عبادات تسبیح و تہلیل فرماتے ہیں (الیٰ قولہ) انبیاء کی زندگی کے متعلق سنت میں شواہد ملتے ہیں۔ صحیح احادیث میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق عبادات وغیرہ کا ذکر آتا ہے۔ (حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ص ۲۷)

کی خوب نشر و اشاعت کرتے ہیں محمد بن عبدالوہابؒ باوجود مقلد اور حنبلی ہونے کے سطحی ذہن کے آدمی تھے ۔ اور توحید و سنّت کے خوب داعی تھے ان سے وقتی مصلحت کے پیش نظر کچھ عوامی غلطیاں سرزد ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے وہ عوام میں خاصے بدنام ہو گئے اور علامہ شامیؒ اور حضرت مدنیؒ جیسے بزرگ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے لیکن ان کے بارے میں صحیح نظریہ وہی ہے جو علامہ آلوسیؒ اور حضرت گنگوہیؒ کا ہے وللتفصیل مقام آخر انگریز نے اپنی سیاسی بقاء کے لیے ان کو بہت بدنام کیا اور ہندوستان کے اہل بدعت نے ان کے بدنام کرنے میں خوب خوب حصّہ لیا اور جنگ آزادی میں شریک مجاہدین اسلام کو وہابیّت کے بے خطاء ہتھیار سے ان ظالموں نے گھائل کیا۔

علامہ ابن عابدین الشامیؒ کے تلمیذ اور علماء نجد کے مسلک کے روح رواں الشیخ محمد بن السید درویشؒ (المتوفی سنہ ۱۲۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

فائدہ :۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی ہے (حسّی ہوتے ہیں) حیات دنیوی کے مشابہ نہیں ہے اور نہ وہ نیند کے مشابہ ہے اور نہ وہ باقی مخلوق کی حیات کی طرح ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اجسام مبارکہ کو بوسیدہ ہونے اور فنا ہونے سے محفوظ رکھتا ہے اور ان پر ان کے ارواح کی روشنی بعض اوقات مخفی طریقہ سے لوٹاتا ہے۔ کسی مقصد کے لیے اور بہت سی احادیث وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں مثلاً ایک یہ ہے کہ اُمّت کی طرف سے صلوٰۃ وسلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اور مثلاً بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپﷺ پر آپ کی رُوح مبارک لوٹاتا ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیں اور مثلاً بعض میں آتا ہے جس نے دُور سے سلام کہا اس کو فرشتے پہنچاتے ہیں اور جس نے قریب سے سلام کہا تو اس کو آپ خود سُنتے ہیں اور مثلاً بعض روایات میں آتا ہے کہ آپﷺ سے سوال کیا گیا کہ آپ پر کیسے صلوٰۃ وسلام عرض کیا جائے گا جب کہ آپﷺ (مرنے کے بعد) بوسیدہ ہو جائیں گے (معاذ اللہ) تو آپﷺ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام کو کھائے تو یہ سب احادیث، آپﷺ کی اور دیگر تمام حضرات انبیاء کرام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات پر دلالت کرتی ہیں لیکن اُسی طرح جس طرح بیان ہوا نہ جیسا کہ ہماری (حسّی اور تکلیفی) زندگی ہے کیونکہ جب آپﷺ کی وفات ہوئی تو آپﷺ دیگر اموات کی

طرح تھے کہ روح مبارک جسم اطہر میں نہ تھی اور جسم سے خارج ہو گئی اگر آپؐ کی زندگی ہماری (محسوس اور تکلیفی) زندگی کی طرح ہوتی تو جب حضرات صحابہؓ کرام نے خلافت کے مسئلہ پر اختلاف کیا تھا آپؐ اُن سے اس سلسلہ میں خطاب فرماتے الخ (اسنی المطالب ص ۲۹۸ فی احادیث مختلفۃ المراتب طبع مصر)۔ تسکین الصدور میں ہی بقدر ضرورت اس کی بحث موجود ہے کہ جو حضرات اس حیات کو جسمانی اور دنیوی کہتے ہیں اُن کی مراد یہ ہے کہ روح مبارک کا اسی جسم اطہر سے تعلق ہوتا ہے جو دنیا میں تھا اور جو حضرات اس کو برزخی کہتے ہیں ان کی مراد یہ ہے کہ وہ حیات اہلِ دنیا کے لیے محسوس نہیں ہے اور اسی کو علماء عقائد نوع من الحیٰوۃ سے تعبیر کرتے ہیں لیکن اس پر دونوں فریق متفق ہیں کہ دُور سے آپؐ پر صلوٰۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے اور نزدیک سے آپ خود بنفسِ نفیس سنتے اور جواب دیتے ہیں اس میں حیات جسمانی یا حیاتِ برزخی سے تعبیر کرنے والوں میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ رہا موصوفؒ کا یہ کہنا کہ اگر آپؐ کی حیات ہماری زندگی کی طرح ہوتی تو آپؐ حضرات صحابہ کرامؓ میں خلافت کے مسئلہ کا اختلاف رفع فرما دیتے اور ان سے خطاب فرماتے تو اس میں کلام ہے۔

ع۱ اولاً اس لیے کہ مسئلہ خلافت میں حضرات صحابہ کرامؓ کا اختلاف آپؐ کے پاس نہ ہوا تھا وہ اختلاف سقیفہ بنو ساعدہ میں ہوا تھا۔

ع۲ ثانیاً جمہور علماء کی تحقیق کے رُو سے رُوح کا اعادہ قبر میں ہوتا ہے پہلے نہیں ہوتا اور بات بھی حیات فی القبر کی ہو رہی ہے۔

ع۳ ثالثاً اُمت کے جملہ اختلافات و نزاعات کا فیصلہ آپؐ اپنی تکلیفی زندگی میں کرتے رہے جب آپؐ کی وفات ہو گئی تو ان اختلافات کا رفع کرنا زندہ اور مکلف اُمت کے کندھے پر ڈال دیا گیا آپ پر ان کا رفع کرنا باقی نہ رہا۔

موصوفؒ باوجود نجدی ذہن رکھنے کے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ثم ان کثیراً من الصالحین یقول انہ یری النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقظۃً ولا ینکرہ لنا منھم وانما ھی رؤیۃ روحانیۃ	"پھر بہت سے نیک لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں دیکھا ہے اور ان سے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا"

لا جسمانية ولذلك يراه البعض دون البعض في المكان الواحد ولو كان بجسمه لرآه كل احد لان رؤية الجسم لا تتوقف على صلاح وتقوى بل رآه الكفار في حياته صلى الله تعالى عليه وسلم وشرار الخلق وخيارهم الخ
(ص ٢٩٩)

کیونکہ یہ روحانی رویت ہے جسمانی نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ میں بعض آپؐ کو دیکھتے ہیں اور بعض نہیں دیکھتے اگر یہ رویت جسمانی ہوتی تو ہر ایک آپؐ کو دیکھتا کیونکہ جسم کو دیکھنا صلاح اور تقویٰ پر موقوف نہیں جب آپؐ زندہ تھے تو آپؐ کو کافر بد اور نیک سبھی دیکھتے تھے۔

موصوف رح کا یہ کہنا کہ یہ رویت روحانی ہے جسمانی نہیں اس میں بھی کلام ہے کیونکہ یہ رویت روحانی بھی نہیں ہوتی صرف مثالی ہوتی ہے (اور یہیں سے آپؐ کو حاضر و ناظر سمجھنے والے اور آپؐ سے مرادیں مانگنے والے مغالطہ میں پڑے ہیں جس کا حقیقت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے جس بزرگ کی مثال ہوتی ہے اس کو علم تک نہیں ہوتا کہ ہماری مثال کہاں گئی؟ کیا کر آئی؟ اور کیا کہہ آئی؟ اس کی بقدر ضرورت، باحوالہ بحث، ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ تفریح الخواطر میں کر دی ہے)

چنانچہ علامہ احمد بن محمد القسطلانی رح (المتوفی ٩٢٣ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فما رآه من الشكل ليس هو روح المصطفى ولا شخصه بل هو مثال له على التحقيق (المواهب اللدنيه مع الشرح للزرقانی جلد ۵ ص ٢٩٣)

دیکھنے والا جو شکل مبارک دیکھتا ہے تو وہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہوتی ہے اور نہ جسم اطہر بلکہ تحقیق کے رو سے وہ آپؐ کی مثال ہوتی ہے۔

اور خود موصوف رح کی ایک واضح عبارت اس پر دلالت کرتی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

ومن ذلك ما وقع لسيدنا الرفاعي رضي الله عنه حين زار النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وانشد عند الحجرة الشريفة البيتين المشهورين وهما

اور اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ ہے جو ہمارے سردار سید (احمد) الرفاعی رض کے لیے واقع ہوئی جب کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور حجرہ شریف کے پاس یہ دو مشہور شعر پڑھے۔

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلها،
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تحظی بها شفتی
فمثلت له الید الشریفة وقبلها
والخبر المذکور مشهور من قبل الامام
المذکور اھ (اسنی المطالب ص ۲۹۹، ۳۰۰)

دوری کی حالت میں میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا زمین مجھ سے قبول کرتی اور وہ میری نائب تھی اور یہ (امثال و) اشباح کی دولت ہے، جو بلاشبہ حاضر ہے پس اپنا دایاں ہاتھ بڑھائیں تاکہ میرے ہونٹ لطف اندوز ہوں اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ مبارک مثالی طور پر ان کے سامنے ظاہر ہوا اور انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور یہ خبر امام سید احمد رفاعیؒ کی طرف سے مشہور رہی ہے۔

پہلے تو معجزہ اور کرامت خرقِ عادت فعل کا نام ہے اور پھر ہو بھی مثالی طور پر تو اس کے ماننے میں ہرگز کوئی تامّل نہیں ہونا چاہیئے ہاں اگر کوئی شخص مشہور امور کو بھی تسلیم نہ کرے اور صرف اپنی عقل پر اعتماد کرتا رہے تو اس کا معاملہ ہی الگ ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانیؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) اپنے مناسک الحج میں لکھتے ہیں۔ ؎

وسلّم علیہ والوزیرین عندہٗ
وزرہ کما زرنا لنحصد عقباہٗ
وبلّغہ عنا لا عدمت سلامنا
فانت رسول للرّسول بعثناہ
ومن کان منّا مبلغًا لسلامنا
فانا بابلاغ السلام سبقناہ
(مناسک الحج والعمرۃ ص ۸ طبع مصر)

اور آپؐ کو اور آپؐ کے دو وزیروں (حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) کو سلام کہہ — اور آپؐ کی زیارت کر جیسا کہ ہم نے کی تاکہ ہم عقبیٰ کی کھیتی کو کاٹ سکیں۔

اور آپ کو ہمارا سلام پہنچا دے تجھے اللہ تعالیٰ سلامت رکھے — سو تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی طرف ہمارا قاصد ہے جس کو ہم نے بھیجا ہے۔

اور جو شخص ہمارا سلام پہنچائے گا — پس بیشک ہم سلام پہنچانے میں اس پر سبقت لے گیے ہیں۔

قاضی عیاضؒ علامہ سبکیؒ حافظ ابن القیمؒ مورخ سمہودیؒ اور امام سخاویؒ نقل کرتے ہیں۔ واللفظ للاول۔

وعن سلیمان بن سحیم رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فقلت یا رسول اللہ هؤلاء الذین یأتونك فیسلمون علیك أتفقہ سلامهم قال نعم وارد (الشفاج ۲ ص ۶۴ وشفاء السقام ص ۳۸ وکتاب الروح ص ۱۳ ووفاء الوفا ج ۲ ص ۴۰۵ والقول البدیع ص ۱۲۰)

سلیمانؒ بن سحیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا میں نے آپؐ سے سوال کیا، یا رسول اللہ یہ لوگ جو آپؐ کے پاس آتے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں کیا آپؐ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور میں اُن کو جواب بھی دیتا ہوں۔

مؤلف شفاء الصدور ص ۸۶ میں اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خواب ہے اور خواب شرعاً حجت نہیں پھر اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن ابی الرجال ہے تقریب ص ۲۲۸ میں ہے۔ صدوق ربما اخطأ ولینہ ابو حاتمؒ (محصلہ) الجواب بلاشبہ نرے خواب پر دین کے بارے اعتماد نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ خواب اُن صحیح احادیث کے عین مطابق ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور عبدالرحمٰن بن ابی الرجال کو امام احمدؒ۔ ابن معینؒ مفضل غلابیؒ اور دار قطنیؒ ثقہ کہتے ہیں اور ابوداؤد ان کو لیس بہ بأس کہتے ہیں اور ابو زرعہؒ ان کو اشبہ (یعنی ثقہ راویوں کے مشابہ) کہتے ہیں اور ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ عبدالرحمٰنؒ بن زیدؒ بن اسلمؒ کی طرح ہیں اور ابن حبانؒ ان کو کتاب الثقات میں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں ربما اخطأ (تهذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۶۹) جمہور کی توثیق کے بعد صرف ربما اخطأ کے جملہ سے ان کو ضعیف قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا ویسے کون راوی ایسا ہے جس سے کبھی بھی خطا اور وہم نہ ہوا ہو الا من شاء اللہ تعالٰی والعصمۃ بیدہٖ

اس سے معلوم ہوا کہ علماء نجد کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسدِ اطہر سے ایسا تعلق اور اتصال ہے جس کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام آپ خود سُن لیتے ہیں؛ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء نجد بھی آپ کی حیات برزخی کے قائل ہیں اور دور دراز سے قاصد کے ذریعہ آپؐ تک اور حضرات شیخینؓ تک سلام پہنچانے کے بھی قائل ہیں۔

مولانا عبدالغفور صاحب غزنوی امرتسریؒ المتوفی ســـھ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ تو معلوم ہوا کہ کل پیغمبروں کے جسم زمین کے اندر صحیح و سالم ہیں اور روح تو سب کی سلامت رہتی ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں

زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سُن لیتے ہیں اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں، اہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے اگرچہ یہ زندگی دُنیا کی سی نہیں جس میں کھانے پینے کا احتیاج ہو اور شوکانی رحؒ نے اس مسئلہ کو نیل الاوطار میں بہت عمدہ لکھا ہے اھ

(ترجمہ مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۴۰۱ باب الجمعہ)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ علماء کرام جہاں دنیا کی زندگی کی نفی کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دنیوی کھانے اور پینے کی حاجت وہاں نہیں ہوتی نہ یہ کہ روح کا جسم سے تعلق اور اتصال اور اس کی وجہ سے ادراک و شعور اور قوت سماع نہیں ہوتی کیونکہ یہ اُمور تو بہر حال ثابت ہیں اور ان کا انکار نرا مکابرہ اور سینہ زوری ہے۔

الغرض ذمہ دار غیر مقلدین حضرات بھی جملہ مقلدین حضرات کے ساتھ اس امر پر متفق ہیں، کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبور اور برزخ میں زندہ ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ پر صرف باب ہی قائم نہیں کیا بلکہ مستقل رسالہ اور کتاب لکھ کر اس کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح دیگر کتب حدیث، شروح حدیث اور کتب فقہ و سیر وغیرہ میں اس مسئلہ پر خاصا مواد اور دلائل موجود ہیں جن سے انصاف و دیانت کی دنیا میں علمی طور پر اغماض اور اعراض نہیں کیا جا سکتا۔

اور امام عبد القادر البغدادیؒ (المتوفی ۴۲۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

واجمعوا علیٰ ان الحیوٰۃ شرط فی العلم والقدرۃ والارادۃ والرؤیۃ والسمع و ان من لیس بحی لا یصح ان یکون عالماً قادراً مُریداً سامعاً مبصراً وھذا خلاف قول الصالحی واتباعہ من القدریۃ فی دعواھم جواز وجود العلم والقدرۃ والرؤیۃ والارادۃ انتہٰی۔

(الفرق بین الفرق ص ۳۳۷ طبع مصر)

اہل السنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ علم قدرت ارادہ دیکھنے اور سننے کے لیے حیات شرط ہے اور اس امر پر بھی اہل السنت کا اجماع ہے کہ جو ذات حیات سے متصف نہ ہو وہ عالم، قادر، مرید اور سننے دیکھنے والی نہیں ہو سکتی، منکرین تقدیر میں صالحی اور اس کے پیروکاروں کا قول اس کے خلاف ہے' ان کا یہ دعوٰی ہے کہ علم و قدرت دیکھنا اور ارادہ کرنا حیات کے بغیر بھی جائز ہو سکتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ سماع وغیرہ کے لیے حیاتِ اہل السنّت کے نزدیک شرط ہے اور اس پر ان کا اجماع ہے ہاں اس میں اگر اختلاف ہے تو وہ صالحی وغیرہ گمراہ فرقوں کے سربراہوں کا ہے جو بغیر حیات کے میّت کے لیے علم و قدرت ثابت کرتے ہیں اور اب تو اس اپنی دور میں بعض لوگ یہاں تک آگے نکل چکے ہیں کہ وہ برملا یہ کہتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے نہ حیات ثابت ہے نہ سماع لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اوّل بطور مقدمہ کے جانیئے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے لیے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسدِ اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہلِ حق اس بات پر متفق ہیں صحابہؓ کا بھی یہی اعتقاد ہے حدیث میں بھی نص ہے۔

اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ (اوکما قال) کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے۔

مگر یہ یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں الخ (الجود ص۴۹ مطبع انوار احمدی الٰہ آباد و رأس الاربعین ص۵۰۸ طبع ملتان) اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر نظر کو اور وسیع کیا جاوے تو حضور کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخی ثابت ہے، اور وہ حیات شہداء کی حیات برزخی سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیاتِ ناسوتی (عنصری اور جسمانی) کے قریب قریب ہے چنانچہ بہت سے احکام ناسوت کے اس پر متفرع ہیں دیکھئے زندہ مرد کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور حضور کی ازواج مطہرات سے بھی نکاح جائز نہیں اور زندہ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی حضورؐ کی میراث بھی تقسیم نہیں ہوئی اور حدیثوں میں صلوٰۃ وسلام کا سماع وارد ہے الخ (الظہور ص۵۸) یہ یاد رہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اور سماع عند القبور اتفاقی اور اجماعی امر ہے اس کی مخالفت اجماعی مسئلہ کی مخالفت ہوگی جو موجب گناہ ہے چنانچہ حضرت گنگوہیؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

الجواب: یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرق عادت کا نام ہے

اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا اجماعی مسئلہ اہلِ سنت کا ہے فقط واللہ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاوٰی رشیدیہ ج ۱ ص ۲۲ طبع جید برقی پریس دھلی)

کیفیت حیات میں اختلاف ہے:-

یہاں تک جتنے حوالے پیش کئے گئے ہیں اور جتنی بحث بھی ہوئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات اور زندگی ایک طے شدہ حقیقت ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کافی تلاش اور خاصی کاوش کے باوجود سینکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد بھی اہلِ السنّت والجماعت میں ایک شخص بھی ایسا نہیں مل سکا جو یہ کہتا ہو کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور علی الخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ نہیں اور آپ کی روح مبارک کا جسد اطہر سے کوئی اتصال و ربط اور تعلق نہیں۔ باتونی قسم کے لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر کتبِ اہلِ السنت میں ایک حوالہ بھی وہ تا قیامت نہیں بتا سکیں گے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح طیبہ کا اجسام مبارکہ سے قبور مطہرہ میں کوئی تعلق اور علاقہ نہیں ہوتا اگر بھلا! سچ مچ کوئی ایسا حوالہ ہو تو چشم ما روشن دلِ ماشاد (وبیہ باید) اصولی طور پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعد از وفات قبور مطہرہ میں حیات کو تسلیم کرتے ہوئے کتبِ اہلِ السنت والجماعت میں اس حیات کی نوعیت اور کیفیت میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حیات محض برزخی ہے یا جسمانی اور حسّی ہے؟

ایک گروہ

یہ کہتا ہے کہ ان کی حیات دنیوی اور حسّی ہے، حضرت ملا علی القاریؒ، علامہ سمہودیؒ، امام تقی الدین سبکیؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور نواب قطب الدین خان صاحبؒ کی عبارات میں دنیوی کحال الدنیا اور حسّی وغیرہ کے الفاظ گذر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:-

بدانکہ حیات انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علمای ملّت وہیچ	جاننا چاہیئے کہ جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات علماء ملت کے ہاں متفق علیہ ہے اور اس میں

کس را خلاف نیست دراں کہ آں کامل تر و قوی تر از وجود حیات شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آں معنوی و اُخروی است عند اللہ و حیات انبیاءؑ حیات حسّی دنیاوی است و احادیث و آثار دراں واقع شد چنانکہ مذکور گردد یکے ازاں حدیث کہ ابو یعلیٰ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ آوردہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلم الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون و دیگر ایں حدیث صحیح است ما من مسلم یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتّٰی ارد علیہ السلام اھ (مدارج النبوۃ جلد ۲ ص ۴۴۷)

کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آپ کی حیات شہداء اور فی سبیل اللہ مقتولوں کی حیات سے کامل تر اور قوی تر ہے کیونکہ شہداء کی زندگی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں معنوی اور اُخروی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات حسی اور دُنیاوی ہے اور احادیث اور آثار اس میں موجود ہیں چنانچہ ان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ایک حدیث ان میں امام ابو یعلیٰؒ نے ثقہ راویوں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے نقل کی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے اور نماز پڑھتے ہیں اور دوسری صحیح حدیث یہ ہے کہ مجھ پر جو شخص سلام کہتا ہے اللہ تعالیٰ میری طرف میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اور علّامہ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدّث دہلوی (المتوفی ۱۰۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ:-

قول مختار: مقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام بعد از ذاقتِ موت زندہ اند بحیات دنیوی الخ (تیسیر القاری شرح بخاری جلد ۳ ص ۲۶۲)

جمہور کے نزدیک طے شدہ حقیقت اور مختار قول یہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام موت کا ذائقہ چکھنے کے بعد دُنیوی زندگی کے ساتھ متصف ہیں۔

لیکن یہ حیات دنیوی ظاہری نہیں کہ ہر ایک کو محسوس ہو سکے چنانچہ فتاوٰی دار العلوم دیوبند ج ۵ ص ۳۹۷ میں ہے:-

سوال ۳۰۴۶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا حیات ہونا مسلمات اہلِ سنت وجماعت سے ہے پھر قبض روح و تجہیز و تکفین و تدفین وغیرہ اُمور منافی حیات معلوم ہوتے ہیں اگر حیات انبیاء مثل حیات شہداء عند اللہ ہونا کہا جاوے تو مابین کیا فرق ہوگا؟

الجواب:- انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات شہداء کی حیات سے بھی اقوی واتم ہے۔

اور مراد اس حیات سے حیات دنیاوی ظاہری نہیں ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ لہذا احکام اموات ظاہر یہ سب پر جاری ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق آبِ حیات مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ میں مذکور ہے اس کو دیکھیں۔

انتہی بلفظہٖ

ان عبارات میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے لفظ دنیوی اور حسّی کی بقدر ضرورت بحث ابھی آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی ؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ا صـ ۱۳۰) حضرت مدنی ؒ کی مراد بظاہر حیات جسمانی اور دنیوی سے یہ ہے کہ آپ کی روح مبارک کا تعلق جسد مثالی سے قائم نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صوفیاء کرام کا نظریہ پہلے عرض ہو چکا ہے کہ وہ عذاب و ثواب کے سلسلہ میں قبر میں روح کا تعلق جسدِ مثالی سے مانتے ہیں اور اسی طرح جنّت کے عارضی ابدان سے بھی نہیں ہوتا جیسا کہ بعض صحیح روایات سے شہداء کے متعلق ثابت ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق جنّت کے سبز رنگ کے پرندوں سے قائم کر دیا جاتا ہے (فی جوف طیر خضر) کما مرّ۔ بلکہ روح کا تعلق دنیوی جسم سے قائم ہوتا ہے اور بایں معنی یہ حیات جسمانی اور دنیوی ہے۔ چنانچہ حضرت موصوف ؒ وہابی فرقہ اور علماء دیوبند کے عقائد کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ (وہابی) وفات ظاہری کے بعد انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی اور بقائے علاقہ بین الروح والجسم کے منکر ہیں اور یہ (علماء دیوبند) حضرات صرف اس کے قائل ہی نہیں بلکہ مُثبت بھی ہیں اور بڑے زور وشور سے اس پر دلائل قائم کرتے ہوئے متعدد رسائل اس بارہ میں تصنیف فرما کر شائع کر چکے ہیں اھ (نقش حیات جلد ا صـ ۱۰۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ موصوف ؒ روح اور جسم کے علاقہ اور تعلق کی وجہ سے جسمانی اور دنیوی حیات کا لفظ اس پر اطلاق فرما رہے ہیں اور اس کی مزید تشریح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ کے بیان سے ہوتی ہے چنانچہ حضرت ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

انبیاء علیہم السلام کو ابدانِ دُنیا کے حساب سے زندہ سمجھیں گے الخ (لطائف قاسمیہ صـ ۴۳)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :-

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو انہیں اجسام دُنیاوی کے تعلّق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں یہ نہیں کہ مثل شہداء ان ابدان کو چھوڑ کر اور ابدان سے تعلق ہو جاتا ہے الخ (لطائف قاسمی ص۳)

حضرت نانوتویؒ نے اس عبارت میں صراحت سے یہ بیان فرما دیا ہے کہ جیسے شہداء کو دوسرے عارضی اجسام مرحمت ہوتے ہیں اور ان کی ارواح کا ان سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے (باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو ان کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما مرّ مفصلاً) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کا یہ طریق نہیں ہے بلکہ ان کے ارواح کا تعلق ان کے ابدان دنیا سے ہوتا ہے اور اس لحاظ سے اس حیات کو دنیوی اور جسمانی حیات کہتے ہیں

ارواح کا ابدانِ عنصریہ سے فی الجملہ تعلق اور حضرت مولانا نانوتویؒ

مؤلف ندائے حق راقم اثیم کے اس جملہ سے - باوجود اس تعلق کے جو فی الجملہ ان کے ارواح کو اُن کے اجسام عنصری سے بھی ہوتا ہے کما مرّ مفصلاً خاصے سیخ پا ہوئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :- بتایئے کہ خط کشیدہ الفاظ حضرت نانوتویؒ کی کونسی عبارت سے معلوم ہوتے ہیں ؟ کیا حضرت نانوتویؒ کی عبارت اور صاحب تسکین الصدور کی تشریح میں باہم تناقض نہیں ؟ بایں طور کہ حضرت کی عبارت میں سالبہ کلیہ ہے اور صاحب تسکین کی عبارت میں موجبہ جزئیہ - فافہم بلفظہ (ص۲۹۳) اور (ص۲۹۲) میں عنوان یہ قائم کیا ہے حضرت نانوتویؒ کی عبارت میں ناجائز اضافہ -

مگر یہ اعتراض مؤلف مذکور کی کم فہمی اور قلّت تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ حضرت نانوتویؒ نے ارواح کے اجسام عنصریہ کے ساتھ تعلق کی جس نوع کا (کہ دنیوی اموال اور ازواج سے تعلق اور استفادہ کے سلسلہ میں قبض و تصرف کے طور پر اجسام عنصریہ کے ساتھ ارواح کا تعلق بالکل نہیں رہتا) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ عام مومنین اور حضرات شہداء کے لیے کلیۃً انکار کیا ہے راقم اثیم بھی اس کا مقر ہے اور ادراک و شعور فہم خطاب اور سماعِ سلام وغیرہ کی حد تک ارواح کے اجسام عنصریہ کے ساتھ فی الجملہ (گو ضعیف ہی سہی) تعلق کی جس نوع کے حضرت نانوتویؒ قائل ہیں ان کی اور حضرات جمہور کی پیروی میں راقم اثیم بھی قائل ہے جب نفی اور اثبات کا محل جدا ہے تو پھر تناقض کیسے ؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت نانوتویؒ ہی کی چند عبارات پیش

کر دیں جن سے بصراحت یہ بات واضح نہ ہو جاتی ہے کہ وہ کس قسم کے تعلق کے منکر اور کس قسم کے تعلق کے مُقر ہیں:۔

(۱) مسئلہ سماع موتٰی کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

الغرض ادھر تو روح کو جسم سے وہ تعلق ضعیف ہو گیا جو سرمایۂ ابصار و اسماع تھا۔ ادھر واسطہ ایصال بعد دفن آپ خاک ہے جس میں خفیف سی لچک اور قلیل سا سیلان ہے اس لیے خواہ مخواہ یہی کہنا پڑے گا کہ حد قوت اِسماع متکلم سے قوت سامعۂ اموات جو بالکل فقط روح کے ساتھ قائم ہے اور جسم سے چنداں تعلق نہیں بری ہے پر بایں ہمہ تعلق بھی موجود ہے گو ضعیف ہے اور واسطہ وصول آواز میں سیلان اور لچک بھی موجود ہے گو خفیف ہے اس لیے اگر اُدھر سے بوجہ توجہ و اقتراب جو محبت مذکورہ کو لازم ہے تلقی آواز یعنی استماع ہو تو بعید نہیں اس لیے مناسب یوں ہے کہ قبرستان میں گذرے تو سلام سے دریغ نہ کرے اور بن پڑے تو ہدیہ مناسب وقت بھی پیش کرے ورنہ سخت بے مروّتی ہے جو یوں آنکھیں چرائے چلا جاوے اھ (جمال قاسمی ص۱۰)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا جسم سے تعلق اگرچہ ضعیف ہے مگر ہے ضرور اور اس تعلق کی وجہ سے جب مردہ کی طرف سے توجہ ہو اور سلام کہنے والا قریب سے سلام کہے تو وہ سنتا ہے۔

(۲) یا یوں کہیے کہ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے مال میں میراث جاری نہ ہونی اور آپ کی ازواج کے نکاح کی حرمت کی علّت اور اُن کے ساتھ آپ کی حیات جسمانی ہے جو آپ کی موت عرضی کے تلے دیگر افاضہ حسّ و حرکت سے اس طرح معذور ہو گئی ہے جیسے چراغ روشن کسی ہنڈیا میں بند ہو کر مکان میں افاضہ نور سے معطل ہو جاتا ہے یہ نہیں کہ جیسے ہماری تمہاری حیات جسمانی جس سے جسم پر روح کا قبض و تصرف تھا موت آنے سے اسی طرح زائل ہو جاتی ہے جیسے سایہ کے آنے سے دھوپ۔ آپ کی حیات بھی موت آنے سے زائل ہو جاتی ہے باقی جو یہ السلام علیکم یا اہل القبور سے ایک نوع کے تعلق روح و جسد کا پتہ لگتا ہے جس سے اشتباہِ حیات (کاملہ ومطلقہ صفدر) پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کو اوّلاً تو ایسا سمجھیے جیسا بوسیلہ تار برقی بمبئی یا کلکتہ یا لندن کی خبر میرٹھ یا بنارس میں آ جائے ایسے ہی یہاں بھی سمجھے (کہ سلام کہنے والا گو قبر سے باہر اور مردہ قبر

میں ہوتا ہے مگر اس کے سلام کی آواز اور خبر اس کو ہو جاتی ہے۔ صفدر) دوسرے اگر کچھ تعلق ایسا رہا بھی جیسا کسی جلاوطن کو اپنے اصلی وطن کے ساتھ تو گو اتنا تعلق موجب اطلاع بعض احوال متعلقہ جسد اسی طرح ہو جاوے جیسا تعلق خاطر مرد آوارہ بسا اوقات بہ نسبت اور بلاد کے احوال متعلقہِ وطن متروک کے زیادہ اطلاع کا باعث ہو جایا کرتا ہے پر اتنی بات سے قبض و تصرف نہیں نکلتا جو اشتباہِ حیات (مطلقہ و کاملہ۔ صفدر) ہو الخ (تصفیۃ العقائد ص۳۱ طبع خواجہ برقی پریس دہلی)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کے نزدیک روح کا جسم کے ساتھ ادراک و شعور کی حد تک تعلق رہتا ہے جس سے مُردہ سلام کہنے والوں کا سلام سنتا ہے ہاں روح کا بدن پر قبض و تصرف نہیں جیسا کہ دنیا میں تھا یا قیامت کے دن ہوگا جس سے حیات کاملہ حاصل ہوتی ہے

(۳) لیکن ہر چہ بادا باد بعد موت نہ ارواحِ شہداء کو ان کے ابدان کے ساتھ تعلق باقی رہتا ہے نہ ارواح اور مومنین کو اتنا فرق ہے کہ بمجرد انقطاع علاقہ جسد اول یا بعد چندے شہداء کی ارواح کو تو اُن ابدان کے ساتھ تعلق پیدا ہو جاتا ہے اور اس حساب سے اُن کو حیات روحانی و جسمانی دونوں حاصل ہو جاتی ہیں اور باقی مومنین امت کے لیے اس نقصان کی کچھ مکافات نہیں کی جاتی بہر حال ابدانِ دنیا سے دونوں کو کچھ تعلق نہیں رہتا پھر اشیاء متعلقہ ابدان دنیوی سے تو تعلق کہاں جو اُن کے اموال و ازواج کو جوں کے توں اُنہیں کے ازواج و اموال سمجھے جائیں اور کسی اور کو نکاح کی اجازت اور وارثوں کو تقسیم و تصرف نہ کرنے دیں کیونکہ اموال و ازواج دنیوی دونوں کو انہیں ابدان کی ضرورت رفع کرنے کے لیے بنایا ہے ازواج سے قضاء حاجت فرج اگر ہوتی ہے تو انہیں ابدان کی حاجت ہے الخ (آبِ حیات ص۱۶۸ طبع دہلی)

اس عبارت میں حضرت نے ارواح کے ابدان کے ساتھ ایسے تعلق کا انکار کیا ہے۔ جس سے ابدان کو ایسی قوت حاصل ہو جس کی وجہ سے وہ دنیوی ازواج و اموال کے محتاج ہوں لیکن حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ اس سے الگ مانتے ہیں اور کتاب آبِ حیات کا موضوع ہی صرف یہ مسئلہ ہے اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ اور ارواحِ انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے پر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہے اور اس لیے حیاتِ جسمانی کو بہ نسبت سابق اسی طرح قوت ہو جاتی ہے۔ جیسے ظرف مذکور کے ڈھک دینے کے بعد چراغ

کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے اھ (جمال قاسمی ص۱۱) اور عام مومنین کے لیے بھی حضرت مولانا نانوتویؒ تعلق روح بالجسد مانتے ہیں ہاں اس طرح کا نہیں جس طرح دنیا کی زندگی میں تھا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے حدیث لَا نُوْرَثُ کو معارض آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور آیت لَا تَنْکِحُوْا أَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ أَبَدًا کو معارض آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ اور آیت وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ کے مصداق وہ ہیں (یعنی غیر انبیاء۔ صفدر) جن کی ارواح کو ان کے ابدان کے ساتھ وہ تعلق نہ رہا جو حالت حیات میں تھا الخ (جمال قاسمی ص۱۲) اور پھر آگے لکھتے ہیں۔ اس لیے یہی کہنا پڑتا ہے کہ روح کو ایسے لوگوں کی اپنے جسم سے وہ علاقہ نہیں رہتا جو وقتِ حیات تھا الخ (ایضًا) حضرت نانوتویؒ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابدان سے ارواح کا فی الجملہ تعلق ہے اور اسی تعلق کی بناء پر مُردے ادراک و شعور رکھتے ہوتے زندوں کا سلام قریب سے سنتے ہیں ہاں ایسا تعلق ہرگز نہیں ہوتا جیسا کہ زندگی میں تھا جس سے ابدان کو دنیوی ازواج و اموال کی حاجت پڑتی تھی بحمد اللہ تعالیٰ خط کشیدہ الفاظ کا مفہوم خود حضرت نانوتویؒ کی عبارات سے نکل آیا اور مؤلف مذکور کا اعتراض کافور ہو گیا، اگر مؤلف مذکور نے تدبر سے کام لیا ہوتا تو ان کو خواہ مخواہ چند ورق سیاہ کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی اور اسی وجہ سے قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور کھاتے رہیں گے ع

تیری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اور ارواح انبیاء کو بدن کے ساتھ علاقہ بدستور رہتا ہے مگر اطراف و جوانب سے سمٹ آتی ہیں۔ اس لیے حیاتِ جسمانی کو نسبت سابق سے اسی طرح قوت ہو جاتی ہے جیسے ظرف مذکور کے رکھ دینے کے بعد چراغ کے شعلہ میں نورانیت بڑھ جاتی ہے۔ اور سکتہ میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے فرض کرو کہ چراغ ٹمٹمانے لگے اور گل ہونے کو ہو۔ بہرحال ارواحِ انبیاء کرام کو بدستور اپنے ابدان کے ساتھ تعلق رہتا ہے، بلکہ کیفیت حیات میں بوجہ اجتماع اور بھی قوت آ جاتی ہے اور مثلِ چراغ و ظلمت ظرف محیط حیات و موت دونوں مجتمع ہو جاتے ہیں:۔

الغرض بقائے حیاتِ انبیاء ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کو نکاحِ ثانی کی اجازت نہیں اور اسی وجہ سے ان کے اموال میں میراث کا جاری ہونا مقرر نہیں ہوا۔ اور نیز ترک حکم میں عظمتِ انبیاء بھی منظور ہے اور لفظ ترک گو ایک حدیث میں منسوب الی الانبیاء بھی ہے۔ مگر دلائل حیات کے قرینہ سے وہ مشاکلۃً و مجازاً ہے (المصالح العقلیۃ حصہ دوم ص۲۱۲)

حضرت نانوتویؒ اور حضرت تھانویؒ کی اس تصریح کے پیش نظر حضرات علماء دیوبند جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات جسمانی اور حیات دنیوی کا لفظ بولیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگی کہ آپ کی روح کا بدنِ[1] دنیا سے تعلق ہے نہ یہ کہ تمام احکام میں یہ حیات دنیوی ہے اور اسی طرح علامہ سمہودیؒ اور امام سبکیؒ وغیرہ کی عبارات میں حیات دنیوی اور جسمانی سے بھی یہی مراد ہے، اور علامہ سبکیؒ کی عبارت میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ کھانے اور پینے وغیرہ تمام امور میں وہ حیاتِ دنیوی نہیں بلکہ علم و شعور اور ادراک و سماع میں وہ دنیوی ہے کما مرّ۔

اعتراض قبر میں عود روح کی وجہ سے حیات نص قرآنی کے خلاف ہے جو قابل سماعت نہیں اور نص قطعی کے مقابلہ میں ظنی دلیل (حدیث شریف) کا کیا اعتبار رہے؟ علامہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں

وکذلک قوله تعالٰی اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ
مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى
اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط فصح بنص القرآن ان
ارواح سائر من ذکرنا لا ترجع الی جسدہ
الا الی الاجل المسمی وهو یوم القیامة الخ
(الفصل فی الملل والاهواء والنحل ج۴ ص۲۷ طبع بیروت
وکتاب الروح ص۵ واللفظ لہ)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو ان کی نیند کے وقت اور اُن جانوں کو قبض کرتا ہے جو نہیں مریں ان کی نیند میں سو روک لیتا ہے ان جانوں کو جن پر وہ موت کا فیصلہ کر چکتا ہے اور دوسری جانوں کو مقرر وقت تک چھوڑ دیتا ہے تو اس نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ وہ تمام ارواح جن کا ذکر ہم نے کیا ہے قیامت سے پہلے جسم کی طرف نہیں لوٹتے۔

مؤلف ندائے حق نے ص۲۲ میں نمبر اول پر اس آیت کریمہ کو نقل کیا ہے اور پھر حسب عادت بے سوچے سمجھے چند تفسیروں کے حوالے بھی نقل کئے ہیں اور اس کے بعد چار اور غیر متعلق آیتیں

---

[1] حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی حیات دنیویہ کا مطلب بیان کرتے ہیں:- اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ وہ حیات دنیا کی سی ہے یعنی مع الجسد ہے صرف برزخی روحانی نہیں جو تمام مومنین کو بھی حاصل ہے جن کے اجسام مٹی ہو چکے ہیں الخ

(حاشیہ ماہنامہ تعلیم القرآن نومبر و دسمبر ۱۹۵۹ء ص۳۹)

ان کی تفاسیر نقل کرنے کے بعد آخر میں نتیجہ نکالتے ہیں۔ بہر حال قرآنی آیات جمہور صحابہؓ و تابعینؒ و کثیر من المحققین اسی طرف ہیں کہ اس جسد عنصری کی طرف دوبارہ قیامت کبریٰ سے پہلے روح نہیں لوٹتی اور وہ حیات روحانی اور جزائی ہے نہ ابتدائی اور نہ اعادی انتہی (بلفظہٖ ندائے حق ص ۲۲۶) اور ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے بھی اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۳)

الجواب :-

علامہ ابن حزمؒ اور مؤلف مذکور وغیرہ کا اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر اور اعادۂ روح کی نفی پر استدلال اور ثانی الذکر کا اس مسلک کو جمہور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور کثیر من المحققین کی طرف منسوب کرنا قطعاً اور یقیناً باطل اور مردود ہے حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور جمہور محققین میں سے کوئی ایک شخص بھی حیات فی القبر کا منکر نہیں اور نہ قبر میں اعادۂ روح کا منکر ہے یہ کاروائی ان حضرات کے غلط نظریہ اور سوء فہم کا نتیجہ ہے اولاً اس لیے کہ اگر اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی نفی ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن پر قرآن کریم نازل ہوا تھا اور جو اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے قرآن کریم کے معانی و مطالب زیادہ جانتے تھے یہ ہرگز نہ فرماتے کہ تعاد الروح فی جسدہٖ یعنی قبر میں میت کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اور اس حدیث کی مفصل بحث پہلے گزر چکی ہے وثانیاً اس لیے کہ اگر اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی نفی ہوتی تو حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ متکلمین نیک انجام اور مفسرین ذو الاحترام وغیرہم بزرگان دین کبھی حیات فی القبر کے اور اعادۂ روح فی القبر الی جسدہٖ کے قائل نہ ہوتے حالانکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جیسی بزرگ شخصیتیں بھی اس کی قائل ہیں۔ کما مرّ مفصلاً وثالثاً حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کے اس استدلال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

فامساکہ سبحانہ التی قضی علیھا الموت	اللہ تعالیٰ کا ان جانوں کو روکنا جن پر وہ موت کا فیصلہ
لاینافی ردھا الی جسدھا المیت فی وقت	کر چکا ہوتا ہے اس کے منافی نہیں کہ ارواح کو بے جان
ما ردا عارضاً لایوجب لہ الحیوۃ المعھودۃ	جسم کی طرف کسی وقت عارضی طور پر ایسے طریقہ پر لوٹائے
فی الدنیا واذا کان النائم روحہ فی جسدہٖ	جس سے دنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو۔ جیسا کہ سونے
وھو حی وحیاتہ غیر حیاۃ المستیقظ فان	والا شخص کہ اس کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور

النوم شقيق الموت فهكذا الميت اذا اعيدت روحه الى جسده كانت له حال متوسطة بين الحي وبين الميت الذي لم ترد روحه الى بدنه كحال النائم المتوسطة بين الحي والميت فتامل هذا يزيح عنك اشكالات كثيرة (كتاب الروح ص۵۳)

وہ زندہ ہوتا ہے مگر اس کی حیات بیدار آدمی کی حیات کے غیر ہوتی ہے۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اسی طرح مُردہ کا معاملہ ہے کہ جب روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے تو اس کا حال زندہ اور ایسے مُردہ کے حال کے درمیان ہوتا ہے جس کی طرف روح نہ لوٹائی گئی ہو جیسا کہ سونے والے کا حال زندہ اور مردہ کے درمیان ہوتا ہے اس مثال میں خوب غور کرو اس سے تمہارے بہت سے اشکالات رفع ہو جائیں گے۔

حافظ ابن القیمؒ کی مفصل عبارات پہلے عرض کر دی گئی ہیں جن میں حیات فی القبر پر تصریح موجود ہے اور اس عبارت میں بھی وہ علامہ ابن حزمؒ کو جواب دیتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں کہ روحوں کو اجساد میں اس انداز سے لوٹانے سے روک دیا جاتا ہے کہ جس سے وہ بدن میں تدبیر و تصرف کریں اور ایسی معہود زندگی حاصل ہو جیسا کہ دُنیا میں تھی رہا ایسے طریقہ سے روح کا بدن کی طرف عارضی طور پر لوٹانا جس سے دُنیا کی معہود زندگی ثابت نہ ہو قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کے ہرگز منافی نہیں ہے۔

ورابعاً دیگر مفسرین کرامؒ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ ارواح کو روکنے کا مطلب یہ ہے کہ ارواح ابدان میں تدبیر و تصرف نہیں کرتے مثلاً یہ کہ بدن میں خون کا دورہ ہو سانس چلے۔ کھانا ہضم ہو نبضیں چلیں، بدن کا نشو و نما ہو مثلاً بال بڑھیں۔ ناخن بڑھیں وغیرہ وغیرہ جیسا کہ دنیا میں یہ کاروائی ہوتی تھی چنانچہ علامہ آلوسیؒ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِہَا کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای يقبضها عن الابدان بان يقطع تعلقها تعلق التصرف فيها عنها الخ (روح المعانی ج ۲۴ صے)

یعنی اللہ تعالیٰ ارواح کو ابدان سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ابدان میں ارواح کے تصرف کا تعلق باقی نہیں رہتا

اس عبارت میں تعلق التصرف فیها عنها کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ارواح کا ابدان میں تصرف نہیں ہوتا اور یہ کاروائی تا قیامت باقی رہتی ہے رہا روح کا جسم سے قبر میں ایسا تعلق جس سے عند القبر سماع ہو اور قبر کی راحت و تکلیف وغیرہ کا ادراک ہو اس کا علامہ آلوسیؒ واشگاف الفاظ میں اثبات کرتے ہیں کما مرّ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں اور ایک

جان جس سے دم چلتا ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھنچتی بلفظہٖ (موضح القرآن) اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں پھر اس معطّل کرنے کے بعد ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطّل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین یعنی مدت عمر تک کیلیے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں الخ (بیان القرآن ج۱۰ ص۲۳ طبع دہلی) الغرض اس آیت کریمہ سے حیات فی القبر کی اُس نوع کا رد اور اعادۃ الروح الی الجسد کے اس مفہوم کا ابطال جس کے جمہور مثبت ہیں کسی طرح بھی نہیں ہوتا وہ مفہوم اپنی جگہ پر ایک حقیقت ثابتہ ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ وخاصۃً زمانہ حال میں جو بزرگ مسئلہ حیات میں بڑی شدت اور غلو سے کام لے رہے ہیں ان کو بھی یہ بات مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو برزخ میں حیات عطا فرمائی گئی ہے ظاہر بات ہے کہ روح پر تو موت وارد ہی نہیں ہوتی تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو برزخ میں حیات عطا فرمائی گئی ہے بلکہ یہ حیات بدن ہی کی ہوگی جو روح کی مشارکت سے ہوگی، ہاں یہ الگ بات ہے کہ یہ حیات برزخیہ ہے نہ کہ دنیویہ لیکن اس کو حیات دنیویہ کہنے والا بھی ان کے نزدیک اہل السنت والجماعت سے خارج نہیں ہے ماہنامہ تعلیم القرآن میں حیات دنیوی اور حیات برزخی کے ایک سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل فتویٰ ملاحظہ ہو۔ الجواب واللہ الملہم بالصواب۔ حضرت نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر وعدۂ الٰہی اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے مطابق حقیقتہً موت واقع ہوئی آپ کی روح اقدس جسدِ اطہر سے منقطع ہو کر جنّت الفردوس میں رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ شامل ہو گئی۔ اور حضرات صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپؐ کے جسدِ اطہر کو واقعی میّت سمجھ کر قبر مبارک میں دفن کیا۔ اور اس عالمِ دنیا سے انتقال کے بعد آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عالم برزخ میں مثل شہداء بلکہ شہداء سے بھی اعلیٰ وارفع حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی وہ حیات دنیویہ نہیں بلکہ اس سے بدرجہا اعلیٰ وارفع اجمل وافضل حیات برزخیہ ہے نہ کہ حیات دنیویہ لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہلِ السنّت سے خارج نہیں کرنا چاہیئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بعد الموت

سب سے اعلیٰ وارفع اجمل وافضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی ہے یہ جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اس پر کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شاہد ہیں۔ عنایت اللہ بخاری عفی عنہ، مسجد جامع گجرات

اس جواب اور فتوٰی پر پچاس حضرات کے دستخط ہیں اور تصدیق کا عنوان یہ ہے جواب صحیح ہے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں:۔ (۱) مولانا نصیر الدین صاحب غور غشتویؒ۔ (۲) مولانا عبد الرحمٰن صاحب بہبودیؒ (۳) مولانا ولی اللہ صاحبؒ انہی (ضلع گجرات) (۴) مولانا غلام اللہ خان صاحب (۵) مولانا محمد طاہر صاحبؒ پنج پیر (۶) مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ (۷) مولانا فیض علی شاہ صاحب (۸) مولانا قاضی غلام مصطفٰی صاحب مرجانویؒ (۹) مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ۔ (۱۰) مولانا محمد امیر صاحبؒ سرگودھا بلاک ۱۵ (۱۱) مولانا احمد حسین صاحب سجاد بخاریؒ (۱۲) اور مولانا قاضی عصمت اللہ صاحب وغیرہم (تعلیم القرآن ماہ جولائی۔ اگست ۱۹۶۰ء ص ۳۲)

اس فتوٰی سے ایک بات تو صراحتہً یہ ثابت ہوئی کہ موت کے بعد برزخ میں حیات کا عطا ہونا اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اور کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اس پر شاہد ہیں معلوم ہوا کہ ایسی حیات کا برزخ میں عطا ہونا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ کے ہرگز خلاف نہیں ہے ورنہ یہ حضرات ہرگز اس کو تسلیم نہ کرتے اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ برزخ میں اس عطا شدہ زندگی کو حیات دنیوی سے تعبیر کرنے والا اہل السنت والجماعت سے خارج نہیں ہے کیونکہ اس قائل کی مراد یہ ہوگی کہ روح مبارک کا دنیوی جسم سے تعلق ہے نہ کہ جسم مثالی سے اور ادراک وفہم وشعور میں وہ دنیوی زندگی کی طرح ہے نہ کہ روح کے بدن میں تصرف وتدبیر کرنے اور حس وحرکت کے لحاظ سے دنیوی ہے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی عبارات میں حیات دنیوی سے یہی ثانی شق مراد ہے نہ کہ اول چنانچہ ان کی عبارات علی الترتیب یہ ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک قسم کی حیاتِ برزخی حاصل ہے جس کی کیفیت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن حیات دنیوی کہنا خلاف اہل السنت والجماعت ہے"

"حیاتِ دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں قرآن کریم کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کر سکتا ہے؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی ہی کے قائل ہیں الخ" (تعلیم القرآن ص ۳۲ ماہ جنوری سنہ ۱۹۶۰ء)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتویٰ میں تو حیات دنیوی کے ساتھ ظاہری کی قید موجود ہے اور یہی قید حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے فتویٰ میں بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے۔

چنانچہ مولانا احمد حسین صاحب سجاد بخاری حضرت مفتی صاحبؒ کے فتویٰ میں حیات دنیوی کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں شاید یہ حیات دنیوی ظاہری کی طرف اشارہ ہو ۱۲ سجاد (ایضاً حاشیہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیوی ظاہری کہنا اہلِ السنت کے قول کے خلاف ہے کیونکہ قبر اور برزخ کی زندگی اگر مستمر طور پر دنیوی ظاہری ہو تو پھر موت اور روح کے جسم سے منقطع ہونے کا کیا مطلب ہے اور پھر ایسی دنیوی ظاہری زندگی والے کو دفن کرنے کا اور اس کی وراثت کے تقسیم ہونے کا اور عدت گذر چکنے کے بعد اس کی بیوی کا کسی سے نکاح جائز ہونے کا کیا مقصد ہے؟ اور یہ کیسے اور کیونکر جائز ہو گیا ہے؟ اور اگر موت کے بعد ایسی ہی دنیوی ظاہری زندگی دوبارہ عطا ہو تو وہ دوسروں کو محسوس ہونی چاہیئے اور دنیوی ظاہری زندگی کے دیگر آثار بھی اس میں ظاہر ہونے چاہئیں حالانکہ عادۃً یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔

حیاتِ حسّی دُنیوی سے مُراد؟

حیات جسمانی اور دُنیوی کا نظریہ تو بالکل صاف اور بے غُبار ہے جیسا کہ آپ نے حضرت نانوتویؒ وغیرہ کی عبارت میں ملاحظہ کر لیا ہے، البتہ حضرت شیخ عبد الحقؒ محدّث دہلویؒ کی عبارت میں حِسّی کا لفظ بھی مذکور ہے یہ لفظاً غور طلب ہے اگر اس سے مراد یہ ہو (اور ہمارے نزدیک یہی مراد متعین ہے) کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو قبر میں جو حیات حاصل ہے وہ خود ان کے حق میں حسّی ہے بایں طور کہ وہ اپنے جسم مبارک کے تمام اعضاء شریفہ میں حیات کے آثار محسوس کرتے ہیں جس طرح کہ دنیا میں ایک تندرست انسان روح کا اثر تمام اعضاء میں محسوس کرتا ہے۔ بخلاف مفلوج اور مشلول کے کہ فالج کی وجہ سے اس کے جو اعضاء ماؤف اور شل ہو جاتے ہیں ان میں وہ حسّ نہیں پاتا۔

الغرض جس طرح حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو دنیا میں اپنے تمام اعضاء مبارکہ میں حیات کے آثار محسوس ہوتے تھے اسی طرح قبر میں جو حیات ان کو حاصل ہے وہ ان کے حق میں حسّی ہے اور اس کے آثار وہ خود محسوس کرتے ہیں گو اہلِ دنیا کو اس کا احساس و شعور نہ ہو سکے اور حسّی کے اس معنی میں نقلاً و عقلاً کوئی خرابی معلوم نہیں ہوتی جب وہ زندہ ہیں تو لامحالہ

زندگی کے آثار ان کو محسوس ہوں گے۔ بخلاف عام مردوں کے کہ ان میں حیات کا اثر صرف اُس جزو سے وابستہ ہوتا ہے جس سے فہم خطاب اور الم و راحت کا ادراک ہو سکے اور یہ مطلب اس لحاظ سے بھی قوی اور صحیح ہے کہ قبر اور برزخ کا معاملہ عالم غیب اور دوسرے جہان سے متعلق ہے اس کا مشاہدہ اور احساس اس جہان والے نہیں کر سکتے۔ لہٰذا حسی کا یہ معنی نہیں ہوگا کہ اس جہان والے اس حیات اور اس کے آثار کو محسوس کر سکتے ہیں اور اگر اس حیات حسی سے مراد یہ ہو کہ اہلِ دُنیا اس کو محسوس کر سکیں تو خرقِ عادت کے طور پر اگر کسی ثقہ سے یہ ثابت ہو تو اس میں بھی شرعاً کوئی استبعاد نہیں کیونکہ خوارقِ عادات کے لیے کوئی ضابطہ نہیں ہوتا اور عام حالات سے وہ ماوراء ہی ہوتے ہیں علّامہ آلوسیؒ الحنفیؒ کا حوالہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ وہ اہلِ دُنیا کے لیے اس کو حسّی تسلیم نہیں کرتے اور اس تحقیق میں ہم بھی علّامہ آلوسیؒ کے ساتھ ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ شیخ عبدالحقؒ وغیرہ کے نزدیک یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک آپ کے جسمِ اطہر سے ہی قبر شریف میں متعلق ہے اور ملاءِ اعلیٰ، علیین اور جنّت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ روح مبارک کا باوجود جسم اطہر کے ساتھ اعلیٰ اور ارفع تعلق ہونے کے جنّت اور علّیین سے بھی بدستور تعلق رہتا ہے جو آپ کی شانِ اقدس کے لائق ہے، باقی اس کی کیفیت پروردگار ہی جانتا ہے ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔

دوسرا گروہ

یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام) کی وفات کے بعد آپ کی روح پُرفتوح تو ملاءِ اعلیٰ علّیین اور جنّت میں اس جگہ میں ہے جو آپ کی شایان شان ہے اور آپ کا جسدِ اطہر صحیح و سالم قبر مبارک میں محفوظ و مصئون ہے لیکن بایں ہمہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسدِ اطہر سے اتصال، تعلق اور علاقہ ہے جس تعلق کی بنا پر آپ کو حیات اور اس کے لوازمات علم و ادراک و شعور و اشتغال بالعبادات حاصل ہیں کہ عند القبر اگر کوئی صلوٰۃ وسلام عرض کرے تو آپ بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں (اس کی بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ) روح مبارک کا یہ تعلق جسدِ اطہر سے دخولاً ہو جیسے بعض حضرات کا نظریہ ہے یا اشراقاً و اشرافاً ہو جس طرح کہ بعض دیگر حضرات قائل ہیں کہ روح مبارک جسم اطہر میں داخل تو نہ ہو لیکن

اس کا پرتو اور عکس جسم اطہر پر اس انداز سے پڑتا ہو کہ آپ کو حیات حاصل ہو) اور اس تعلق کی وجہ سے آپ قبر مبارک کے پاس سلام کہنے والے کا سلام سُن لیتے ہوں اور پھر جواب دیتے ہوں، ایسا نہیں کہ روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق نہ ہو اور عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع آپ نہ کرتے ہوں، باقی اس تعلق کی کیفیت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے ہم کیا اور اس کا ادراک و شعور کیا؟ سچ کہا گیا ہے۔

کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربا

گویا ان حضرات کے نزدیک آپ کی روح مبارک کا تعلق اور علاقہ اُسی بدن سے ہے جو بدن اور جسم دُنیا میں تھا گو دنیوی زندگی کے اکثر لوازمات اور آثار اس پر مرتب نہ ہوں مگر ادراک و شعور اور علم و سماع بہر حال اس میں متحقق ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (جن کی مفصل عبارت ص ۱۹۲، ۱۹۳ میں گذر چکی ہے) حافظ ابن القیمؒ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی عبارات سے یہ مسلک واضح ہوتا ہے کہ آپ کی رُوح مبارک تو جنّت اور اعلیٰ علیّین میں ہے اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح بھی لیکن معہذا ان کا تعلق قبور میں اپنے ابدان سے بھی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وبعد وفاته استقرت في الرفيق الأعلى مع أرواح الأنبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلي في قبره الى ان قال كما انه صلى الله عليه وسلم في ارفع مكان في الرفيق الأعلى مستقرا هناك وبدنه في ضريحه غير مفقود واذا سلم عليه المسلم رد الله عليه روحه حتى يرد عليه السلام ولم يفارق الملأ الأعلى اھ

اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی رُوح مبارک دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے لیکن معہذا بدن مبارک پر اس کا پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کا بدن سے تعلق ہے اس انداز سے کہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں بحالتِ قیام نماز پڑھتے دیکھا تھا (پھر آگے فرمایا کہ) جس طرح کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں بلند مقام پر فائز ہیں اور آپ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ سے سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی رُوح مبارک کو آپ پر لوٹا

(زاد المعاد جلد۲ ص۴۹)

دیتا ہے۔ حتیٰ کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں لیکن آپ کی روح مبارک ملاءِ اعلیٰ سے جدا نہیں ہوتی۔

اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:۔

هذا مع القطع بان روحه الكريمة فى الرفيق الاعلىٰ فى اعلىٰ عليين مع ارواح الانبياء وقد صح عنه انه رأى موسىٰ قائماً يصلى فى قبره ليلة الاسراء ورأٰه فى السماء السادسة او السابعة فالروح كانت هناك ولها اتصال بالبدن فى القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلى فى قبره ويرد سلام من سلّم عليه وهى فى الرفيق الاعلىٰ ولا تنافى بين الامرين فان شأن الارواح غير شأن الابدان اھ

(كتاب الروح ص۵۵)

یعنی یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین کے اندر رفیقِ اعلیٰ میں دیگر حضرات انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ ہے اور آپ کی یہ حدیث صحیح ہے کہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات ان کی قبر میں بحالتِ قیام نماز پڑھتے دیکھا اور ان کو چھٹے یا ساتویں آسمان پر بھی دیکھا پس روح مبارک تو وہیں ہے لیکن اس کا قبر شریف میں بدن مبارک سے اتصال ہے اور اس پر روح کا پرتو پڑتا ہے اور اس سے تعلق ہے اس انداز سے کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور روح مبارک کا مستقر رفیقِ اعلیٰ ہی ہے اور ان دونوں باتوں میں کوئی منافاۃ نہیں اس لیے کہ ارواح کا معاملہ ابدان کے معاملہ سے الگ ہے

ان عبارات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ارواح کا مستقر رفیق اعلیٰ بتلایا گیا ہے لیکن بایں ہمہ واضح طور پر یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ ان ارواح طیبہ کا قبور میں ابدان مبارکہ سے اتصال اور تعلق قائم ہوتا ہے جس کی وجہ سے قبور مبارکہ پر سلام کہنے والوں کا سلام سُن کر جواب دینا ثابت ہے۔

حضرت عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واما بعد وفاته فروحه المقدسة صلى الله عليه وسلم قد استقرت فى الرفيق الاعلىٰ مع ارواح الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام ولا يتوهم من هذا انكار حياته فى قبره

وفات کے بعد آپ کی روح مبارک دیگر انبیاء علیہم السلام کے ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہے اور اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ قبر شریف میں آپ کی حیات کا اس سے انکار لازم آتا ہے کیونکہ آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک پر عکس

الشریف فان لروحہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراقاً علی البدن المبارک المطیّب و اشراقاً وتعلقاً بہ وبدنہ فی ضریحہ غیر مفقود واذا سلّم علیہ المسلّم ردّ اللہ علیہ روحہ حتّی یردّ علیہ السلام کما ورد فی الحدیث ولم یفارق الملاء الاعلیٰ ومن کثف ادراکہ وغلظت طباعہ عن ہذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلہا وتعلقہا وتأثیرہا فی الارض وحیات النبات والحیوان بہا اھ۔

(فتح الملہم جلد ۳ ص۴۲۱)

پرتو اور روشنی پڑتی ہے اور اس کے ساتھ تعلق ہے اور آپ کا بدن مبارک قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جب بھی کوئی سلام کہنے والا آپ سے سلام عرض کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو آپ پر لوٹا دیتا ہے، حتّٰی کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور روح مبارک ملاء اعلیٰ سے جدا بھی نہیں ہوتی اور جس شخص کا ادراک کثیف اور اس کی طبیعت اس کے سمجھنے سے منقبض ہو تو اسے سورج کی طرف دیکھنا چاہیے کہ وہ کتنے بلند مقام پر ہے لیکن معہذا اس کا تعلق اور تاثیر زمین پر ظاہر ہے اور نباتات و حیوانات کی حیات اور نشوونما اس سے وابستہ ہے۔

حضرت مولانا عثمانیؒ نے اس عبارت میں سورج کی مثال دے کر یہ اشکال کہ جب روح مبارک علیین میں ہے تو پھر قبر مبارک میں اس کے ساتھ حیات کے کیا معنی؟ رفع کیا ہے کہ سورج باوجود بہت بلند ہونے کے زمین اور اس کے اجزاء پر اثر انداز ہے اور عالم اسباب میں حیوانات و نباتات کی نشوونما کا ذریعہ ہے اگر زمین پر اس کی حرارت اور روشنی اثر انداز ہو سکتی ہے تو روح مبارک بھی قبر شریف میں جسم اطہر پر اثر انداز ہو سکتی ہے اور اس میں کوئی بُعد نہیں ہے۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا مستقر تو اعلیٰ علیین میں ہے لیکن باوجود اس استقرار کے اس کا تعلق ربط اور اتصال قبر مبارک میں جسد اطہر سے بھی ہے جس سے ایسی حیات آپ کو حاصل ہے کہ آپ عند القبر سلام کہنے والے کا سلام بنفسِ نفیس خود سننے اور اس کا جواب دیتے ہیں انصاف کی دنیا میں نہ تو اس اتصال اور تعلق کا انکار ہو سکتا ہے اور نہ اس سے بڑھ کر اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے، ثلج صدر کے لئے یہ دلائل بالکل کافی ہیں۔

ے حریم دل کا کیا کہنا یہاں جلوے ہی جلوے ہیں
بحمد اللہ یہیں وہ ہیں یہیں خلوت نشین میں ہوں

عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا

بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً ۱۳۷۴ھ تک اہل السنت والجماعت کا کوئی فرد کسی بھی فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی روح مبارک کا جسم اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی سیرت کی ہو یا تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے من ادعی خلافہ فعلیہ البیان ولا یمکنہ انشاء اللہ تعالیٰ الی یوم البعث والجزاء والمیزان۔ خدا کرے کہ جو حضرات اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں ان کو محل نزاع اور اپنا مدعا سمجھ آسکے ے

خدایا اس مرض کی ہے دوا کیا — کہ ہم کیا ہیں ہمارا مدعا کیا!

مؤلف ندائے حق وصاحب تسکین القلوب وآقامۃ البرہان ہمارے اس دعویٰ سے خاصے برہم اور سیخ پا ہوئے ہیں (ندائے حق ص۱۳۳ تا ص۱۳۸ وتسکین ص۹۳ وآقامۃ ص۱۹۲) مگر یقین جانئے کہ باوجود مناظرانہ موشگافیوں کے ایک حوالہ بھی صراحت کے ساتھ اس پر پیش نہیں کرسکے کہ مثلاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے اور مؤلف آقامۃ البرہان نے روح کے بدن پر اشراق سے اور فی الجملہ روح کا تعلق جسم سے تسلیم کرکے ایک گونہ حیات تسلیم کرکے زائر کا صلوٰۃ وسلام سننا اور اس کا جواب دینا بھی صاف تسلیم کرلیا ہے (ملاحظہ ہو آقامۃ ص۱۷۹ وص۱۹۰ وص۱۹۲) اور مؤلف تسکین القلوب کا اس سلسلہ میں حوالہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام کے عند القبر سماع کے قائل ہیں۔

عاجزانہ واویلا

مؤلف ندائے حق اس کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ انوکھا اجماع آپ سے پہلے کسی

نے نہیں بتایا اور نہ ہم نے سنا۔ اس غلط اور موضوع حدیث (لعنۃ اللہ علی الکاذبین صفدر) کے بل بوتے پر اتنا ناچ رہے ہیں کہ اجماع بنا دکھایا۔ کیوں جناب! اجماع کا منکر تو کافر ہوتا ہے کیا سماع عند القبر شریف کا منکر بھی کافر ہے؟ اس سے تو ہمیں اس خبر کی تصدیق ہو رہی ہے جو ہم نے سنی ہے کہ آپ کے حواری منکر سماع کو صاف کافر کہتے ہیں۔ جناب من! آپ کیوں جھجک کر منکرین کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی فرماتے ہیں صاف کہہ دیجئے کہ کافر ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ کراہت کا سوال پیدا ہو۔ اگر آپ یوں فتویٰ دیں گے تو ہم بھی کہہ دیں گے جو غیر اللہ کو حاجات میں غائبانہ پکارے دور سے پکارے یا قبر کے پاس سے پکارے وہ پکا مشرک ہے اس کی ذبیحہ مردار ہے اس کو اپنی بہن بیٹی نکاح نہیں دے سکتے وغیرہ ہم سے تو عدم سماع کا صریح حوالہ مانگتے ہیں مگر کیا آپ نے اپنے دعویٰ اجماع کا حوالہ دیا ہے ہم نہیں پوچھ سکتے کہ آپ بسند صحیح یہ دکھاؤ جس میں صحابہ یا من بعدھم نے کہا ہو اجمعنا علی سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند قبرہ الشریف الذی فیہ جسدہ الطیب المطھر یا یہ دکھاؤ کہ صحابی یا من بعدھم نے مجمع عام میں دعویٰ سماع النبی عند قبرہ الشریف کیا ہو تو سارا مجمع خاموش رہا ہو تردید کسی نے نہ کی ہو مثل مشہور ہے الٹے بانس بریلی کو۔ لا دلیل علی النافی فی احکام الشرع وانما الدلیل علی المثبت (اصول سرخسی ج ۲ ص ۱۱۷) چلو علی سبیل التنزل کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین کا قول یا عمل ایسا دکھاؤ جو دال بر سماع ہو اور جو من گھڑت حدیث آپ کو اچھال رہی ہے اس پر مکمل بحث ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آ رہی ہے اور موضوع حدیث پر عمل کرنے کا تمغہ من خدم الشیطان بھی حاصل ہو جائے گا۔ الخ

(ندائے حق ص ۱۳۳ و ص ۱۳۴)

الجواب: نیلوی صاحب غصہ تھوک دیجئے اور سراسر لاجواب عاجز اور قاصر ہو کر بلا وجہ پارہ چڑھ جانا بھی کوئی دلیل نہیں اور نہ اس سے کسی بھی صورت کوئی مطمئن ہو سکتا ہے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور امت مسلمہ کا اس پر عمل ہے جو بقول آپ کے اس پر عمل کرکے من خدم الشیطان کا تمغہ حاصل کر چکی ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم نے حضرت گنگوہیؒ کی با حوالہ عبارات تسکین الصدور میں درج کی ہیں کہ عند القبور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں

ہے محصلہ جناب اسی کا نام اجماع ہے۔ آپ کو آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیئے تھا بلکہ آپ دو چار ٹھوس اور صریح حوالے بتا کر علمی اور تحقیقی خدمت بجا لاتے کہ فلاں صحابی یا تابعی یا امام یا محدث یا فقیہ یا متکلم یا بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر سلام کا سماع نہیں فرماتے یہ آپ کا علمی فریضہ تھا اور اب بھی آپ پر قرض ہے۔ مرنے سے پہلے آپ اس کو پورا کر جائیں۔ ہمارے حواریوں میں سے اگر آپ جیسے مغلوب الغضب نے تکفیر کی ہو تو ہمیں اس کا علم نہیں ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہم مسئلہ تکفیر میں اتنے غیر محتاط بھی نہیں ہیں مگر آپ کی توجہ کی خاطر ہم اپنے ایک پرانے حواری حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ سے ایک سوال اور اس کے جواب کا کچھ حصہ عرض کئے دیتے ہیں۔

سوال۔ انسان را بعد موت ادراک و شعور باقی میماند و زائرانِ خود را مے شناسد یا نے؟	سوال:۔ کیا انسان کا مرنے کے بعد ادراک و شعور باقی رہتا ہے اور وہ اپنے زیارت کرنے والوں کو پہچانتا اور ان کے سلام و کلام کو سنتا ہے یا نہیں۔
جواب۔ انسان را بعد موت ادراک باقی میماند بر ایں معنیٰ شرع شریف و قواعد فلسفی اجماع دارند الی ان قال بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نہ باشد در الحاد بودن او شبہہ نیست اھ (فتاویٰ عزیزی ج۱ صـ۸۹)	جواب:۔ انسان کا مرنے کے بعد ادراک باقی رہتا ہے اس مقصد پر شرع شریف اور قواعد فلسفہ کا اجماع ہے۔ (پھر آگے فرمایا) خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مُردوں کے شعور و ادراک کا انکار اگر کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

نیلوی صاحب فرمائیے کہ ہمارے حواری حضرت شاہ صاحبؒ نے کیا فرمایا ہے؟ ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جانا چاہتے اور فرض کیجئے کہ بعض اجماعی مسائل کا انکار کفر نہ ہو تو ان کا انکار کارِ ثواب بھی تو نہیں ہے بلکہ گناہ ہے آپ کیوں اس گناہ پر مصر اور کمر بستہ ہیں؟ اور کیوں مخلوقِ خدا کو گمراہ کر کے ان کی راہ مارتے ہیں؟ حضرت مولانا گنگوہی رحؒ کا یہ فتوٰی پہلے نقل کیا جا چکا ہے

الجواب:۔ یہ کرامات اولیاء اللہ سے ہوتی ہے اور حق ہے کہ کرامت خرقِ عادت کا نام ہے۔ اس میں تردد کی کوئی بات نہیں اس کا انکار گناہ ہے کہ انکار کرامت کرنا ہے اور کرامت کا حق ہونا مسئلہ اجماعی اہل سنت کا ہے فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(فتاویٰ رشیدیہ ج۱ صـ۲۲)

کچھ سمجھ آئی آپ کو؟ باقی آپ جیسے عقیدہ رکھنے والوں کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بعض جیّد علماء کرام کا ہے جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات عرض کی جاچکی ہے اس میں راقم پر دانت پیسنے کا کیا مطلب؟ آپ کا یہ کہنا کہ۔ یا قبر کے پاس سے پکارے وہ پکا مشرک ہے اس کی ذبیحہ مردار ہے الخ پکارنے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر پکارنے سے یہ مراد ہے کہ صاحبِ قبر سے کہے کہ تم میرا کام کردو تو یہ شرک ہے (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۹۹)۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ قبر کے پاس جاکر کہے لے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کردیوے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوّز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۹۹) فرمائیے کہ کیا آپ کے نزدیک سماعِ موتیٰ کے جملہ قائلین پکّے مشرک ہیں؟ اور ان کا ذبیحہ حرام اور مردار ہے؟ اور ان کے نکاح میں جو بیبیاں تھیں اُن سے ان کا نکاح جائز نہیں تھا اور معاذ اللہ تعالیٰ وہ ساری زندگی زنا کرتے رہے ہیں؟ نیلوی صاحب ہوش میں آکر بات کیجئے عاجز اور لاجواب ہوکر یوں جلی کٹی سنانے پر نہ آجایئے بفضلہٖ تعالیٰ ہم نے اپنے دعویٰ کا ثبوت دے دیا ہے اور بغیر جناب سید عنایت اللہ صاحب بخاری (جو اس اجماع کے پہلے منکر ہیں) اور ان کے چند حواریوں کے اور کسی نے اس اجماع کے خلاف لب کشائی نہیں کی اور سب اس اجماع پر خاموش رہے ہیں اور کسی نے اس کی تردید نہیں کی آپ اور آپ کے چند حواری اس اجماع کا انکار کرکے اور اس کے جواب سے بالکل لاجواب ہوکر الٹا ہمیں کوستے ہیں؟ اس کو کہتے ہیں الٹا بانس بریلی کو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فقہی طور پر مدعی اور مدعی علیہ مثبت اور نافی کا مقام متعین کرنا خاصا نزاعی مسئلہ ہے اور یہ ایک اضافی چیز ہے آپ بھی اس بات کے مدعی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم مبارک سے قبر اطہر میں کوئی تعلق نہیں اور آپؐ عند القبر صلوٰۃ وسلام وغیرہ نہیں سُنتے (العیاذ باللہ) اور آپ پر بھی اس کا واضح اور صریح دلائل سے ثبوت لازم ہے جس سے آپ یقیناً قاصر ہیں اور تاقیامت قاصر رہیں گے لادلیل علی النافی الخ کو اپنا سپر بناکر دلیل قائم کرنے سے راہ فرار اختیار کرنا بالکل بے سود ہے معاف رکھنا! تمام حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور تبع تابعینؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عند القبر سماع پر متفق تھے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے

اگر آپ میں ہمّت اور جرأت ہے تو ایک حوالہ ہی صریح ثابت کر دیں ولا یمکن ذٰلک انشاء اللہ تعالٰی آپ ضد اور تعصّب و تحزّب میں آکر بلا وجہ صحیح حدیث کو جس پر امت کا تعامل ہے منگھڑت قرار دیتے اور اس پر عمل کرنے والوں کو مِنْ خُدَعِ الشّیطان کا جو دیتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالٰی اس کا مزہ آپ مرنے کے بعد چکھیں گے۔ کہ کیا ہے؟

ممکن ہے اہل علم حضرات نفی حیات سے دنیوی حسّی حیات ہی مراد لیتے ہوں جس پر ان کے خیال میں کوئی مفاسد مرتب ہو سکتے ہیں مگر عوام تو بڑے سطحی ہوتے ہیں وہ ان حدود و قیود کو کیا سمجھیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ اس اجماعی مسلک کا انکار کر کے اپنی عاقبت ہی برباد کر لیں اس لیے حیات کا انکار خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ:۔

اور جو جاہل کہ بدعت اور گمراہی میں پڑ جاتا ہے اس کی مثال بالکل ابو جہل جیسی ہے کہ اُسے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کتنا ہی سمجھایا مگر وہ اپنی جہالت سے باز نہ آیا، اور یاد رہے کہ جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مُردہ جانے اس پر ایمان سلب ہو جانے کا خوف ہے الخ (کتاب عین الفقر از سلطان باہوؒ صہ ۱۰۲ ناشر اللہ والے کی قومی دوکان کشمیری بازار لاہور)

دوسری دلیل

امام ابو داودؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے محمدؒ[2] بن عوفؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مقریؒ[3] نے

---

[1] امام ابو داودؒ (المتوفی ۲۷۵ھ) کا نام سلیمان بن الاشعث تھا جو الامام الثبت اور سید الحفاظ تھے۔ (تذکرہ جلد ۲ صہ ۲۵۲)

[2] امام ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور نسائیؒ ثقہ کہتے ہیں امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ صاحبِ حدیث اور اہل حفظ تھے، امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ وہ اہل شام کی صحیح اور ضعیف سب حدیثوں کے عالم تھے محدث مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام خلالؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں امام حافظ اور علم و معرفت میں مشہور تھے (تہذیب التہذیب جلد ۹ صہ ۳۸۳/۳۸۴)

[3] ان کا نام عبد اللہؒ بن یزیدؒ تھا، امام ابو حاتمؒ ان کو صدوق اور امام نسائیؒ اور خلیلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور محدث ابن قانعؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ صہ ۸۴)

بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حیوۃؒ[1] نے بیان کیا وہ ابو صخرؒ[2] حمید بن زیادؒ سے اور وہ یزید[3] بن عبد اللہؒ بن قسیطؒ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتیٰ ارد علیہ السلام (ابوداؤد جلد ۱ ص ۲۷۹ واللفظ لہ ومسند احمد جلد ۲ ص ۵۲۷)	کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ اور امام ابو داؤدؒ نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے (شفاء السقام ص ۵۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ رواتہٗ ثقات (فتح الباری پ ۳ ص ۲۷۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں اسنادہٗ حسن (السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۷۹) کہ اس کی سند حسن ہے، حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں صححہ النووی فی الاذکار (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۶) کہ امام نوویؒ اس حدیث کی اپنی کتاب الاذکار میں تصحیح کرتے ہیں اور امام نوویؒ کتاب الاذکار ص ۱۰۶ طبع مصر میں لکھتے ہیں باسناد الصحیح الخ کہ یہ حدیث صحیح اسناد سے مروی ہے

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ :-

واتفق الائمۃ علی انہ یسلم عند زیارتہٖ علی	حضرات آئمہ کرامؒ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی

---

[1] حیوہؒ بن شریحؒ بڑے صاحب کرامات بزرگ اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں، امام ابن معینؒ اور یعقوب بن شیبہؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۱) علامہ ذہبیؒ ان کو الامام القدوۃ اور شیخ الدیار المصریہ لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۴)

[2] امام بغویؒ ان کو صالح الحدیث اور امام دارقطنیؒ ثقہ کہتے ہیں، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں امام ابن معینؒ اور امام احمدؒ بن حنبلؒ ان کو لا بأس بہ کہتے ہیں محدث ابن عدیؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں۔ (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۴۱ و ۴۲)

[3] امام ابن معینؒ ان کو لیس بہ بأس اور امام نسائیؒ ثقہ کہتے ہیں اور امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں امام ابن عدیؒ ان کو مشہور اور صالح الروایات کہتے ہیں، محدث ابراہیمؒ بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ فقیہ اور ثقہ تھے علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، امام ابن معینؒ ان کو صالح کہتے ہیں، امام ابن عبد البرؒ ان کو ثقہ من الثقات کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۳۴۲ و ص ۳۴۳)

صاحبیه لما فی السنن عن ابی هریرةؓ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم انه قال ما من رجل یسلم علیّ الا رد اللہ تعالیٰ علیّ روحی حتی ارد علیه السلام وهو حدیث جید۔ (فتاوی ج۴ ص۳۶۱)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی (قبور کی) زیارت کے وقت سلام کہنا چاہیے کیونکہ سنن (ابوداؤد) میں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر کوئی شخص بھی سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح (توجہ) لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ ج۸ ص۳۰

اور علامہ زرقانیؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔ باسناد صحیح (زرقانی شرح المواہب)

اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال النووی فی الاذکار اسناده صحیح و قال ابن حجر رواته ثقات (دلیل المطالب ص۴۴۳)

امام نوویؒ کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں:۔

روی ابوداؤد بسند صحیح اھ (وفاء الوفا ج۲ ص۴۰۳)

کہ امام ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

مولانا سید انور شاہ صاحبؒ اور علامہ عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ رواته ثقات (عقیدة الاسلام ص۵۲ و فتح الملہم جلد۱ ص۳۳۰)۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواه احمد وابو داؤد والطبرانی و البیهقی باسناد حسن بل صححه النووی فی کتاب الاذکار وغیره وفیه نظر وقال شیخنا رواته ثقات (القول البدیع ص۱۱۲)

اس حدیث کو امام احمدؒ، ابوداؤدؒ، طبرانی اور بیہقیؒ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے بلکہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار وغیرہ میں اس کی تصحیح کی ہے اور اس میں کلام ہے اور ہمارے استاد (حافظ ابن حجرؒ) فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ ہیں۔

علامہ محمد بن محمد الخانجی البوسنویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال النووی فی الاذکار وریاض الصالحین اسنادہ صحیح وصححہ ایضًا ابن القیم (ھامش حیات الانبیاء للبیہقیؒ ص۶ قلمی)

امام نوویؒ نے کتاب الاذکار اور ریاض الصالحین ص۴۹۲ طبع مصر میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی اس حدیث کی تصحیح کی ہے

اصول حدیث کی رُو سے یہ روایت بالکل حسن اور صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں جیسا کہ آپ باحوالہ پڑھ چکے ہیں اور محدثین کرامؒ کی خاصی جماعت اس کی تصحیح و تحسین کرتی ہے۔

اعتراض:۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں وفیہ نظر کہ اس میں کلام ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یزیدؒ بن عبد اللہؒ بن قسیطؒ لیس بذاک اور تقی الدین ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

کانہ لم یدرک اباھریرۃؓ وھو ضعیف وفی سماعہ منہ نظر۔

گویا کہ انہوں نے حضرت ابوہریرۃؓ سے ملاقات نہیں کی اور وہ ضعیف ہیں اور حضرت ابوہریرۃؓ سے ان کے سماع میں کلام ہے۔

اور انہی قرائن کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

وھو یمنع من الجزم بصحتہ (القول البدیع ص۱۱۷ محصلہ)

اور یہ چیز اس حدیث کے جزم بالصحۃ سے منع کرتی ہے۔

الجواب:۔ یزیدؒ بن عبد اللہؒ بن قسیطؒ، بخاری ومسلم اور دیگر صحاح ستہ کے راوی ہیں اور جمہور محدثین ان کی توثیق کرتے ہیں، امام ابو حاتمؒ نے ان کو اس لیے لیس بالقوی کہا تھا کہ امام مالکؒ ان پر راضی نہ تھے لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ امام ابن عبد البرؒ نے ابو حاتمؒ کا رد کیا ہے اور پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ ویزید فقد احتج بہ مالک فی مواضع من المؤطا وھو ثقۃ من الثقات (تھذیب التھذیب جلد۱۱ ص۳۴۳) امام مالکؒ نے مؤطا میں کئی مقامات پر ان سے احتجاج کیا ہے اور وہ ثقہ راویوں میں سے ایک تھے اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ روی عن ابن عمرؓ وابی ھریرۃؓ کہ انہوں نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت کی ہے علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی اور ابن حسان الزیادیؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نوے سال کی عمر پائی تھی (تہذیب التہذیب جلد۱۱ ص۳۴۲) اس لحاظ سے

ان کی ولادت ۳۲ھ میں قرار پاتی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات ۵۸ھ کو ہوئی تھی، درمیان میں چھبیس ۲۶ سال کا طویل زمانہ ہے اور جمہور محدثین کرامؒ کے اصول کے مطابق امکانِ لقاء کا کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ الغرض اعتراض کی ایک ایک شق باطل ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام سخاویؒ فنِ نظر سے جو کچھ بیان کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ اس حدیث کو جزماً صحیح نہیں کہا جا سکتا ان کا جو اختلاف ہے وہ محدثانہ نقطۂ نظر سے لفظ صحت کے اطلاق میں ہے اس کے حسن ہونے میں تو ان کو بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور جمہور محدثین استدلال و احتجاج کے لیے حدیث میں صحت ہی کی قید کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ ان کے نزدیک حدیث حسن بھی قابلِ استدلال ہوتی ہے چنانچہ قاضی شوکانیؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (وغیرہ) نے اس کی تصریح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۲ ومسک الختام ج ۱ ص ۱۲)

مطلبِ حدیث؟

اس صحیح اور حسن حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ سلام کہنے والے کا جواب دینے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر کی طرف روح مبارک لوٹائی جاتی ہے اور اس ردِّ سلام میں آپ کی روح مبارک کا جسم اطہر سے اتصال اور تعلق ہوتا ہے، اگر سلام بھیجنے والا دور سے بھیجے تو بواسطۂ ملائکہ یہ آپ تک پہنچایا جاتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب بیان ہوگا اور اگر سلام کہنے والا عند القبر سلام کہے تو آپ بلاواسطہ خود بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں بحث اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ امام موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی ۶۲۰ھ) نے اسی روایت میں یسلم کے جملہ کے بعد عند قبری کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو مغنی ج ۳ ص ۵۸۸) اور علامہ ابن عبد الہادیؒ نے بھی امام ابن قدامہؒ کے حوالہ سے امام احمدؒ کی روایت میں عند قبری کے الفاظ نقل کئے ہیں (الصادم المنکی ص ۱۵۶) اور جس روایت میں عند قبری کے الفاظ موجود نہیں ہیں ان سے مراد بھی عند قبری ہے (الصادم ص ۹۵) اس صحیح حدیث سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں حیات ثابت ہے اور حیات بھی ایسی کہ روح مبارک جسد اطہر کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور روح مبارک کا جسد اطہر سے اتصال تعلق اور رابطہ قائم ہوتا ہے؛

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس حیات میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی جس طرح کہ دنیا میں نزولِ وحی کے وقت کیفیت ہوتی تھی، اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اس کو ردِ روح سے تعبیر فرمایا کذا فی اللمعات اھ (النشر الطیب ص۲۱۱ و ص۲۱۲ طبع جید برقی پریس دھلی) غرضیکہ یہ روایت اور اسی طرح کئی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹائی گئی (اور لوٹائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ زین الدین ابوبکر المراغیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان کتب السنۃ متضمنۃ للاحادیث الدالۃ علی ان روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترد علیہ وانہ یسمع ویرد علیہم السلام (تحقیق النصرۃ ص۱۱۶ طبع مصر)

کتبِ حدیث ایسی روایات پر مشتمل ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی روح مبارک لوٹائی جاتی ہے اور آپ خود سلام سنتے اور سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتویؒ اس حدیث شریف کی طویل بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں اس صورت میں حاصل معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے تو خداوندِ کریم آپ کی روح پُرفتوح کو اس حالتِ استغراق فی ذات اللہ تعالیٰ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و محبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش عطا فرما دیتا ہے یعنی مبدأ انکشاف نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو انبساط الی اللہ حاصل تھا مُبدل بانقباض ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے ارتداد علی النفس حاصل ہوتا ہے اور اپنی ذات و صفات اور کیفیات اور واقعات متعلقہ ذات و صفات سے اطلاع حاصل ہو جاتی ہے سو چونکہ سلام امتیاں بھی منجملہ وقائع متعلقہ ذات خود ہیں اس لئے اُس سے مطلع ہو کر بوجہ حسن اخلاق ذاتی جواب سے مشرف فرماتے ہیں اھ (آبِ حیات ص۱۷۵)

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اسی حدیث کی تفسیر کرتے ہوئے ایک معترض کا جواب دیتے ہوئے طویل بحث میں یہ بھی لکھتے ہیں اگر لفظ الیّ روحی فرمایا گیا ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے۔ الیٰ اور علیٰ کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علیٰ استعلاء کے

لیے ہے اور الٰی نہایت طرف [illegible] لیے ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]ۃ وسلام سے پہلے روح کا استعلاء نہ تھا نہ یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج ہو گئی تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے اھ (مکتوبات شیخ الاسلام۔ جلد ۲ ص ۲۲۸)

اور نیز تحریر فرماتے ہیں کہ حاضری روضہ مبارک کے وقت میں آنحضرت علیہ السلام کی روح پر فتوح کو وہاں جلوہ افروز سننے والی جاننے والی غایت جمال وجلال کے ساتھ تصور کرتے ہوئے شہنشاہ عالم کے دربار کی حاضری خیال کی جاوے اور جملہ طرق ادب کا لحاظ رکھا جاوے الخ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۳۱۲)

اور نیز فرماتے ہیں کہ آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام مومنین وشہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ہے اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت سی وجوہ سے اس سے قوی تر ہے آپ سے توسل نہ صرف وجود ظاہری کے زمانہ میں کیا جاتا تھا بلکہ اس برزخی وجود میں بھی کیا جانا چاہیئے محبوب حقیقی تک وصال اور اس کی رضاء صرف آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلہ سے ہو سکتی ہے اسی وجہ سے میرے نزدیک یہی ہے کہ حج کے پہلے مدینہ منورہ جانا چاہیئے اور آپ کے توسّل سے نعمت قبولیت حج وعمرہ کے حصول کی کوشش کرنی چاہیئے (مکتوبات ج ۱ ص ۱۲)

اور حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ حدیث ما من احد یسلّم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی (الحدیث) کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلّم حقیقت ہے اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں لیکن اتنی سی بات سب کے نزدیک مسلّم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلّم کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لیے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ آپ کا جسد اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے ردّ روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی وجلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے پھر جب کوئی امتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے، تو

اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں پس اس روحانی توجہ والتفات کو ردِ روح سے تعبیر فرمایا گیا۔ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۲۴۵)

اشکال

ہر سلام کرنے والے کے سلام کے موقع پر عود روح کے سلسلہ میں علمی طور پر خاصا اشکال وارد ہوتا ہے کہ بار بار نزع روح اور عود روح تو اچھا بھلا سوہان روح ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے اس لیے ایسی حدیث سے حیات کا مسئلہ کیونکر حل ہو سکتا ہے؟ چنانچہ یہ اشکال اور اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ یوں لکھتے ہیں کہ:۔

وجه الاشكال فيه ان ظاهره ان عود الروح الى الجسد يقتضى انفصالها عنه وهو الموت وقد اجاب العلماء عن ذلك باجوبة احدها ان المراد بقوله ردّ الله علىّ روحى انّ ردّ روحه كانت سابقة عقب دفنه لا انها تعاد ثم تنزع ثم تعاد الثانى سلّمنا لكن ليس هو نزع موت بل لا مشقة فيه الثالث ان المراد بالروح الملك الموكل بذلك الرابع المراد بالروح النطق فتجوّز فيه من جهة خطابنا بما نفهمه الخامس انه يستغرق فى امور الملأ الاعلى فاذا سلم عليه رجع اليه فهمه ليجيب من سلّم عليه وقد اشكل ذلك من جهة أخرى وهو انه يستلزم استغراق الزمان كله فى

اس میں اشکال کی وجہ یہ ہے کہ روح کا جسم کی طرف عود اس کو چاہتا ہے کہ پہلے روح جسم سے الگ ہو اور یہی موت ہے، (حالانکہ آپ قبر مبارک میں مستمر طور پر زندہ ہیں کما مرّ) اور علماء نے اس کے کئی جوابات دیئے ہیں ایک یہ ہے کہ آپ کے دفن کے بعد ہی آپ کی روح مبارک آپ کی طرف اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی ہے یہ نہیں کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹائی جاتی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایسا ہی ہے لیکن یہ نزع موت کا سا نہیں بلکہ اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد وہ فرشتہ ہے جس کے سپرد یہ (درود شریف پہنچانے کا) کام ہوتا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ روح سے مراد مجازی طور پر نطق ہے اس کو اس طریقہ پر اس لیے تعبیر کیا تاکہ ہم سمجھ سکیں پانچواں جواب یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے معاملات میں مستغرق رہتے ہیں سو جب بھی کوئی شخص سلام کہتا ہے آپ کی توجہ اور

ذلک لاتصال الصلوٰۃ والسلام علیہ فی اقطار الارض ممن لا یحصی کثرۃ واُجیب بانّ اُمور الاخرۃ لا تدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبہ باحوال الاٰخرۃ واللہ اعلم۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲ طبع مصر)

فہم آپ کی طرف لوٹ آتا ہے تاکہ آپ سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دے سکیں اور اس حدیث میں ایک اور وجہ سے بھی اشکال وارد ہوا ہے وہ یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ کا سارا وقت ہی سلام کے جواب لوٹانے میں صرف ہو جائے کیونکہ زمین کے بیشتر اطراف سے صلوٰۃ وسلام اس کثرت سے آپ کو پہنچتا ہے جو احصاء و شمار سے باہر ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ آخرت کے معاملات عقل سے نہیں پہچانے جا سکتے اور برزخ کے معاملات احوال آخرت سے مشابہ ہیں۔ واللہ اعلم

حضرت مولانا عثمانیؒ نے فتح الباری کی یہ مکمل عبارت (فتح الملہم جلد ۱ ص ۳۳۰) میں نقل کی ہے اور علامہ السخاویؒ نے متعدد جوابات نقل کئے ہیں ایک یہ ہے :۔

واجاب البیہقیؒ بما حاصلہ ان المعنی الا وقد ردّ اللہ علیّ روحی یعنی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلّم عقب ما دفن رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ استمرت فی جسدہ صلی اللہ علیہ وسلّم لا انہا تعاد ثم تنزع ثم تعاد۔

اور امام بیہقیؒ نے جو جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر دفن کے بعد آپ کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹا دی ہے تاکہ آپ سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دیں اور پھر وہ روح آپ کے جسد اطہر میں مستقر ہے نہ یہ کہ لوٹائی جاتی ہے پھر نکالی جاتی ہے اور پھر لوٹائی جاتی ہے۔

اور دوسرا جواب یہ نقل کیا ہے :۔

قال الفاکہانیؒ وغیرہ ان نقول المراد بالروح النطق مجازاً فکانہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال الا رد اللہ الیّ نطقی وھو صلّی اللہ علیہ وسلّم حی علی الدوام لکن

امام فاکہانیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روح سے مجازاً نطق مراد ہے پس گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری طرف میرا نطق لوٹا دیتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم

لازم من حیاتہ النطق فاللہ سبحانہ وتعالیٰ یرد علیہ النطق عند سلام کل مسلّم علیہ اھ

اگرچہ دوامی طور پر زندہ ہیں لیکن حیات سے نطق لازم نہیں آتا سو اللہ تعالیٰ ہر سلام کہنے والے کے سلام کے وقت نطق کی طاقت آپ کو عطا کر دیتا ہے۔

اور ایک جواب یہ نقل کیا ہے :۔

واجاب السبکی الکبیر بجواب اٰخر حسن جداً فقال یحتمل ان یکون ردا معنویا وان تکون روحہ الشریفۃ مشتغلۃ بشہود الحضرۃ الالٰہیۃ والملاء الاعلیٰ عن ھذا العالم فاذا سلّم علیہ اقبلت روحہ الشریفۃ علیٰ ھذا العالم لیدرك سلام من یسلم علیہ ویرد علیہ (القول البدیع ص۱۲۷ طبع الہ اٰباد الھند)

اور علامہ تقی الدین سبکیؒ نے ایک اور جواب دیا ہے جو بہت عمدہ ہے وہ یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ روح کے رد سے رد معنوی مراد ہے بایں طور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی روح مبارک اس جہان سے بے نیاز ہو کر درگاہِ الٰہی اور ملاءِ اعلیٰ میں مشغول ہوتی ہے سو جب بھی کوئی شخص آپ پر سلام کہتا ہے تو آپ کی روح مبارک اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے تاکہ سلام کہنے والے کے سلام کا ادراک کر کے اس کا جواب دے سکے۔

علامہ سبکیؒ نے شفاء السقام ص۳۸ میں یہ بات بیان کی ہے اور حافظ ابن الملقنؒ (المتوفی ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ :۔

المراد برد الروح النطق لانہ صلی اللہ علیہ وسلّم حی فی قبرہ وروحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم (بحوالہ تحفۃ الذاکرین ص۲۸ للشوکانیؒ ودلیل الطالب ص۸۴۳ لنواب صدیق حسن خانؒ)

رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی روح مبارک آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح روایت میں آتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں کہ :۔

رد اللہ علیّ روحی ای رد علیّ نطقی لانہ حی ئماً وروحہ لا تفارقہ لان الانبیاء احیاء

رد روح سے مراد نطق ہے کیونکہ آپ دوامی طور پر زندہ ہیں آپ کی روح مبارک آپ سے الگ نہیں ہوتی

فی قبورھم اھ (السراج المنیر جلد ۳ ص ۲۷۸)

کیونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں

حضرت امام سیوطیؒ نے الا رد اللہ علیّ روحی کے اشکال مذکور کے پندرہ جوابات دیے ہیں جو ان کی کتاب انباہ الاذکیاء میں موجود ہیں ایک جواب یہ ہے۔

ان قوله رد الله جملة حالية وقاعدة العربية ان جملة الحال اذا وقعت فعلا ماضيا قدرت فيها قد كقوله تعالىٰ جاؤكم حصرت صدورهم اى قد حصرت وكذا هنا تقدر والجملة ماضية سابقة على السلام الواقع من كل احد وحتّٰى ليست للتعليل بل مجرد حرف عطف بمعنى الواو فصار تقدير الحديث ما من احد يسلم علیّ الا قد رد الله علیّ روحى قبل ذلك وارد عليه۔

(انباہ الاذکیاء ص ۱)

کہ رد اللہ کا جملہ حال ہے اور عربی کا قاعدہ یہ ہے کہ حال جب فعل ماضی ہو تو اس میں حرف قد مقدر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول جاؤکم حصرت صدورھم میں حرف قد مقدر ہے اور گویا عبارت یوں ہے قد حصرت اور اسی طرح اس مقام پر بھی حرف قد مقدر ہے اور یہ جملہ ہر سلام کہنے والے کے سلام سے بہر حال پہلے اور ماضی ہی ہے اور حرف حتیٰ تعلیل کے لیے نہیں بلکہ محض حرف عطف ہے جو بمعنی واؤ کے ہے اور معنی حدیث یوں ہے کہ کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں کہتا مگر اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر میری روح اس سے پہلے ہی لوٹا دی ہوتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب لوٹاتا ہوں۔

علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۱۰۶۹ھ) اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ۔

وفيه دليل على انه صلى الله عليه وسلم حى حياة مستمرة لان الكون لا يخلو من مسلم يسلم عليه فى كل لحظة و قد ثبت بالاحاديث الصحيحة انه صلى الله عليه وسلم وسائر الانبياء احياء حياة حقيقية كالشهداء وان كان حال البرزخ لا يقاس على

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوامی طور پر زندہ ہیں۔ کیونکہ کوئی علاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر لحظہ سلام کہنے والوں سے خالی نہیں اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی طرح باقی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام شہداء کی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں اگرچہ برزخ کی حالت کو

حال الدنیا الخ (نسیم الریاض ج۳ ص۲۹۹ طبع مصر)

دُنیا کی حالت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

یعنی اگر کسی شخص کو یہ زندگی سمجھ نہیں آسکتی اور وہ اس کو محسوس نہیں کر سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ زندگی ہی ثابت نہیں ہے کیونکہ برزخ کا معاملہ دُنیا کے معاملہ سے الگ ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ ما من احد یسلم علیّ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

فظاهر عقد الباب يدل على ان
المراد بالسلام عليه السلام عند القبر
وقت حضوره للزيارة الا رد الله علىّ
روحي قال ابن حجر اي نطقي حتى ارد عليه
السلام اي اقول وعليك السلام قال
القاضي لعل معناه ان روحه المقدسة
في شان ما في الحضرة الالهية فاذا بلغه
سلام احد من الامة رد الله تعالىٰ
روحه المطهرة من تلك الحالة الى رد
من سلم عليه الخ

(بذل المجهود جلد۳ ص۲۰۷)

بظاہر باب کا یوں قائم کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے زیارت کے وقت قبر کے پاس سلام کہنا مراد ہے الا رد اللہ علیّ روحی کا معنی حافظ ابنِ حجرؒ یہ کرتے ہیں کہ مجھے قوت گویائی دی جاتی ہے اور حتی ارد علیہ السلام کا معنی یہ ہے کہ میں کہوں گا وعلیک السلام قاضیؒ فرماتے ہیں کہ شاید اس کا معنیٰ یہ ہو کہ آپ کی روح مقدس اللہ تعالیٰ کے جلال اور مشاہدہ کے نظارہ میں مشغول ہوتی ہے، پس جب آپ کو اُمت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح مبارک کو اس طرف سے سلام کہنے والے کے سلام کے جواب دینے کی طرف لوٹا دیتا ہے۔

ایک شُبہ :-

ممکن ہے کسی صاحب کو یہ شبہ ہو کہ ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر میں حیات سے مُراد روحانی حیات ہو یعنی روح کی حیات اور اسی طرح ردّ سلام بھی صرف رُوح کی وساطت سے ہو اس لیے الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی حدیث اور من صلی علیّ عند قبری الحدیث جسمانی حیات پر دال نہیں ہیں اور محل نزاع تو یہ حیات ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

ولعل المراد بحديث الانبياء احياءً فی قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم فلا يرد ان الروح بنفسه يستطيع الصلوٰة ورد السلام فكيف وجه فی الحديث بذكر الحيوٰة بفعل الصلوٰة وكذا رد السلام برد الروح والله اعلم بهذه الحقائق۔

(نخبۃ الاسلام ص ۳۶)

اور شاید یہ کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون کی حدیث سے مراد یہ ہو کہ وہ اسی (دنیوی) حالت پر باقی رکھے گئے ہیں اور یہ حالت ان سے سلب نہیں کی گئی پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ روح خود بھی تو نماز پڑھنے اور سلام کا جواب دینے پر قادر ہے سو حدیث میں نماز کی ادائیگی اور اسی طرح ردّ سلام کے لیے زندگی کو ردّ روح کے ساتھ کیوں وابستہ کیا گیا ہے؟ اور ان حقائق کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ نماز کا پڑھنا اور سلام کا سُننا اور جواب دینا عقلی طور پر روح سے بھی متحقق ہو سکتا ہے مگر الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلّون اور ردّ سلام کی حدیثوں سے روح کی نماز اور روح کا ردّ سلام مراد نہیں بلکہ وہ حیات مراد ہے جو دُنیا میں تھی جس میں جسم و روح دونوں کا تعلق تھا اور یہی حالت قبر میں بھی ہے اور پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والاحاديث ارادت افعال الحيوٰة واعمالها لا بقاء الروح وهو قوله فنبي الله حيٌّ يرزق واحياء فی قبورهم يصلون تسرد فی ذكر الحيوٰة افعالها لا اصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض۔

(نخبۃ الاسلام ص ۳۶)

اور یہ احادیث بتلاتی ہیں کہ حیات سے ایسی حیات مراد ہے جس سے زندگی کے افعال و اعمال صادر ہوں صرف بقاء روح ہی مراد نہیں ہے اور اسی سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد ہے فنبی اللہ حی یرزق اور یہ ارشاد بھی کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون یہ حدیثیں حیات کے افعال کے ذکر میں بیان کی گئی ہیں نفس حیات کے بیان کے لیے نہیں ذکر کی گئیں۔ یا یہ مراد ہو حیات اجسام کے ساتھ ہے کیونکہ ان کے اجسام زمین پر حرام کر دیئے گئے ہیں۔

یعنی حیات سے مراد بقاء روح کی حیات نہیں بلکہ اعمال وافعال والی اور اجسام والی حیات مراد ہے۔

تیسری دلیل

امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہارونؒ[1] بن عبد اللہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسینؒ[2] بن علیؒ نے بیان کیا وہ عبد الرحمٰنؒ[3] بن یزیدؒ بن جابرؒ سے اور وہ ابو الاشعث[4] الصنعانیؒ سے اور وہ حضرت اوسؓ بن اوس سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ	بے شک تمہارے افضل ترین دنوں میں سے ایک
خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ	جمعہ ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے
الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ	اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اسی میں نفخہ اولیٰ

---

[1] ان کی کنیت ابو موسیٰ تھی الحمال کے لقب سے معروف تھے حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ لکھتے ہیں امام مروزیؒ نے امام احمدؒ بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ میں ان سے روایت لکھوں؟ فرمایا ہاں بخدا ابو حاتمؒ اور ابراہیمؒ الحربیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدوق تھے حربیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر جھوٹ حلال بھی ہوتا تب بھی وہ اس سے گریز کرتے امام نسائیؒ اُن کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۸ و ۹)

[2] حسین بن علی الجعفیؒ صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کوئی نہیں دیکھا ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں۔ عجلیؒ ان کو ثقہ اور صالح کہتے ہیں، ابن حبانؒ اور ابن شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں عثمانؒ بن ابی شیبہؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۵۸ و ۳۵۹)

[3] امام احمدؒ فرماتے ہیں لیس بہ بأس امام ابن معینؒ عجلیؒ ابن سعدؒ اور امام نسائیؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، یعقوبؒ بن سفیانؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو داؤد اُن کو من ثقات الناس، اور ابو بکرؒ بن ابی داؤدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں، موسیٰ بن ہارونؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں ابو حاتمؒ ان کو صدوق لا بأس بہ اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۹۸)

[4] ان کا نام شراحیل بن آدہؒ تھا۔ امام بخاریؒ اور مسلمؒ وغیرہ نے ان سے اخراج کیا ہے۔ عجلیؒ ان کو تابعی اور ثقہ کہتے ہیں۔ ابن حبانؒ کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب جلد ۴ ص ۳۱۹)

فان صلواتکم معروضۃ علیّ قال قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلواتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت فقال ان اللہ عزّوجل حرّم علی الارض اجسام الانبیاء (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۵۰) واللفظ لہ الدارمی ص ۱۹۵ والنسائی جلد ۱ ص ۱۵۴ والمستدرک جلد ۱ ص ۲۷۸ وجلد ۴ ص ۵۶ وموارد الظمآن ص ۱۴۶ وابن ماجہ ص ۷۷ وسنن الکبریٰ جلد ۳ ص ۲۴۹ وابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۶ طبع مجلس علمی)

ہوگا اور اسی میں نفخۂ ثانیہ ہوگا۔ سو تم جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح ہمارا درود آپ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے، آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد حرام کر دیئے ہیں (یعنی زمین ان کو نہیں کھاتی)

محدّث ابن حبانؒ کی سند یوں ہے اخبرنا محمد بن اسحاق بن خزیمۃ حدثنا ابوکریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوسؓ الخ (موارد الظمآن ص ۱۴۶) اور امام ابونعیم اصبہانیؒ (المتوفی ۴۳۰ھ) کی سند میں بھی عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الخ ہے (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۹۶)

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس حدیث کو بخاری کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور یہ حدیث امام حاکمؒ نے مستدرک جلد ۴ ص ۵۶ میں بھی اسی سند سے روایت کی ہے اور وہاں امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کو بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ، دارقطنیؒ اور نوویؒ نے صحیح کہا ہے (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ (فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۹) اس کی ابن خزیمہؒ وغیرہ نے تصحیح کی ہے

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے بالاسانید الصحیحۃ حضرت اوس بن اوسؓ سے یہ روایت کی ہے (کتاب الاذکار ص ۱۰۶ طبع مصر)

علامہ ابن عبد الہادیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اس کے سب راوی صدق وامانت اور ثقاہت وعدالت میں مشہور ہیں اور اسی واسطے حفاظ حدیث کی ایک

بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے مثلاً امام ابن حبانؒ، حافظ عبد الغنی المقدسیؒ اور ابن دحیہؒ وغیرہ اور کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اس حدیث پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو۔

(الصارم المنکی ص۱۷۴ طبع مصر)

حافظ ابن حجرؒ اس کو حدیث صحیح کہتے ہیں :۔ (فتح الباری پ۲۶ ص۵۸)

حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں :۔

ومن تامّل فی ھذا الاسناد لم یشك	جو شخص بھی اس کی اسناد میں تامل کرے گا تو
فی صحتہ لثقة رواتہ وشھرتھم و	اس کو اس کی صحت میں کوئی شخص نہیں ہو سکتا،
قبول الائمة حدیثھم اھ	کیونکہ اس کے تمام راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور آئمہ کرامؒ
(جلاء الافہام ص۳۶)	نے ان کی حدیثیں قبول کی ہیں۔

اور یہی الفاظ اس مقام پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الصارم المنکی ص۴۵)

اور علامہ عینیؒ لکھتے ہیں کہ صح عنہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ان الارض لا تأکل اجساد الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسّلام (عمدۃ القاری ج۶ ص۶۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے' آپ نے فرمایا کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔

اور حافظ ابن القیمؒ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

قد صح عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے صحت کے ساتھ یہ ثابت
الارض لا تأکل اجساد الانبیاء اھ	ہو چکا ہے' آپ نے فرمایا کہ زمین حضرات انبیاء کرام علیہم
(کتاب الروح)	السّلام کے اجساد کو نہیں کھاتی۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے انہ حسن (القول البدیع ص۱۱۹)

علامہ عبد الغنی النابلسیؒ اس کو حسن صحیح سے تعبیر کرتے ہیں (ترجمان السنۃ ج۳ ص۲۹۷، والقول البدیع ص۱۱۹)

اور شیخ عبد الحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید در روز جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوٰۃ شما

معروض مے گردد بر من ایں جا معلوم می شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی دنیاوی است نہ بمجرد بقائے ارواح الخ (مدارج النبوت ج۲ ص۹۲)

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:۔

فانہ صح عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عزّوجلّ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء (رواہ ابوداؤد۔ خزائن الاسرار ص۱۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسموں کو کھائے۔

مولانا عثمانیؒ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

وھو حی فی قبرہ الشریف ولحوم الانبیاء حرام علی الارض کما ورد بہ الاثر اھ (فتح الملہم ج۲ ص۴۹۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسم زمین پر حرام ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

اصول حدیث کے رُو سے یہ روایت بھی بالکل صحیح ہے اور اس میں کوئی شک اور شُبہ نہیں۔

اعتراض

بعض حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی عبد الرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ نہیں (جو ثقہ ہے) بلکہ یہ عبد الرحمٰن بن یزیدؒ بن تمیمؒ ہے جو منکر الحدیث ہے۔ (التاریخ الکبیر ج۳ قسم اول ص۳۶۵ اور التاریخ الصغیر ص۱۷۹ محصلہ) اور امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن تمیمؒ ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت منکر ہے (علل الحدیث لابن ابی حاتم ج۱ ص۱۹۷) اور علّامہ منذریؒ نے بھی اس علّت دقیقہ کا ذکر کیا ہے (الترغیب والترہیب ج۱ ص۱۲۹ ومختصر سنن ابی داؤد ج۲ ص۴) اور علّامہ سبکیؒ اور امام سخاویؒ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے (شفاء السقام ص۳۵ والقول البدیع ص۱۱۹) اور اسی بناء پر قاضی ابوبکر بن العربی المالکیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں ان الحدیث لا یثبت (بحوالہ نیل الاوطار ج۳ ص۲۶۳) کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

الجواب: عقل مندوں کا یہ مشہور مقولہ ہے کہ ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوارِ کج

کہ عمارت کی جب پہلی اینٹ ہی ٹیڑھی ہو تو اس پر جو عمارت بھی استوار کی جائے گی وہ تا ثریا کج ہی چلی جائے گی۔ اور یہ شعر اور محاورہ اس اعتراض پر پورا صادق آتا ہے اس حدیث کا جو راوی ہے وہ عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ ہے نہ کہ عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن تمیمؒ۔ اولاً اس لیے کہ جن کتابوں کے ہم نے پہلے حوالے درج کیے ہیں، ان تمام میں ابنِ جابرؒ کی تصریح ہے وثانیاً امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ اس سند کو ایک مقام پر امام بخاریؒ کی شرط پر اور دوسرے مقام پر امام بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں کی شرط پر صحیح کہتے ہیں اور عبدالرحمٰنؒ بن یزید بن جابرؒ تو بخاریؒ اور مسلمؒ کے راوی ہیں لیکن ابن تمیم نہیں اور متعدد محدثین نے ابو حاتمؒ وغیرہ کا رد کیا ہے چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان حسين بن علي الجعفي قد صرّح بسماعه له من عبد الرحمٰن بن يزيد بن جابر قال ابن حبان في صحيحه ثنا ابن خزيمة ثنا ابو كريب ثنا حسين بن علي ثنا عبد الرحمٰن بن يزيد بن جابر فصرح بالسماع منه وقولهم انه ظن انه ابن جابر وانما هو ابن تميم فغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشتبه على حسين هذا بهذا مع نقده وعلمه بهما وسماعه منهما اھ۔

(جلاء الافہام ص۳۷ طبع مصر)

حسینؒ بن علی الجعفیؒ نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت انہوں نے عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ سے سنی ہے چنانچہ ابنِ حبانؒ اپنی صحیح میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ابن خزیمہؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو کریبؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے حسینؒ بن علیؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن یزیدؒ بن جابرؒ نے بیان کیا تو اس سند میں انہوں نے ان سے سماع کی تصریح کی ہے رہا معترضین کا یہ قول کہ عبدالرحمٰن کے دادا ابن جابرؒ نہیں حسینؒ سے غلطی واقع ہو گئی ہے کہ ابنِ تمیمؒ کا انہوں نے ابن جابر بنا دیا ہے تو یہ بہت بعید سی بات ہے حسینؒ بن علیؒ پر اس میں کوئی اشتباہ نہ تھا وہ تنقید کی اہلیت بھی رکھتے تھے اور دونوں کو بخوبی جانتے بھی تھے اور دونوں سے سماعت بھی کی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس اعتراض کا خوب رد کیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری پ ۲۶ ص ۵۸ اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی اس کا رد کیا ہے (دیکھئے جلاء الافہام ص ۴۶ و تہذیب سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۵۴ طبع مصر)

حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال ابن دحیۃ انہ صحیح بنقل العدل	محدث ابن دحیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے
عن العدل ومن قال انہ منکر او	کیونکہ عادل راویوں نے عادل راویوں سے یہ نقل
غریب بعلۃ خفیۃ فقد استروح	کی ہے جس نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث علت خفیہ
لان الدارقطنی ردہا اھ	کی وجہ سے منکر یا غریب ہے تو اس نے بالکل کچی بات
(مرقات ج ۲ ص ۲۱ طبع مصر)	کی ہے امام دارقطنیؒ نے اس کا خوب رد کیا ہے۔

اور امام سخاویؒ اس علت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

لکن قد رد ہذہ العلۃ الدارقطنی وقال ان	لیکن اس علت کو امام دارقطنیؒ نے رد کیا ہے اور
سماع حبین من ابن جابر ثابت والی ہذا	فرمایا ہے کہ حبینؒ کا ابن جابرؒ سے سماع ثابت ہے،
جنح الخطیب اھ (القول البدیع ص ۱۱۹)	اور اسی تحقیق کی طرف علامہ خطیبؒ مائل ہوئے ہیں۔

وخامسًا مولانا سید احمد حسن صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وللحدیث طرق جمعہا المنذری فی	اس حدیث کے کئی طرق ہیں جن کو امام منذریؒ نے
جزء فتعدد الطرق یشد بعضہا بعضا۔	ایک جزء میں جمع کر دیا ہے سو تعدد طرق ایک دوسرے
(تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۲۵۵)	کی تقویت کرتے ہیں۔

اور امام منذریؒ نے الترغیب والترہیب اور مختصر سنن ابی داؤد میں اس کا ذکر کیا ہے کہ میں نے ایک جزء میں اس حدیث کے طرق جمع کر دیئے ہیں۔

الغرض امام ابوداؤدؒ، نسائیؒ، ابن حبانؒ۔ بیہقیؒ۔ حاکمؒ۔ ذہبیؒ، ابن خزیمہؒ، امام نوویؒ، ابن القیمؒ، دارقطنیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ سبھی اس راوی کو عبدالرحمٰنؒ بن یزیدؒ بن جابرؒ ہی نقل کرتے ہیں اور اس روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، اندریں حالات اس روایت کی صحت پر کلام کرنا بالکل غلط ہے اس روائتی تحقیق کے بعد اس حدیث کا درائتی پہلو بھی ملاحظہ کیجئے جو امور اس صحیح حدیث سے

بلا کسی ضم ضمیمہ کے حاصل ہوتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر زندگی میں درود شریف پیش ہوتا رہا چنانچہ آپ کے یہ الفاظ صراحت کے ساتھ اس پر دال ہیں کہ جمعہ کے دن

فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فان صلواتکم معروضۃ علیّ	تم مجھ پر بکثرت درود پڑھو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

درود شریف کا یہ عرض جسم اطہر اور روح مبارک دونوں سے وابستہ ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سہارنپوری لکھتے ہیں کہ:۔

اور اس حدیث پاک میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک پر پیش ہوتا ہے اھ (فضائل درود ص۳۷) اور اس عرض میں حضرات صحابہ کرامؓ کو کوئی اشکال پیش نہیں آیا رہی اس عرض کی کیفیت تو اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ہی بہتر جانتے تھے ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں۔

۲۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو یہ اشکال پیش آیا کہ زندگی میں تو روح اور جسد دونوں کا تعلق ہے اور اس دور میں درود کے پیش ہونے پر تو کوئی اشکال نہیں لیکن جب آپ کی وفات ہو چکے گی تو اس کے بعد درود کیونکر پیش کیا جائے گا؟ آیا صرف روح مبارک پر پیش ہو گا؟ یا صرف جسد اطہر پر؟ یا دونوں پر؟ عقلی طور پر اس کی کئی صورتیں سامنے آسکتی ہیں مگر حضرات صحابہ کرامؓ کو محض روح مبارک پر درود شریف پیش ہونے کا کوئی شبہ نہ تھا اور نہ وہ تنہا روح مبارک پر درود شریف پیش ہونے کے حق میں تھے جبھی تو وہ یہ سوال کر رہے ہیں کہ:۔

قالوا یارسول اللہ وکیف نعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت	یارسول اللہ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو (معاذ اللہ) خاک ہو چکے ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے نزدیک آپ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہونے میں آپ کے جسد اطہر کو اولین درجہ حاصل ہے اور اس کے (العیاذ باللہ) بوسیدہ ہونے سے اس عرض کے سلسلہ میں ان کے اذہان وقلوب میں اشکال پیدا ہوا، اگر درود شریف کا تعلق آپ کے

جسدِ اطہر کے ساتھ نہ ہوتا تو آپؐ پہلے صحابہ کرامؓ کے اس نظریہ کی تردید فرماتے کہ جسد کا کیا سوال ہے درود شریف تو روح پر پیش کیا جاتا ہے، مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا بلکہ صحابہ کرامؓ کے اس نظریہ کی پوری تائید فرمائی ہے کہ درود شریف کا تعلق آپؐ کے جسدِ اطہر کے ساتھ بھی باقاعدہ وابستہ ہے اور یہ تائید صرف دلالۃً ہی نہیں بلکہ صراحۃً ہے چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ:-

ان اللہ عزّ وجلّ حرّم علی الارض اجساد الانبیاء

اللہ تعالیٰ نے زمین پر حضرات انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجسام حرام کر دیئے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ درود شریف کے پیش ہونے میں جسدِ اطہر کا پورا دخل ہے کیونکہ آپؐ کا یہ ارشاد صحابہ کرامؓ کے اس سوال کے بعد وارد ہوا ہے کہ ہمارا درود آپؐ پر جب کہ آپؐ معاذ اللہ خاک ہو چکے ہوں گے کیونکر پیش کیا جائے گا؟ اور اس میں محض بے حسّ اور لاشعور جسم کا سوال نہیں بلکہ ایسے جسمِ اطہر کا سوال ہے جس پر درود شریف پیش ہو سکے اور روح کے بغیر یہ ہرگز ممکن نہیں ہے اس سے بڑھ کر حیاتِ جسمانی کی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟ لیکن چونکہ یہ حیات فی القبر برزخی بھی ہے لہٰذا اس جہان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا، اور نہ ان کو حس و حرکت محسوس ہو سکتی ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ حیاتِ دنیوی کا یہ مطلب ہے کہ روح مبارک کا تعلق دنیوی بدن سے ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے حیات ہے لہٰذا بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ بر تقدیر تسلیم یہ احادیث صحیح بھی ہوں تو ان سے دنیوی زندگی ثابت نہیں ہوتی الخ غفلت پر مبنی ہے۔

۳- اگر درود شریف کا یہ عرض جسد عنصری پر نہ ہوتا بلکہ جسدِ مثالی پر ہوتا تو حضرات صحابہ کرامؓ کو کبھی اشکال پیش نہ آتا کیونکہ جسدِ مثالی کے خاک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا خاک ہونے اور بوسیدہ ہونے کا احتمال بلکہ بیقین تو جسدِ عنصری اور جسمِ خاکی ہی سے وابستہ ہو سکتا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قبر مبارک میں عرض صلوٰۃ و سلام کا آپؐ کے جسدِ عنصری کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے اور پھر وہ حدیثیں جن میں آپؐ سلام کہنے والوں کو جواب دیتے ہیں اور عند القبر صلوٰۃ و سلام کا بلاواسطہ سماع فرماتے ہیں جس کی تحقیق انشاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی اس پر مستزاد ہیں۔ غرضیکہ اس صحیح حدیث کے اندرونی اور بیرونی قرائن واضح طور پر اس امر کو ثابت

کر رہے ہیں کہ آپ کی روح مبارک کا جسدِ اطہر کے ساتھ تعلق ہے اور اس تعلق کی وجہ سے آپ پر درود شریف پیش ہوتا ہے اور اسی تعلق سے آپ جواب دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ومعلوم بالضرورة ان جسده صلی اللہ علیہ وسلم فی الارض طری مطراً وقد سألہ الصحابةؓ کیف تعرض صلواتنا علیك وقد ارمت فقال ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولولم یکن جسدہٗ فی ضریحہ لما اجاب بھذا الجواب الخ (کتاب الروح ص۵۴)

اور بداہتہً معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک بالکل تر و تازہ زمین میں موجود ہے اور صحابہ کرامؓ نے آپ سے پوچھا کہ ہمارا درود آپؐ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے (معاذ اللہ) تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے اجسام کو کھائے اگر آپ کا جسم مبارک قبر میں نہ ہوتا تو آپ یہ جواب ہرگز نہ دیتے۔

یعنی اگر عرض صلوٰۃ میں آپ کے جسم مبارک کا دخل نہ ہوتا تو آپ صحابہ کرامؓ کو یہ جواب نہ دیتے حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

ان الصحابةؓ سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقادھم بانہ کائن لامحالة لقول الصادق ر فعا للاشتباہ ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کجسد کل احد فکفی فی الجواب ما قالہ علی وجہ الصواب (ھامش ابوداؤد ج۱ ص۱۵۷)

صحابہ کرامؓ نے اس یقین کے بعد کہ لامحالہ آپ پر درود تو پیش کیا جاتا ہے کیونکہ صادق کا فرمان ہے محض اپنے شک کو دور کرنے کے لیے اس عرضِ صلوٰۃ کی کیفیت دریافت کی کہ آیا وہ صرف روح مبارک پر پیش کیا جاتا ہے یا روح پر جو جسم سے متصل ہو؟ اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ عام لوگوں کی طرح آپ کے جسدِ اطہر کو بھی مٹی کھا جائے گی۔ اس سوال کا جو جواب آپ نے دیا وہ معقول اور درست طریقہ سے ان کے شبہ کے ازالہ کے لیے کافی تھا۔

اس عبارت کا مطلب بھی روشن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض صلوٰۃ کے سلسلہ میں جسدِ اطہر سے صرفِ نظر نہیں فرمائی بلکہ درود شریف کے سلسلہ میں جسم

مبارک اور روح اطہر دونوں کو ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

قال ای رسول اللہ صلی علیہ وسلم ان اللہ حرم علی الارض ای منعہا فیہ مبالغۃ لطیفۃ اجسام الانبیاء ای ان تاکلہا فان الانبیاء احیاء فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورہم فیمکن لہم سماع من سلم علیہم اھ (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے یعنی اس کو روک دیا ہے (اور اس میں لطیف مبالغہ ہے) کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے جسموں کو وہ کھائے کیونکہ وہ زندہ ہیں پس جواب کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں تو ان کے لئے ممکن ہے کہ جو شخص بھی سلام عرض کرے وہ اس کو سُنیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:۔

ان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذلک من البعید۔ (مناسک الحج ص ۸۳ طبع دھلی)

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کا گوشت کھائے پس آپ نے خبر دی ہے کہ آپ قریب سے صلوٰۃ وسلام خود سُنتے ہیں اور دُور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ابو عتیق عبد الہادی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ظاہرہ یدل علی ان روحہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی جسد الاطہر بل اذا سلم علیہ احد عند القبر وقت حضورہ للزیادۃ رد اللہ روحہ فیہ وھو ینافی حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم مع انہم اتفقوا علی حیاتہ صلی اللہ

یہ حدیث بظاہر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک جسد اطہر میں نہیں ہوتی بلکہ جب بھی کوئی شخص آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہو کر قبر مبارک کے پاس سلام کہتا ہے تو اس وقت آپ کی روح مبارک آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ مطلب تو آپ کی حیات کے منافی ہے حالانکہ سب کا اتفاق ہے

علیہ وسلم بل حیاۃ الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام متفق علیہا لا اختلاف لاحد فیہ فقال الحافظ معناہ ردّ اللہ علیّ نطقی اھ

(انوار المحمود ج۱ ص۶۱)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں بلکہ تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات ایک اتفاقی امر ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اس اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ردِّ روح سے مراد ردِّ نطق ہے۔

ان تمام اقتباسات سے معلوم ہوا کہ محدثین کرامؒ نے اس صحیح حدیث پر وارد ہونے والے اشکال کے کئی جوابات دیئے ہیں ان میں سے جو جواب بھی کسی کو پسند آئے قبول کرلے اور اس صحیح حدیث کے پیش نظر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ثابت ہے اور اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

چوتھی دلیل

امام ابن[1] ماجہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عمرو بن سواد[2] المصری نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد اللہ[3] بن وہب نے بیان کیا وہ عمرو[4] بن الحارث سے اور وہ سعید[5] بن ابی ہلال

---

[1] ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہؒ المتوفی ۲۷۳ھ جو الحافظ الکبیر اور المفسر تھے (تذکرہ ج۲ ص۱۸۹) [2] ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، ابن حبانؒ ثقات میں لکھتے ہیں خطیبؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابن یونسؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں نسائیؒ ان کو لا بأس بہ کہتے ہیں مسلمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں حاکمؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص۴۶) [3] یہ صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں ایک لاکھ حدیث انہوں نے بیان کی ہے ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے ابو حاتمؒ ان کو صالح الحدیث اور صدوق کہتے ہیں، ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر العلم کہتے ہیں عجلیؒ ان کو ثقہ صاحب سنۃ اور رجل صالح کہتے ہیں، ابن عدیؒ ان کو من اجلۃ الناس وثقاتہم کہتے ہیں، نسائیؒ ان کو لا بأس بہ اور ثقہ کہتے ہیں ساجیؒ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں خلیلیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متفق علیہ تھے (تہذیب التہذیب ج۶ ص۷۱، ۷۳ و ۷۴) [4] ان کی کنیت ابو امیہ تھی الانصاری اور المدنی نسبت ہے امام ابن معینؒ، ابو زرعہؒ، نسائیؒ، عجلیؒ، ابن سعدؒ اور دیگر بے شمار محدثین (غیر واحد) ان کو ثقہ کہتے ہیں خطیبؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں من الحفاظ المتقنین لکھتے ہیں ساجیؒ ان کو صدوق اور ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۸ ص۱۶) [5] ابو العلاء کنیت اور اللیثی المصری نسبت تھی، صحاح ستہ کے راوی ہیں، ابن سعدؒ، عجلیؒ، ابن خزیمہؒ، دارقطنیؒ، بیہقیؒ، خطیبؒ

(باقی صفحہ آئندہ)

سے اور وہ زیدؓ[1] بن ایمن سے اور وہ عبادہؒ[2] بن نسی سے اور وہ حضرت ابو الدرداءؓ[3] سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:-

اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشہدہ الملئکۃ وان احدًا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوٰتہ حتّٰی یفرغ منہا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرّم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔

(ابن ماجہ ص۱۱۹)

جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود پڑھا کرو کیونکہ وہ دن حاضری کا ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں مجھ پر کوئی شخص درود نہیں پڑھتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے حتّٰی کہ وہ اس سے فارغ ہو میں نے کہا وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا؟ فرمایا کہ ہاں وفات کے بعد بھی پیش کیا جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کرام علیہم السّلام کے اجسام طیبہ کو کھائے سو اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق ملتا ہے

حافظ منذریؒ فرماتے ہیں۔ اسنادہ جید (ترجمان السنۃ ج۳ ص۲۹۷) کہ اس کی سند جید

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اور ابن عبد البرؒ وغیرہ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو حاتمؒ لا باس بہ اور ساجیؒ صدوق کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۲ ص۹۵) ابن حزمؒ نے ان کو لیس بالقوی کہا ہے لیکن یہ جرح مبہم ہے جس کا اعتبار نہیں امام احمدؒ نے ان کو مختلط کہا ہے مگر صحاح ستہ کے مصنفینؒ نے ان کی روایت لی ہے اور ان پر اختلاط کے الزام کو درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ انکی تحقیق میں وہ مختلط نہ تھے یا بقول ابن الصلاحؒ صحیحین (وغیرہما) کی روایات ثروات کے اختلاط سے قبل کی ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص۳۵۷)

[1] ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ اس کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں رواتہ ثقات (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸) امام ابن حبانؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا ان کو ثقہ کہنے کے بعد علامہ ابن الہادیؒ کا الصارم المنکی ص۱۷ میں ان کو مجہول الحال کہنا کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ محدثینؒ کا قاعدہ یہ ہے من عرف حجۃ علی من لم یعرف

[2] ابن سعدؒ۔ امام احمدؒ ابن معینؒ، عجلیؒ اور نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، ابو حاتمؒ اور ابن خراشؒ لا بأس بہ کہتے ہیں، ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، ابن نمیرؒ ان کی توثیق کرتے ہیں الخ (تہذیب ج۵ ص۱۱۴)

[3] حضرت ابو الدرداءؓ کا نام عویمرؓ بن یزید تھا۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ علامہ ذہبی ان کو الامام الربانی لکھتے ہیں اور ان کو حکیم الامت بھی کہتے تھے اہل الشام اور دمشق کے عالم، فقیہ، قاری، مفتی اور قاضی تھے (تذکرہ ج۱ ص۲۳ و ۲۴)۔

اور کھری ہے۔ علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں ورجالہ ثقات (السراج المنیر ج۱ ص۲۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں قال الدمیری رجالہ ثقات (فیض القدیر ج۲ ص۵۶) کہ دمیریؒ فرماتے ہیں اس کے راوی ثقہ ہیں اور علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں۔ رواہ ابن ماجہ برجال ثقات (زرقانی شرح مواہب ج۵ ص۳۳۶)

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت رجالہ ثقات (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸)

میں کہتا ہوں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اور علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواہ ابن ماجۃ باسناد جید (خلاصۃ الوفاء ص۴۸)

امام ابن ماجہؒ نے اس کو جید سند سے روایت کیا ہے

اور حضرت ملا علی القاریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

باسناد جید نقلہ میرک عن المنذریؒ ولہ طرق کثیرۃ (مرقات ج۲ ص۱۱۲)

اس کی سند جید ہے، محدث میرکؒ نے امام منذریؒ سے اس کو نقل کیا ہے اور اس کے طرق بہت ہیں

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وقد اخرج ابن ماجۃ باسناد جید الخ (نیل الاوطار ج۳ ص۲۶۴)

امام ابن ماجہؒ نے جید سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔

مولانا شمس الحق صاحب عظیم آبادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

باسناد جید (عون المعبود ج۱ ص۵۰۴)

اس کی سند جید اور کھری ہے۔

ان تمام حوالوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند جید اور کھری ہے اور محدثین کرامؒ کا جم غفیر جید کہہ کر اس حدیث کی تصحیح کرتا ہے۔

اعتراض

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ زید بن ایمنؒ کی عبادہ بن نسیؒ سے روایت مرسل ہے (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸) امام بخاریؒ نے یہ بات اپنی کتاب التاریخ الکبیر ج۲ ص۳۵۴ قسم اول طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد) میں فرمائی ہے۔ اور امام سخاویؒ فرماتے ہیں:۔

ورجاله ثقات لكنه منقطع (القول البديع ص۱۱۹) کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر سند منقطع ہے

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بخاریؒ نے فرمایا کہ زیدؒ بن ایمنؒ کی عُبادہؒ بن نُسَیّؒ سے روایت مرسل ہے (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸)

علامہ عراقیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے الخ (نیل الاوطار ج۳ ص۲۶۳) اور بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ فنبی اللہ حیّ یرزق کا جملہ راوی کا مدرج ہے، یہ مرفوع روایت کا حصہ نہیں ہے لہذا یہ روایت مخدوش ہے۔

الجواب:۔ یہ اعتراض چنداں وقعت نہیں رکھتا اولاً اس لیے کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ باحوالہ یہ بحث آرہی ہے کہ اصول حدیث کے رُو سے صحیح اور جیّد کا ایک ہی درجہ ہے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا اتصال بھی ضروری ہوتا ہے اس لحاظ سے جن حضرات نے اس کو جیّد کہا ہے۔ گویا ان کے نزدیک اس کا اتصال بھی ثابت ہے اور حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ زیدؒ بن ایمنؒ، عبادۃؒ بن نسیؒ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے سعیدؒ بن ابی ہلالؒ راوی ہیں (تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹۸) (حاشیہ علامہ سندھی بر ابن ماجہ ج۲ ص۵۲ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبادہؒ بن نُسَیّؒ کی ابوالدرداءؓ سے روایت مرسل ہے لیکن یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب ج۵ ص۱۱۳ میں تصریح فرمائی ہے کہ عبادہؒ بن نسیؒ حضرت ابوالدرداءؓ سے براہ راست روایت کرتے ہیں) خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اس حدیث کے مرسل اور منقطع تسلیم کرنے میں حضرت امام بخاریؒ وغیرہ کا ساتھ نہیں دیا اور حق جمہور ہی کے ساتھ ہے۔

نوٹ:۔ علامہ عراقی نے اس روایت کے بارے میں لا یصح نہیں فرمایا جیسا کہ نیل الاوطار کے حوالہ سے مؤلف ندائے حق نے ص۸۹ میں دھوکا کھایا ہے اسی طرح قاضی ابوبکر بن العربیؒ نے بھی اس روایت کے بارے ان الحدیث لا یثبت نہیں فرمایا جیسا کہ نیل کے حوالہ سے اسی صفحہ میں مؤلف مذکور نے مغالطہ دیا ہے قاضی ابن العربیؒ کا یہ ارشاد حضرت اوسؓ بن اوسؓ کی روایت کے بارے میں ہے جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ثانیاً اگر یہ روایت مرسل بھی ہو (بعض محدثین کرامؒ نے مرسل اور منقطع میں فرق کیا ہے۔ لیکن

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بات جس کی طرف فقہاء کرامؒ علامہ خطیب بغدادیؒ امام ابن عبد البرؒ اور دیگر محدثین کرام گئے ہیں، یہ ہے کہ مرسل اور منقطع ایک ہی ہے محصلہ تدریب الراوی ص۱۲۶ و ۱۲۷) تب بھی مُرسل روایت سے اصول حدیث کے رُو سے ترجیح اور تفسیر درست ہے، چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

والترجیح بالمرسل جائز (تدریب الراوی ص۱۲۱)

مرسل سے ترجیح جائز ہے

اور مولانا عثمانیؒ تدریب الراوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

قال شیخ الاسلام والمرسل یفسر المتصل (مقدمہ فتح الملہم ص۲۵)

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مرسل روایت سے متصل روایت کی تفسیر کی جا سکتی ہے۔

اور حدیث فنبی اللہ حی یرزق ان روایات کی تفسیر ہے جن میں رزق دیئے جانے کے بغیر حیات کا ذکر آتا ہے چنانچہ دلیل ۳ میں حضرت اوسؓ بن اوس کی جو روایت نقل کی جا چکی ہے اس میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد طیبہ کی حفاظت کا ذکر اور درود شریف کے سلسلہ میں روح مبارک کے جسد اطہر سے تعلق کا تذکرہ تھا لیکن اس میں یہ احتمال ہو سکتا ہے (گو کمزور ہی سہی) کہ یہ داخلی تعلق نہ ہو بلکہ خارجی تعلق ہو کہ وہاں ایسی حیات ہی نہ ہو جس میں کسی قسم کے رزق کی ضرورت پیش آتی اور حضرت ابو الدرداءؓ کی یہ مرسل روایت اس کی تفسیر اور حیات کے اس معنی کو ترجیح دینے کے لیے کافی ہے کہ یہ تعلق حیات کا ہے اور اس میں باقاعدہ شایان شان رزق بھی ملتا ہے۔ فنبی اللہ حی یرزق لہٰذا اصولِ حدیث کے رُو سے یہ روایت مرجّح اور مفسّر ہے وثالثاً جو حضرات مرسل سے احتجاج کے قائل نہیں وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ مرسل معتضد حجت ہے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۱۲ اور مقدمہ نووی ص۱۷ وغیرہ) اور اس حدیث کی تقویت اور اعتضاد کے لیے علاوہ سابق پیش کردہ اور آئندہ عرض کی جانے والی احادیث کے اجماع امت مؤید ہے اس لیے یہ روایت قابل استدلال ہے علاوہ ازیں یہ روایت دوسری روایتوں کے لیے شاہد ہے چنانچہ علامہ ابن الہادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وھذا الحدیث وان کان فی اسنادہ شئ فھو شاھد لغیرہ وعاضد لہ واللہ اعلم۔ (الصارم ص۱۷۸)

اور اس حدیث کی سند میں اگرچہ کچھ تھوڑا سا ضعف ہے مگر یہ دوسری روایات کے لیے شاہد اور باعث تقویت ہے۔ واللہ اعلم۔

ورابعاً محدثین کرامؒ کا یہ ضابطہ ہے کہ جو جملہ حدیث کے ساتھ ہو وہ متصل ہی مانا جائے گا اور محض احتمال سے ادراج ثابت نہیں ہو سکتا (فتح الباری ج ۱۱ ص ۳۲۵) اور ادراج کے اثبات کے لیے محدثین کرامؒ نے جو قواعد بیان فرمائے ہیں وہ یہ ہیں:۔

ویدرک ذلک بوروده منفصلاً فی روایة اخرٰی او بالتنصیص علیٰ ذلک من الراوی او بعض الائمة المطلعین او باستحالة کونه صلی اللہ علیه وسلم یقول ذلک (تدریب الراوی ص ۱۷۳)

اور اس ادراج کا علم اس طرح ہوتا ہے کہ مدرج حصہ کسی دوسری روایت میں الگ آیا ہو یا راوی صراحت سے بیان کرے کہ یہ مدرج ہے یا اطلاع پانے والے اماموں میں سے کوئی اس کی تصریح کرے یا اس قول کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونا محال ہو

لیکن ان میں سے ایک بات بھی اس کے مدرج ہونے پر ثابت نہیں بلکہ آخری بات اس کے مدرج نہ ہونے کی روشن دلیل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الانبیاء احیاء فرما کر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات ثابت فرما دی ہے تو پھر فنبی اللہ حیّ یرزق کا ارشاد آپ سے محال کیوں ہوگا؟

وخامساً: اگر اس کو مدرج بھی تسلیم کر لیا جائے کہ راویوں میں سے کسی نے حدیث کے سابق حصہ کا مطلب اور مراد سمجھ کر اس کو اپنی طرف سے بطور تفسیر کے بڑھا دیا ہے تب بھی یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ اصول حدیث کا یہ قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب بہ نسبت دوسروں کے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ امیر یمانی محمد بن اسمٰعیل الصنعانیؒ (المتوفی ۱۱۸۲ھ) لکھتے ہیں:

وراوی الحدیث اعرف بالمراد به من غیره (سبل السلام ج ۱ ص ۱۲۶ طبع مصر)

کہ حدیث کا راوی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔

اور مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقد تقرر ان راوی الحدیث ادرای بمراد الحدیث من غیره اھ (تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۲۵۷)

اور بلاشبہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی حدیث کی مراد کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔

لہٰذا اگر یہ حصّہ مدرج بھی ہو تب بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیات بابرکات برزخیہ سے استدلال درست اور صحیح ہے، کیونکہ راوی حدیث نے اس سے یہی مطلب سمجھا ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں و نبی اللہ حیٌّ یرزق اھ (ھدایۃ الشیعہ ص ۳۶)

اور حضرت مولانا تھانویؒ، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

پس آپ کا زندہ رہنا بھی قبر شریف میں ثابت ہوا اور یہ رزق اُس عالم کے مناسب ہوتا ہے اور گو شہداء کے لیے بھی حیات اور مرزوقیت وارد ہے مگر انبیاء علیہم السلام میں اُن سے اکمل و اقویٰ ہے (نشر الطیب ص ۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ اکابر بھی اس جملہ کو حدیث کا حصہ اور صحیح تسلیم کرتے ہوئے اس سے استدلال و استخراج کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل

امام نسائیؒ[۱] فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الوہابؒ[۲] بن عبد الحکم الورّاقؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے معاذؒ[۳] بن معاذؒ نے بیان کیا وہ سفیانؒ[۴] بن سعید (ثوریؒ) سے اور وہ عبیداللہ[۵] بن سائبؒ سے اور وہ زاذانؒ[۶] سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں، کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:۔

ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلّغونی من امتی السّلام (نسائی ج ۱ ص ۱۴۳ مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۱ ص ۴۵۲ وابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۵۱۷ طبع مجلس علمی) دارمی

بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو زمین میں گھومتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

موارد الظمآن ص ۵۹۴ مشکوٰۃ ص ۸۶ اور البدایۃ والنہایہ ج ۱ ص ۲۵۴ الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳ وخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸۰ و

---

[۱] امام نسائیؒ سے سفیان ثوریؒ تک سند ذیل ہے دوسرا طریق یوں ہے اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع وعبد الرزاق عن سفیان اھ اور یہ جملہ حضرات ثقہ اور ثبت اور علم حدیث کے مسلّم امام ہیں تاہم پہلی سند کے رُوات کی توثیق ملاحظہ ہو [۲] عبد الوہاب ثقہ تھے (تقریب ص ۲۴۹) [۳] معاذ بن معاذ ثقہ اور متقن تھے (تقریب ص ۳۵۷) [۴] ثقہ حافظ فقیہ عابد امام اور حجت تھے (تقریب ص ۱۵۱) [۵] ثقہ تھے (تقریب ص ۲۰۱) [۶] زاذانؒ کا ترجمہ ص ۱۰۹ و ص ۱۱۷ میں گذر چکا ہے

تحریرات حدیث ص۲۱۱) علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ نے صحیح سند سے یہ روایت نقل کی ہے (وفاء الوفا ج۲ ص۴۰۴)

اور علامہ ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ امام نسائیؒ اور اسماعیل القاضیؒ وغیرہ نے مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔ (الصارم المنکی ص۱۶۵)

علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں حدیث صحیح (السراج المنیر ج۱ ص۵۱۸) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج۹ ص۲۴) کہ محدث بزارؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔ اور یہ روایت مستدرک ج۲ ص۴۲۱ میں بھی مروی ہے قال الحاکم والذہبی صحیح امام حاکمؒ اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواہ احمد والنسائی والدارمی وابو نعیم	امام احمدؒ۔ نسائیؒ۔ دارمیؒ۔ ابو نعیمؒ۔ بیہقیؒ۔ خلعیؒ
والبیہقی والخلعی وابن حبان والحاکم	ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور
فی صحیحیہما وقال صحیح الاسناد۔	حاکمؒ کہتے ہیں کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔
(القول البدیع ص۱۱۵)	

اور حضرت شاہ عبد العزیزؒ صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ

نزد احمدؒ و نسائیؒ ہر آئینہ خدا را فرشتگانند	امام احمدؒ اور نسائیؒ کی روایت میں ہے کہ بیشک اللہ
سیر کنندگان در زمین میرسانند مرا از امت من	تعالیٰ کے فرشتے زمین پر سیر کرتے ہیں اور مجھے میری
سلام را و بتواتر رسید ایں معنی الخ	امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ مضمون متواتر طور پر
(فتاویٰ عزیزی ج۲ ص۶۹)	ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کا سلام پہنچنا تواتر سے ثابت ہے اور امام سخاویؒ امام دارقطنیؒ کے حوالہ سے یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان للہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے
ملئکۃ یسیحون فی الارض یبلغونی صلوٰۃ	کچھ فرشتے زمین پر پھرتے ہیں میری امت میں سے جو
من صلی علیّ من امتی اخرجہ الدارقطنی اھ	شخص مجھ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچاتے ہیں“

(القول البدیع ص ۱۱۵) اور یہ شفاء السقام ص ۳۲ میں بھی مذکور ہے۔

ان دونوں روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ فرشتے صلوٰۃ و سلام دونوں پہنچاتے ہیں۔ علامہ شہاب الدین محمد بن احمد الابشیہیؒ المتوفی (م ۸۵۰ھ) یہ روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

ان لِلّٰہ ملٰئکۃ سیّاحین فی الارض یبلّغونی الصلوٰۃ علیّ من امّتی فاستغفر لھم (المستطرف فی کل فن مستظرف ج ۲ ص ۳۱۷ طبع مصر)

بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے زمین میں پھرتے ہیں میری امت کی طرف سے وہ مجھے درود پہنچاتے ہیں پس میں ان کے لیے استغفار کرتا ہوں۔

اور علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح سلام آپ پر پیش کیا جاتا ہے اسی طرح صلوٰۃ اور درود بھی پیش کیا جاتا ہے (السراج المنیر ج ۱ ص ۸۵) اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ یبلغونی فرشتے مجھے صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں اور کلمہ نِی جو واحد متکلم کی ضمیر ہے ذات پر دلالت کرتا ہے (علم نحو کا قاعدہ ہے کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی نہ تو صرف جسد اطہر کا نام ہے اور نہ محض روح مبارک کا بلکہ دونوں کے مجموعہ کا نام ہے اگر صرف روح مبارک پر صلوٰۃ و سلام پیش کیا جاتا تو آپ فرما دیتے کہ میری روح پر اس کا عرض ہوتا ہے اور اگر محض بدنِ اطہر پر یہ عرض ہوتا تب صرف بدن اطہر کا ذکر فرما دیتے مگر آپ نے تو اپنی ذات اقدس کا تذکرہ فرمایا ہے جو روح و جسم دونوں کے مرکب کا نام ہے، لہٰذا یہ روایت بھی آپ کی حیات کی دلیل ہے، اس روایت سے بھی یہ ثابت ہو گیا کہ دور دراز سے جو لوگ درود و سلام پڑھتے ہیں وہ آپ تک بتوسط ملائکہ پہنچایا جاتا ہے، آپ خود اس کی سماعت نہیں فرماتے جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے۔ اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں اور جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔ انتہیٰ بلفظہ (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸)

چھٹی دلیل

حافظ ابو الشیخ[1] اصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبد الرحمن[2] بن احمد الاعرجؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الحسن[3] بن الصباحؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہ[4] نے بیان کیا وہ فرماتے

---

[1] علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اصبہان، مسند زمان الامام اور صاحب المصنفات السائرة لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کثرت علم اور وافر حافظہ کے ساتھ نیک اور دیندار بھی تھے اور محدث ابن مردویہؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مامون تھے علامہ خطیب ان کو حافظ ثبت اور متقن کہتے ہیں، حافظ ابو نعیمؒ ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں (تذکرة الحفاظ جلد ۳ ص ۱۴۷ و ۱۴۸) حافظ ابن القیمؒ ان کو الحافظ لکھتے ہیں (اجتماع جیوش الاسلامیة علی غزو المعطلة والجهمية ص ۹۵ طبع امرتسر) اور حافظ ابن حجرؒ ان کو الحافظ اور ثقہ لکھتے ہیں (لسان المیزان ج ۶ ص ۳۹۵)

[2] ان کا مکمل نام عبد الرحمنؒ بن احمدؒ بن یزید الزہریؒ ہے کنیت ابو صالح اور لقب الاعرج ہے سنہ ۳۰۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ امام ابو نعیم احمدؒ بن عبد اللہ اصبہانیؒ (المتوفی سنہ ۴۳۰ھ) نے تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳ طبع لندن) میں ان کا تذکرہ کیا ہے ان سے علاوہ امام ابو الشیخ اصبہانیؒ کے القاضی ابو احمدؒ محمد بن احمدؒ بن ابراہیمؒ بھی روایت کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳)

امام ابو الحسن علیؒ بن محمدؒ بن عراق الکنانیؒ (المتوفی ۹۶۳ھ) لکھتے ہیں کہ

حديث من صلى علي عند قبري سمعته ومن صلى عليّ نائيا وكل الله بها ملكا يبلغني وكفى امر دنياه وآخرته وكنت له شهيدا وشفيعا (خط) من حديث ابي هريرة رض ولا يصح فيه محمد بن مروان وهو السدي الصغير وقال العقيلي لا اصل لهذا الحديث (تعقب) بان البيهقي اخرجه في الشعب من هذا الطريق وتابع السدي عن الاعمش فيه ابو معاوية اخرجه	حدیث من صلى علیّ الخ یعنی جس نے میری قبر کے پاس درود شریف پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے فرشتہ مقرر کیا ہے جو مجھے پہنچاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے کام پورے کرتا ہے۔ اور میں اس کے حق میں گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (خطیب بغدادیؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے اور امام عقیلیؒ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں (عقیلی کی اس بات پر گرفت کی گئی ہے کہ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہیں کہ ہم سے اعمش رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ ابو صالح رحمہ اللہ سے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ:

من صلّى عند قبري سمعته ومن صلى عليّ من بعيد أعلمته (جلاء الافهام لحافظ ابن القیمؒ ص۱۹ وقال غریب جدًا۔

جس نے میری قبر کے پاس درود پڑھا تو میں اُسے خود سُنتا ہوں اور جس نے مجھ پر دُور سے درود شریف پڑھا تو وہ مجھے (بواسطہ فرشتوں کے) بتلایا جاتا ہے۔

(بقیہ گذشتہ صفحہ)

ابو الشیخ فی الثواب، قلت سندہٗ جید کما نقلہ السخاوی عن شیخہ الحافظ ابن حجر واللہ تعالٰی اعلم ولہ، شواھد من حدیث ابن مسعود وابن عباس وابی ھریرة اخرجھا البیہقی ومن حدیث ابی بکرؓ الصدیق اخرجہ الدیلمی ومن حدیث عمار اخرجہ العقیلی من طریق علی بن القاسم الکندی وقال علی بن قاسم شیعی فیہ نظر لا یتابع علی حدیثہ انتہٰی

وفی لسان المیزان (ص ۲۴۹/ج ۴) ان ابن حبان ذکر علی بن القاسم فی الثقات وقد تابعہ، عبد الرحمٰن بن صالح وقبیصة بن عتبة اخرجھا الطبرانی۔

(تنزیہ الشریعة ص۳۳۵ طبع مصر)

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں اس طریق سے اس کی تخریج کی ہے اور ابو معاویہؒ اعمشؒ سے روایت کرنے میں سُدی کا متابع ہے اس کی تخریج امام ابو الشیخؒ نے کتاب الثواب میں کی ہے، میں کہتا ہوں کہ ابو الشیخؒ کی سند جید ہے۔ جیسا کہ علامہ سخاویؒ نے اپنے استاد حافظ ابن حجرؒ سے نقل کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم اور اس حدیث کے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے شواہد موجود ہیں جن کی تخریج امام بیہقیؒ نے کی ہے اور حضرت ابو بکرؓ الصدیقؓ کی حدیث بھی شاہد ہے جس کی تخریج امام دیلمیؒ نے کی ہے اور حضرت عمارؓ کی حدیث بھی اس کا شاہد ہے جس کی تخریج علی بن القاسم الکندی کے طریق سے امام عقیلیؒ نے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ راوی شیعہ ہے اس میں کلام ہے اور اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی مگر لسان المیزان (ص ۲۴۹/ج ۴) میں ہے کہ امام ابن حبانؒ نے علی بن القاسمؒ کو ثقات میں لکھا ہے اور عبد الرحمٰنؒ بن صالحؒ اور قبیصہؒ بن عقبہؒ اس کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس حدیث کے جملہ راوی ثقہ اور معروف ہیں اور محدثین کی خاصی جماعت اس حدیث کو صحیح مانتی اور کہتی ہے حافظ ابن حجرؒ ابوالشیخ کی مذکور سند کے بارے میں فرماتے ہیں بسند جید (فتح الباری ج ٦ ص ٣٥٧) علامہ سخاویؒ فرماتے ہیں وسندہٗ جید (القول البدیع ص ١١٦) حضرت ملا علی القاریؒ بھی اس کو بسندِ جید فرماتے ہیں (مرقات ج ٢ ص ١) نواب صدیق حسن خانؒ بھی فرماتے ہیں اسنادہ جید (دلیل الطالب ص ٨٤٤) مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بھی اس کو بسندِ جید فرماتے ہیں (فتح الملہم ج ١ ص ٣٣)

ان اکابر محدثین کے (جن میں حافظ ابنِ حجرؒ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں جن کی تقریب اور تہذیب پر آج روایت کی توثیق و تضعیف کا مدار ہے) بیان سے واضح ہوگیا کہ یہ روایت جید اور صحیح ہے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) دو متابع موجود ہیں۔

غرضیکہ امام ابوالشیخؒ کی سند سے یہ حدیث جید اور صحیح ہے اور حضرات محدثین کرامؒ اس کو جید قرار دیتے ہیں اور اس کے کئی شواہد بھی بیان کرتے ہیں اور اس عبارت میں اس کی تصریح بھی موجود ہے کہ جن حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں صرف سدی صغیر ہی متفرد ہے ان کی رائے درست نہیں ہے کیونکہ ابومعاویہؒ جو الحافظ اور الثبت ہیں اس کے متابع ہیں۔ امام سیوطیؒ بھی فرماتے ہیں کہ۔

ثم وجدت لمحمد بن مروان متابعاً علی الاعمش اخرجہ ابوالشیخ فی الثواب حدثنا عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابومعاویۃ عن الاعمش بہ الخ (اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص ٢٨٣ ج ١)

پھر میں نے اعمشؒ سے روایت کرنے میں محمد بن مروان کا متابع پایا ہے اور وہ ابومعاویہؒ ہے اس کی تخریج امام ابوالشیخؒ نے کتاب الثواب میں یوں کی ہے حدثنا عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابومعاویۃ عن الاعمش اور پھر یہ حدیث نقل کی۔

اس سے بھی صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ حدیث کی صحت کا مدار ابومعاویہؒ پر ہے نہ کہ محمد بن مروان السدی الصغیر پر اور اسی سند کو حضرات محدثین کرامؒ کا جمِّ غفیر بسند جید سے تعبیر کرتا ہے اور اس حدیث کے مفہوم پر امت کا اتفاق و اجماع اور تاہنوز تعامل ہے

ان دونوں لفظوں میں کوئی خاص اصولی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ان ابن الصلاح یری التسویۃ بین الجیّد والصحیح ولذا قال البلقینی بعد ان نقل ذلك من ذلك بعلم ان الجودۃ یعبر بھا عن الصحۃ وفی جامع الترمذی فی الطب ھذا حدیث جید حسن وکذا قال غیرہ لامغایرۃ بین جیّد وصحیح عندھم الا ان الجھبذ منھم لا یعدل عن صحیح الی جید

امام ابن الصلاحؒ جیّد اور صحیح کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور اس لیے بلقینیؒ نے یہ نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ صحت کی تعبیر جودت سے کی جاسکتی ہے اور ترمذیؒ نے ابواب الطب میں ایک جگہ کہا ہے کہ یہ حدیث جیّد اور حسن ہے اور اسی طرح دوسروں نے بھی کہا ہے، محدثین کے نزدیک جید اور صحیح میں کوئی فرق نہیں ہے مگر ان میں سے جب بھی کوئی

---

* اور حدیث ید اللہ علی الجماعۃ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔ اور مشہور ہے کہ زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو۔ اللہ تعالیٰ کا ہم پہ خصوصی انعام وفضل ہے کہ ۔

رہِ اُلفت میں گو ہم پہ بہت مشکل مقام آئے
نہ ہم منزل سے باز آئے نہ ہم نے راستہ بدلا

۳؎ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الامام اور علم السنۃ لکھتے ہیں (تذکرہ ج۲ ص۵۵) اور بخاری میں ان کی متعدد روایتیں ہیں (مثلاً ج۱ ص۳۶ و ج۱ ص۴۶۷ و ص۵۰۳ و ج۲ ص۴۶۲ وغیرہ میں) جن لوگوں نے اس راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر اس سند کو کمزور کرنے کی لاحاصل سعی کی ہے وہ اسماء الرجال سے بالکل بے خبر معلوم ہوتے ہیں ۴؎ ابو معاویہؒ کا نام محمد بن خازمؒ ہے جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الثبت اور محدث الکوفہ لکھتے ہیں (تذکرہ ج۱ ص۲۷۱) امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ امام اعمشؒ سے روایت کرنے میں اثبت ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۱۳۸) علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ویضطرب فی غیر حدیث الاعمش (تذکرہ ج۱ ص۲۷۱) اعمشؒ کے علاوہ دوسروں سے روایت کرنے میں گڑبڑی کر جاتے ہیں۔

اور یہ روایت اعمشؒ کے طریق سے ہے مگر صد حیرت ہے کہ اب تو ایسے ثقہ اور ثبت راوی کو بھی مختلف فیہ بنایا جا رہا ہے فالی اللہ المشتکی ۱؎ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج۱ ص۱۲۵) ان میں

(باقی بر صفحہ آئندہ)

الا لنکتۃ کان یرتقی الحدیث عندہ عن
الحسن لذاتہ ویتردد فی بلوغہ الصحیح
فالوصف بہ انزل رتبۃ من الوصف بصحیح
وکذا القوی (تدریب الراوی ص۱۰۴ طبع مصر)

ماہر بجائے صحیح کے جیّد کہے گا تو اس میں کوئی نکتہ ہوگا
مثلاً اس کے نزدیک وہ روایت حسن لذاتہ سے تو
اوپر ہوگی مگر اس کے صحیح کہنے میں تردد ہوگا اس لیے وہ
بجائے صحیح اور قوی کے جیّد کا لفظ اس پر اطلاق کرے گا

الغرض جیّد اور صحیح ایک ہوں یا جیّد صحیح سے نیچے اور حسن لذاتہ سے اُوپر ہو جمہور محدثین کے نزدیک اس کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابن الصلاحؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) کے نزدیک جیّد اور صحیح ہیں

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

تشیع تھا مگر کیا یہ اسی حدیث پر اثر انداز ہے یا صحاح ستہ کی تمام روایات پر بھی جن کو امت مسلمہ صحیح سمجھتی ہے، ان کا نام سلیمان بن مہرانؒ تھا جلیل القدر محدثؒ اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں مؤلف اقامۃ البرہان نے اس پر خاصہ زور صرف کیا ہے کہ یہ مدلس ہیں اور بغیر تصریح سماع کے ان کی حدیث قابلِ احتجاج نہیں (محصلہ ص۲۴۱ اور یہی اعتراض ندائے حق ص۱۹۳ میں ہے) مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ امام اعمشؒ ان مدلسین میں شامل ہیں جن کی تدلیس مطلقاً مضر نہیں ہے (دیکھئے توجیہ النظر ص۲۵۱) ۲؎ ابو صالح کا نام ذکوان اور لقب السمان الزیات ہے صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں، علامہ ذہبیؒ ان کو حفاظ محدثین میں لکھتے ہیں اور امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ثقۃ ثقۃ من اجل الناس واوثقھم (تذکرہ جلد ۱ ص۸۳) یعنی وہ ڈبل ثقہ اور جلیل القدر اور ثقہ تر لوگوں میں سے تھے، امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور ابو حاتمؒ ان کو ثقہ اور صالح الحدیث کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کی حدیث سے احتجاج کیا جاتا ہے امام ابو زرعہؒ ان کو ثقہ اور مستقیم الحدیث کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے، امام ساجیؒ ان کو ثقہ اور صدوق کہتے ہیں، امام حربیؒ اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۱۹ و ص۲۲۰) **نوٹ ضروری:-** یہ راوی نہ تو ابو صالح مولی التوامہ ہے جس کا نام نبہان ہے اور نہ یہ ابو صالح مولی ام ہانی ہے جس کا نام باذام یا باذان ہے جن پر کچھ کلام بھی ہے اور امام اعمشؒ کی ان سے روایت منقطع بھی ہے یہ راوی بلاشک اور بلاشبہ ابو صالح ذکوان السمان ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی سینہ زوری کا کوئی علاج نہیں ہے اور ابو معاویۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃؓ بخاری کی سند ہے (مثلاً ملاحظہ ہو ج۲ ص۷۲۵ وغیرہ) امام بیہقیؒ وغیرہ نے جس ابو صالح پر کلام کیا ہے وہ یہ ہرگز نہیں ہے، اس کی کڑی اس سے ملا کر اس روایت کو ضعیف قرار دینا اسماء الرجال کا خون کرنا ہے۔

کوئی فرق نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ دونوں ایک ہیں اور اس نظریہ میں دیگر محدثین کرامؒ بھی ان کے ہمنوا ہیں جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہے اور خود امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ

ومتی قالوا ھذا حدیث صحیح فمعناہ انہ اتصل سندہ مع سائر الاوصاف المذکورۃ الخ (مقدمۃ ابن الصلاح ص۸ طبع مدینہ منورہ)

جب محدثینؒ یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند متصل ہے مع مذکور اوصاف کے جو صحت کے لیے ضروری ہیں۔

اور جو حضرات صحیح اور جیّد میں فرق ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کے لیے نکتہ بیان کرتے ہیں تو وہ بھی جیّد کو حسن لذاتہ سے اونچا مقام دیتے ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ کے نزدیک حدیث حسن بھی حجت اور قابلِ استدلال ہے، اگر بالفرض اس میں کچھ معمولی سا ضعف اور کمی بھی ہو تو امّت مسلمہ کے اجماع اور اس پر تعامل سے وہ ضُعف بھی رفع ہو جاتا ہے اور اس حدیث کے قابل احتجاج ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائریؒ حافظ ابن حزم الظاہریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

اذا ورد حدیث مرسل او فی احد ناقلیہ ضعف فوجدنا ذلک الحدیث مجمعا علی اخذہ والقول بہ علمنا یقیناً انہ حدیث صحیح لاشک فیہ اھ (توجیہ النظر ص۵ الی اصول الاثر طبع مصر)

اور جب کوئی مرسل حدیث ہو یا کوئی ایسی حدیث ہو جس کے کسی راوی میں ضعف ہو اور ہم یہ دیکھیں کہ سب لوگوں کا اس پر اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں تو یقیناً ہم یہ جان لیں گے کہ وہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے

اور اس پیش کردہ حدیث کا مقام بھی یہی ہے حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک کوئی شخص اہل السنت والجماعت میں ایسا نہیں گذرا جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے تمام اہلِ السنت والجماعت کا آپ کے سماع عند القبر پر اتفاق ہے کوئی اس کا مخالف نہیں گذرا اور کتب اہل اسلام میں اس کے خلاف ایک بھی صریح حوالہ موجود نہیں ہے من ادعی خلافہ فعلیہ البیان

اعتراض :-

ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس روایت کو غریب جداً کہا ہے تو پھر اس سے احتجاج و استدلال کیسا؟ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ غریب حدیثیں مت لکھا کرو کیونکہ وہ منکر ہوتی ہیں اور اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور امام مالکؒ فرماتے ہیں شر العلم الغریب کہ بُرا علم غریب حدیثوں کا ہوتا ہے اور امام عبد الرزاقؒ فرماتے ہیں کہ ہم غریب الحدیث کو بہتر سمجھتے تھے مگر وہ بدتر نکلی اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص غریب الحدیث طلب کرتا ہے تو وہ جھوٹ کا مرتکب ہے (محصلہ تدریب الراوی ص۳۷۶ طبع مصر)

الجواب :- یہاں دو باتیں ہیں ایک فنِّ غریب الحدیث اور دوسری کسی حدیث کا غریب ہونا اور محدثین کرامؒ کے نزدیک ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک متن حدیث سے متعلق ہے اور دوسری بالعموم سند سے، امام ابن الصلاح بتیسویں ۳۲ نوع میں معرفت غریب الحدیث کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وھو عبارۃ عما وقع فی متون الاحادیث من الالفاظ الغامضۃ البعیدۃ من الفھم لقلۃ استعمالھا ھذا فن مھم یقبح جھلہ باھل الحدیث خاصۃ ثم باھل العلم عامۃ والخوض فیہ لیس بالھین الخ (مقدمۃ ابن الصلاح ص۲۴۵)

غریب الحدیث وہ فن ہے جس میں متون احادیث میں ایسے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو نہایت مشکل اور فہم سے بعید ہوتے ہیں کیونکہ وہ قلیل الاستعمال ہوتے ہیں اور یہ اہم فن ہے محدثین کا اس سے جاہل رہنا خصوصاً اور دیگر اہل علم کا عموماً قبیح ترین فعل ہے مگر اس میں دخل دینا بھی آسان کام نہیں ہے

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ :-

غریب الحدیث ھو ما وقع فی متن الحدیث من لفظۃ غامضۃ بعیدۃ من الفھم لقلۃ استعمالھا وھو فن مھم والخوض فیہ صعب فلیتحرّ خائضہ الخ (تقریب النواوی مع تدریب الراوی ص۳۷۵ طبع مصر)

غریب الحدیث اس کو کہتے ہیں کہ متن حدیث میں کوئی مشکل اور بعید از فہم لفظ واقع ہو کیونکہ اس کا استعمال کم ہوتا ہے اور یہ اہم فن ہے اور اس میں خوض اور دخل دینا بہت مشکل ہے سو اس میں غوض کرنے والے کو محنت اور کوشش کرنی چاہیئے۔

چونکہ یہ فن بڑا مشکل ہے اور ہر کہ ومہ کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی اس لیے حضرت امام مالکؒ امام عبدالرزاقؒ اور امام ابو یوسفؒ وغیرہ نے اس میں دخل دینے سے منع کیا ہے تاکہ نااہل لوگ اس میں دخل دینے پر جری نہ ہو جائیں اور ایسے غریب اور مشکل الفاظ صحیح حدیثوں میں بھی اکثر آجاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس حدیث پر لفظ غریب بولا گیا وہ صحت کے معیار ہی سے گر گئی اور ضعیف ہو گئی جیسا کہ نہایت ہی سطحی قسم کے لوگوں نے سوء فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے اور من صلّی عند قبری الحدیث اس معنی میں غریب نہیں ہے کیونکہ اس کے متن میں کوئی ایسا لفظ واقع نہیں جو بعید از فہم اور مشکل ہو پھر اس حدیث کو غریب الحدیث کی مد میں لے جانا اور پھر اس کو ضعیف قرار دینا اہل علم کی شان سے بالکل بعید ہے اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ ہاں البتہ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ نے جن غرائب کا ذکر کیا ہے وہ ایسی غریب حدیثیں ہیں جن کی سند میں کوئی راوی متفرد ہو اور ایسی احادیث کے لکھنے سے انہوں نے منع فرمایا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ وہ اکثر ضعیف راویوں سے مروی ہوتی ہیں اور منکر ہوتی ہیں، اکثر غرائب بڑے شوق سے مناکیر اور ضعفاء سے مروی ہوں یہ دعوی ہم نے کب کیا ہے کہ ہر غریب حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام احمدؒ بن حنبلؒ نے بھی یہ دعوی کب کیا ہے کہ تمام غرائب منکر اور ضعیف ہوتی ہیں، ان کا دعوی بھی تو یہی ہے کہ ان میں اکثر ضعیف ہوتی ہیں ہاں ان میں صحیح بھی ہیں اور لفظ عامتہا اس کا واضح قرینہ ہے۔

امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ :۔

ثم ان الغریب ینقسم الی صحیح کالافراد المخرجۃ فی الصحیح والی غیر صحیح وذلک ھو الغالب علی الغرائب اھ (مقدمہ ۔ ۲۴۴)	پھر غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح جیسے ان منفرد راویوں کی حدیثیں جن کی صحیح میں تخریج کی گئی ہے اور دوسری غیر صحیح اور غرائب پر یہی غالب ہے۔

اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ تمام غرائب غیر صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں صحیح بھی ہیں اور ام نوویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

وینقسم الی صحیح وغیرہ وھو الغالب اھ (تقریب النواوی ص۳۷۶)	کہ غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح اور دوسری غیر صحیح اور غالب یہی ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ غریب حدیثیں صحیح بھی ہوتی ہیں اور امام ابن الصلاحؒ فرماتے ہیں کہ

بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات غریب ہے فان اسنادہ متصف بالغرابۃ الخ (مقدمہ ابن الصلاح ص۲۴۵) اس کی سند غرابت سے متصف ہے۔

تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ ضعیف ہے؟ اور بخاری اور مسلم میں متعدد روایتیں اس لحاظ سے غریب ہیں کہ اُن میں کہیں راوی منفرد ہوتا ہے مگر ہیں وہ صحیح اور ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر آتا ہے ھذا حدیث حسن غریب حسن صحیح غریب (مزید تشریح شرح نخبۃ الفکر ص۳۵ اور توجیہ النظر ص۱۶۱ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں) اگر غرابت صحت کے منافی ہوتی تو یہ حسن اور صحیح کے ساتھ کیسے جمع ہو گئی؟ محض غریب غریب کہہ کر پوری اُمتِ مسلمہ کی مخالفت کر کے اس جیّد اور صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینا کوئی دینی اور علمی خدمت نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ان الغرابۃ لاتنافی الصحۃ ویجوزان یکون الحدیث صحیحاً غریباً (مقدمہ مشکوٰۃ ص۶ طبع اصح المطابع دھلی)	بلاشک غرابت صحت کے منافی نہیں ہے اور جائز ہے کہ حدیث صحیح غریب ہو۔

اور مؤلف ندائے حق ص۱۸۴ میں لکھتے ہیں کہ اور نری وحدت راوی مضرّ نہیں اور نہ یہ جرح ہے وحدۃ الراوی لیس بجرح عندنا (فواتح الرحموت ج۱ ص۲۳۵)

الغرض اس روایت پر اصول حدیث کے رُو سے کوئی ایسا اعتراض وارد نہیں جو اس کی صحت اور اس کے قابل احتجاج ہونے پر اثر انداز ہو یہی وجہ ہے کہ ساری اُمت اس کے مفہوم پر متفق ہے۔

نوٹ ضروری:۔ اسی مضمون کی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے امام بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن مروان السدی الصغیر ہے جو ضعیف لیس بشئ غیر ثقہ کذاب ذاھب الحدیث، متروک الحدیث اور وضاع ہے (ملاحظہ ہو تہذیب التہذ ج۹ ص۴۳۶ وغیرہ) اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ففی اسنادہ نظر تفرد بہ محمد بن مروان	اس کی سند میں کلام ہے کیونکہ اس میں محمد

السدی الصغیر وھو متروک الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۵)

مروان السدی الصغیر متفرد ہے اور وہ متروک ہے

لیکن جمہور اہل السنت والجماعت کا استدلال ابو الشیخؒ[1] کی سند سے ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے اور جس کو حافظ ابن حجرؒ اور امام السخاویؒ وغیرہ محدثین بسندٍ جید فرماتے ہیں جمہور کا مستدل سُدی والی روایت سے نہیں ہے اس لیے اہل علم اور دیانت دار آدمی کا ہرگز یہ کام نہیں کہ خلط مبحث کرے اور ایسے صریح فرق کو نظر انداز کر دے۔

فنی کوتاہ فہمی

بسا اوقات محدثین کرامؒ فنی طور پر بعض اسانید پر کلام کرتے ہیں لیکن ان کے متون سے جو مسائل اور احکام ثابت ہوتے ہیں وہ کثرت شواہد اور تعامل امت اور اس کی تلقی بالقبول کی وجہ سے ان کو معمول بہ قرار دیتے ہیں اسی طرح حدیث من صلی علیّ عند قبری الحدیث (کی اس سند پر جس میں محمد بن مروان السدی ہے۔ مگر ہمارا استدلال اس سے نہیں ہے ہمارا مستدل تو ابو الشیخؒ کی سند ہے) پر فنی اور روایتی لحاظ سے بعض اکابر علماء نے کلام کیا ہے لیکن با ایں ہمہ دیگر احادیث کی تائید اور امت کے تعامل سے وہ اس سے ثابت حکم کو معمول بہ قرار دیتے ہیں چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد روی ابن ابی شیبۃ والدارقطنی عنہ۔ من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ابلغتہ وفی اسنادہ لین لکن لہ شواھد ثابتۃ فان ابلاغ الصلوٰۃ والسلام علیہ من البعد قد رواہ اھل السنن من غیر وجہ الخ

ابن ابی شیبہؒ اور دار قطنیؒ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے آپؐ نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر میری قبر کے پاس (صلوٰۃ و سلام کہا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اس کی سند کمزور ہے لیکن اس کے کئی شواہد ثابت ہیں کیونکہ دور سے آپؐ کو صلوٰۃ و سلام

---

[1] ماہنامہ تعلیم القرآن ص ۴۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء میں ہے "اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں ہے وہ کمزور نہیں ہے" اور حدیث ہذا کی دوسری سند بھی ہے جس کے صحیح ہونے کی تصریح کرتے ہیں چنانچہ ملا علی ن القاری الحنفیؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں قال میرک نقلا عن الشیخ ورواہ ابو الشیخ وابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج۴ ط۳۶ وطبع جدید ج۲۷ ص۱۱۶)

پہنچانے کی روایت متعدد طرق سے اہل السنن نے بیان کی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ علمی طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ روایت کمزور ہے لیکن اپنے شواہد کی تائید سے یہ روایت قابلِ اعتبار و عمل ہے اور علامہ ابن عبدالہادیؒ لکھتے ہیں کہ

فاما ذلک الحدیث وان کان معناه صحیحاً فاسناده لا یحتج به وانما یثبت معناه باحادیث اُخر فانه لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان السدی الصغیر عن الاعمش کما ظنه البیهقیؒ وما ظنه فی هذا هو متفق علیه عند اهل المعرفة وهو عندهم موضوع علی الاعمش الخ (الصارم المنکی ص۱۳۱)

بہرحال یہ حدیث اگرچہ اس کا معنیٰ صحیح ہے لیکن اس کی سند قابلِ احتجاج نہیں ہے البتہ اس کا معنیٰ دوسری احادیث کی روشنی میں ثابت ہے یہ روایت اعمشؒ سے محمد بن مروان السدی الصغیر کے طریق ہی سے معروف ہے جیسا کہ بیہقیؒ نے خیال کیا ہے اور ان کا خیال اس فن کی معرفت رکھنے والوں کے ہاں اتفاقی امر ہے اور یہ ان کے نزدیک (بطریق محمد بن مروان) اعمشؒ پر موضوع ہے۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم پر موضوع ہے نہ تو یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کی اور نہ ابوصالحؒ اور اعمشؒ نے اور محمد بن مروان السدی متھم بالکذب والوضع ہے اور نیز فرماتے ہیں کہ بعض نے یہ روایت ابومعاویہؒ عن الاعمشؒ کے طریق سے بیان کی ہے اور یہ کھلی غلطی ہے اس حدیث میں محمد بن مروان ہی منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث اور متھم بالکذب ہے۔ ملاحظہ کیجئے کہ علامہ ابن عبدالہادیؒ نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے گرانے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور محمد بن مروان عن الاعمش کے طریق کو موضوع تک کہتے ہیں (اور اسی ادھوری بات کو مؤلف ندائے حق نے پلّے باندھ رکھا ہے) لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں وہ اس کے معنیٰ اور مدلول کو صحیح کہتے ہیں اور اس کا معنیٰ صحیح تسلیم کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں کہ

وھو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یسمع السلام من القبر وتبلغه الملئکة

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر کے پاس سے سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ

الصلوٰۃ والسلام من البعد اھ
(الصارم المنکی ص۲۸۲)

کو صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔

اور تصریح فرماتے ہیں کہ آپؐ صرف عند القبر صلوٰۃ وسلام سننتے ہی نہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

واما من صلّی علیہ عند قبرہٖ فانہ یرد علیہ (الصارم المنکی ص۱۶۵)

جو شخص عند القبر آپ کو سلام کہتا ہے آپ اس کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اور نیز لکھتے ہیں کہ

واما من سلّم علیہ عند قبرہٖ فانہ یرد علیہ وذٰلک کالسلام علی سائر المؤمنین لیس ہو من خصائصہ الخ
(الصارم المنکی ص۱۳۱)

بہر حال جس نے آپؐ پر عند القبر سلام کہا تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ سب مومن سلام کا جواب دیتے ہیں یہ صرف آپؐ ہی کی خصوصیت نہیں ہے۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ موصوفؒ فنی طور پر اس حدیث کی سند پر کلام کرنے کے باوجود اصل مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کرتے اور عند القبر آپؐ کے صلوٰۃ وسلام سننے اور جواب دینے کے وہ اسی طرح قائل ہیں جیسے دیگر علماء ملّت قاضی شوکانیؒ ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ

ثم حکم ابن عبد البرؒ مع ذٰلک بصحتہ لتلقی العلماء لہٗ بالقبول فردہٗ من حیث الاسناد وقبلہٗ من حیث المعنی الخ
(نیل الاوطار ج۲ ص۲۴)

پھر باوجود اس کے ابن عبد البرؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ علماء نے اس کو قبول کیا ہے سو ابن عبد البرؒ نے اس روایت کو سند کے لحاظ سے رد کیا ہے اور معنی کے لحاظ سے قبول کیا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی ضعیف حدیث کے شواہد موجود ہوں یا علماء امت نے اس کو قبول کر کے اس پر تعامل کیا ہو تو وہ حدیث باوجود کمزور ہونے کے قابل عمل ہوتی ہے حافظ ابن القیمؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کی اس سلسلہ میں بعض عبارتیں ہم نے سماع الموتٰی میں عرض کر دی ہیں ان کو وہیں ملاحظہ فرمالیں اس بحث کو پیش نظر رکھنے سے

بعد مؤلف ندائے حق کا ص۱۳۷ میں یہ لکھنا کہ پھر اجلّہ محدثین کا اس حدیث کی سند پر جرح کرنا ہی دلیل ہے اس حدیث کے غیر معمول بہ ہونے کے الخ سراسر مردود ہے اور بالکل قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔

فائدہ علامہ ابن عبدالہادیؒ کی تحقیق میں یہ روایت صرف محمد بن مروان عن الأعمش کی سند ہی سے معروف ہے اور بقول ان کے یہ سند موضوع بھی ہے لیکن بایں ہمہ وہ اس کے معنی کو صحیح کہتے ہیں جیسا کہ آپ نے خود انہی کی عبارات سے یہ حقیقت ملاحظہ کر لی ہے برخلاف اس کے ہمارا اور جمہور کا مستدل ہرگز یہ سند نہیں ہے بلکہ ہمارا استدلال ابوالشیخؒ کی سند سے ہے۔ مؤلف ندائے حق نے ص۱۸۴ تا ص۱۹۰ تک بلاوجہ محض تُک بندی سے اور ٹواریوں کی طرح لفتنہ نویسی سے اس کو ناقابلِ اعتبار بنانے کی بے جا سعی کی ہے مگر اس سے کیا حاصل؟ ابوالشیخؒ کی سند اصول حدیث کے رو سے جیّد ہے اور امت مرحومہ کے تعامل کی وجہ سے معمول بہ ہے لاریب فیہ اگر علامہ ابن عبدالہادیؒ کو اس سند کا علم نہیں تو کیا مضائقہ ہے انہی کے استاد بھائی۔ وسیع النظر۔ محقق عالم حافظ ابن القیمؒ اور حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانیؒ اور امام سخاویؒ وغیرہ کو (جو علم حدیث میں مسلّم شخصیتیں ہیں) اس کا علم ہے اور اصول حدیث کا مسئلہ ہے (من عرف حجۃ علیٰ من لم یعرف)

الغرض علامہ ابن عبدالہادیؒ کے محمد بن مروان عن الاعمش کے طریق پر کلام کرنے بلکہ اسے موضوع کہنے سے ابوالشیخؒ کی سند پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی جیسا کہ اہل علم اور ارباب انصاف پر یہ ظاہر ہے۔ خود علامہ ابن عبدالہادیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ

"والعلماء المتنازعون کل منهم یحتج	اور علماء جو آپس میں اختلاف کرتے ہیں ان میں سے ہر
بدلیل شرعی ویکون عند بعضهم من	ایک شرعی دلیل سے احتجاج کرتا ہے۔ کیونکہ بعض کے
العلم ما لیس عند الاٰخر فان العلماء ورثة	پاس وہ علم ہوتا ہے جو دوسرے کے پاس نہیں ہوتا بلاشبہ
الانبیاء قال اللّٰه تعالٰی وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ	علماء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے
اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ	وارث ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور داؤد اور سلیمان
غَنَمُ الْقَوْمِ وَکُنَّا لِحُکْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ	نے کھیتی کے بارے جس وقت فیصلہ کیا جب رات کے

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (ص ۲۷۹)

وقت اس میں قوم کی بکریاں جا پڑیں اور ہم ان کے فیصلہ پر گواہ تھے اور ہم نے فیصلہ کی بات سلیمان کو سمجھا دی اور ہر ایک کو ہم نے حکم اور علم دیا۔

علامہ ابن عبدالهادیؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک چیز کا علم تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کو نہ تھا اور علماء حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں اور ان کے علم کا بھی یہی حال ہے۔

ساتویں دلیل

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ

سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول والذی نفس ابی القاسم بیده لینزلن عیسی بن مریم اماماً مقسطا وحکماً عدلاً فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیصلحن ذات البین ولیذهبن الشحناء ولیعرضن المال فلا یقبله احد ثم لئن قام علیٰ قبری فقال یا محمد لاجبته، قلت هو فی الصحیح (بخاری ص ۴۹۰ ج ۱) باختصارٍ رواه ابو یعلیٰ ورجاله رجال الصحیح

(مجمع الزوائد ص ۲۱۱ ج ۸)

میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا کہ اُس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں ابوالقاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جان ہے البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نازل ہوں گے امام منصف اور حاکم عادل ہو کر سو البتہ ضرور صلیب توڑیں گے اور البتہ خنزیر کو قتل کریں گے اور البتہ ضرور لوگوں کے آپس کے معاملات درست کریں گے اور البتہ ضرور مال پیش کریں گے تو کوئی اس کو نہ لے گا۔ پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو میں ضرور ان کو جواب دوں گا۔ یہ روایت اختصار کے ساتھ صحیح (بخاری ص ۴۹۰ ج ۱) میں ہے اس کو محدث ابو یعلیٰؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

واضح بات ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی ایسا راوی نہیں جو ضعیف ہو اور اسکی حدیث

صحیح اور حجت نہ ہو، ضرورت تو نہیں مگر صرف بطور شاہد کے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ کر لیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

ليهبطن عيسى بن مريم حكما واماما مقسطا وليسلكن فجا حاجا او معتمرا وليأتين قبري حتى يسلم علي ولاردن عليه (الجامع الصغیر ص ۱۴۰ ج ۲ وقال صحیح)

البتہ ضرور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام نازل ہونگے منصف اور امام عادل ہو کر اور البتہ وہ ضرور فج (جگہ کا نام ہے) کے رستے پر حج یا عمرہ کے لیے جائیں گے اور بلاشبہ وہ میری قبر پر آئیں گے حتیٰ کہ وہ مجھے سلام کہیں گے اور بلا شک میں ان کے سلام کا جواب دوں گا۔

اور یہ روایت مستدرک ص ۵۹۵ ج ۲ اور الدر المنثور ص ۲۴۵ ج ۲ میں بھی ہے۔ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت قبر مبارک میں جو اب ہے وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت بھی ہوگی بالفاظ دیگر اس وقت آپ کی قبر مبارک میں آپ پر کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوگی جو مثلاً اب نہیں ہے اور اس تفریق پر کوئی شرعی دلیل بھی قائم نہیں ہے سو اگر اس وقت آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام سنیں گے اور اس کا جواب دیں گے تو اس وقت بھی یہ ممکن بلکہ واقع ہے اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عرض سلام اور اس کا جواب آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہے جو جسم مع الروح کا نام ہے، نہ صرف جسم سے اور نہ تنہا روح سے۔ اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صلوٰۃ وسلام کا سماع متحقق ہے اور آپ کا جواب دینا بھی ثابت ہے اور اس کا انکار صحیح حدیث کا انکار ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے۔

تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان کی طرف اٹھایا گیا ہے اور قرب قیامت وہ آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے، دجال لعین کو قتل کریں گے اور یہود و دیگر کفار سے جہاد کریں گے اور زمین پر قرآن وحدیث کی حکومت جاری فرمائیں گے حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیں تو وہ اپنے صحابہ کی طرف نکلے الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۴) اور اس کی

سند صحیح ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۷۵) اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری کیسی (اچھی) حالت ہوگی جب کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تم میں آسمان سے نازل ہوں گے (کتاب الاسماء والصفات ص ۳۰۱، للبیہقیؒ طبع الہ آباد) اور من السماء کے الفاظ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۴۹ اور کنز العمال ج ۷ ص ۲۶۸ اور منتخب کنز برحاشیہ مسند احمد ج ۶ ص ۵۶ میں بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد زمین میں چالیس سال رہیں گے (ابوداؤد طیالسی ص ۳۳۱ و مستدرک ج ۲ ص ۳۳۵)

امام ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے جس کی بنیاد متواتر احادیث پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے (تفسیر بحر محیط ج ۲ ص ۴۷۳) امام ابوالحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا ہے (کتاب الابانہ عن اصول الدیانہ ص ۴۶ طبع حیدرآباد دکن) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور ان کی نبوت کی نفی کفر ہے (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۱۶۶) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث (تقریباً نو صحابہ کرامؓ کی روایتوں کا حوالہ بھی دیا ہے) سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ شام میں دمشق کے اندر سفید مشرقی مینار پر صبح کی نماز کے وقت نازل ہوں گے (محصلہ تفسیر ج ۱ ص ۵۸۲)

نواب صدیق حسنؒ خانصاحب لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر زمانہ میں نازل ہونا متواتر احادیث سے ثابت ہے (فتح البیان ج ۲ ص ۳۴۴)

علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر کسی اور نبی کے آنے کا قائل ہو تو اس کے کفر میں دو آدمیوں نے بھی شک نہیں کیا کیونکہ ان میں سے ہر ایک امر میں سب پر حجت قائم ہو چکی ہے (الملل والنحل ج ۳ ص ۱۳۹)

الغرض حضرت عیسٰی علیہ السلام کا رفع اور بجسد نزول تواتر اور قطعیت سے ثابت ہے جو اس کا انکار یا تاویل کرے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا فیصلہ

مسلمانوں کے جملہ فرقے خواہ وہ کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق ہیں اس بات پر متفق ہیں اور ان کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں اور قیامت سے قبل ضرور نازل ہوں گے اور اس بات کو مرزا قادیانی بھی ماننے پر مجبور ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ مسیح بن مریم کے آنے کی پیشگوئی ایک اوّل درجہ کی پیشگوئی ہے جس کو سب نے باتفاق قبول کر لیا ہے تواتر کا اوّل درجہ اس کو حاصل ہے (ازالہ اوہام ص ۵۵۷) اور نیز لکھا ہے کہ مثلاً صحیح مسلم کی حدیث میں یہ لفظ موجود ہے کہ حضرت مسیح جب آسمان سے اتریں گے تو ان کا لباس زرد رنگ کا ہوگا (ازالہ اوہام ص ۹۲۷) الحاصل حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آمد اور آسمان سے نزول کا اقرار قادیانی دجال کو بھی ہے۔

بابِ ہفتم

عند القبر سماع کے بارے میں علماء اسلام کا نظریہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے بارے میں متعدد حوالے پہلے عرض کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے جو حوالے پہلے مذکور نہیں ہیں ان میں سے بعض کا بیان سن لیجئے۔

علّامہ مناویؒ حدیث من صلّی علیّ الحدیث کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

من صلی علیّ عند قبری سمعتہٗ ومن صلّی علیّ نائیا ای بعیدا بلغتہٗ ای اخبرت بہ من احد من الملئکۃ و ذلک لان لروحہ تعلقا بمقر بدنہ الشریف وحرام علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء اھ

(فیض القدیر ج۶ ص۱۷۰ طبع مصر)

جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا تو میرے پاس وہ پہنچایا جاتا ہے یعنی کسی فرشتہ کے ذریعہ مجھے اس کی خبر دی جاتی ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے بدن شریف سے تعلق ہے اور زمین پر پیغمبروں کے جسم حرام کر دیئے گئے ہیں۔

اور کچھ ویسی ہی عبارت اس مقام پر علّامہ عزیزیؒ کی ہے (السراج المنیر ج۳ ص۳۷۰)

علّامہ مناویؒ کو اس مقام پر ایک صریح مغالطہ ہوا ہے وہ یہ کہ ان کو ابو الشیخؒ کی سند کا علم نہیں ہے اور سدی کی سند کے پیش نظر انہوں نے اس پر کلام کیا ہے سدی واقعی نا معتبر ہے

لیکن مدار ابو الشیخ کی سند پر ہے۔ کما مر مفصلاً اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ

من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ای سماعاً حقیقیاً بلا واسطۃ اھ (مرقات ج۲ ص۱۰ و نحوہ فی شرح الشفاء ج۳ ص۵۰)

جس شخص نے مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑ تو میں خود اس کو سنتا ہوں یعنی حقیقی طور پر فرشت کے توسط کے بغیر میں خود سنتا ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سماع صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ کوئی کنایہ یا رمز نہیں بلکہ حقیقی سماع پر محمول ہے۔ حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتویؒ (المتوفی ۱۳۸۶ھ) اپنے حاشیہ مشکوٰۃ ص۹۳ میں سمعتہ کی شرح میں لکھتے ہیں سمعاً حقیقیاً بلا واسطۃ اور لفظ نائیاً کی شرح میں لکھتے ہیں ای بعیداً۔

علامہ السید احمد طحطاوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فانہ یسمعہا ای اذا کانت بالقرب منہ صلی اللہ علیہ وسلم وتبلغہ ای یبلغہا الملک الیہ اذا کان المصلی بعیداً۔ (طحطاوی ص۲۰۵ طبع مصر)

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درود شریف سنتے ہیں جب کہ آپ کے قریب پڑھا جائے اور فرشتہ آپ کو پہنچاتا ہے جب کہ درود پڑھنے والا دور سے پڑھتا ہو۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول پر صراحت سے دلالت کرتی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو آپ بنفسِ نفیس خود سنتے ہیں اور دور سے پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجیؒ (المتوفی ۸۹۹ھ) دعاء کا لفظ استعمال کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ

لانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ یسمع دعاء زائرہ الخ (نسیم الریاض ج۳ ص۳۹۸)

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اپنے زیارت کرنے والے کی دعا سنتے ہیں۔

بظاہر دعا کے عام لفظ سے صلوٰۃ وسلام کے علاوہ دعا متبادر ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

استعانت کے تین معنی ہیں، ایک یہ کہ حق تعالیٰ سے دعا کرے کہ بحرمت فلاں میرا کام کر دے یہ بالاتفاق جائز ہے خواہ عند القبر ہو خواہ دوسری جگہ اس میں کسی کو کلام نہیں، دوسرے یہ کہ صاحبِ قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے اور بعض روایات میں جو آیا ہے اَعِیْنُوْنِیْ عِبَادَ اللّٰہ تو وہ فی الواقع کسی میّت سے استعانت نہیں بلکہ عباد اللہ جو صحراء میں موجود ہوتے ہیں، ان سے طلبِ اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے تو وہ اس باب سے نہیں ہے، اس سے حجتِ جواز پر لانا جہل ہے۔ معنی حدیث سے تیسرے یہ کہ قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوّز سماع موتیٰ اس کے جواز کے مُقِر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کسی کو خلاف نہیں، اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک، کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے اھ (فتاوٰی رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ و ۱۰۰ طبع جیّد برقی پریس دہلی) اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

اور تفصیل یہ ہے کہ استمداد تین قسم ہے ایک یہ کہ اہل قبور سے مدد چاہے اس کو سب فقہاء نے ناجائز لکھا ہے۔ دوسرے یہ کہ کہے اے فلاں خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ فلاں کام میرا پورا ہو جائے یہ مبنی اوپر مسئلہ سماع کے ہے جو سماع موتٰی کے قائل ہیں، ان کے نزدیک درست دوسروں کے نزدیک ناجائز اسی کو شیخ (عبد الحق محدث دہلوی رح) نے لکھا ہے کہ وان الاستمداد باھل القبور الی قولہ فقد انکرہ کثیر من الفقہاء الخ انبیاء (علیہم السلام) کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ اُن کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں تیسرے یہ کہ دعا مانگے الٰہی بحرمتِ فلاں میرا کام پورا کر دے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام تحریروں میں موجود ہے اھ

(فتاوٰی ج ۳ ص ۸)

قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رح کا یہ ارشاد کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں بڑی وزنی بات کی ہے۔

علامہ ابن عبد الہادیؒ اس پر خاصی بحث کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبر شریف کے قریب سے تو آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں لیکن قبر مبارک سے دور باقی مسجد نبوی میں جو سلام پڑھا جاتا ہے وہ آپ خود نہیں سنتے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نمازیں یا مسجد میں داخل یا اس سے خارج وقت پڑھے۔ (الصارم المنکی ص۹۵)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیئے مسجدِ نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں (تذکرۃ الخلیل ص۳۶)

حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: بروایت حضرت انسؓ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچائی جاتی ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے اھ (نشر الطیب ص۲۱۱) اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ سلام کا سننا نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ (اور) سلام کا جواب دینا یہ تو دائماً ثابت ہیں (ایضاً ص۲۱۲)

ان تمام اقتباسات سے یہ امر روشن ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھے تو اس کو آپ خود بنفسِ نفیس سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں اور حضرت گنگوہیؒ کی عبارت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جو شخص اس کا منکر ہو وہ اجماع کا منکر ہے اور منکر اجماع کے لیے جو وعیدیں وارد ہوئی ہیں وہ سب بلاشبہ اس شخص پر چسپاں ہیں۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عبارت میں چار مسئلوں کا خصوصیت سے ذکر ہے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی کچھ تحقیق سپردِ قلم کر دی جائے ایک تو یہ کہ فقہاء کرامؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس شفاعتِ مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے اور دوسرا مسئلہ توسل اور حرمت کا ہے اور تیسرا حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ عام موتٰی کے عند القبر سماع یا عدم سماع کا مسئلہ ہے اور چوتھا استمداد باھل القبور کا ہے

قیامت کے دن شفاعت

شفاعت کا مسئلہ قرآن وحدیث اور کتب عقائد میں بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کی کئی اقسام ہیں ایک شفاعت کبریٰ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن تمام امتوں کے لئے تعجیل حساب کے سلسلہ میں کریں گے اس کے علاوہ دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کی شفاعتِ عمومی بھی حق ہے اور اسی طرح شہداء حفاظ قرآن اولیاء عظامؒ اور جو بچے نابالغ فوت ہو چکے ہوں، بشرطیکہ ماں باپ نے ان پر توجہ نہ کیا ہو، ان کی شفاعت بھی حق ہے اور اہل اسلام کا کوئی قابلِ قدر فرقہ ایسا نہیں جو اس کا انکار کرتا ہو، یہ مسئلہ چونکہ دلائل قطعیہ صریحہ سے ثابت ہے اس لیے اس کے لیے دلائل پیش کرنا غیر ضروری ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے جس شفاعت کا ذکر کیا ہے وہ آگے آرہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر شفاعت کی درخواست جائز ہے

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا علم تواتر سے ثابت ہے اس لیے آپ کی قبر شریف کے پاس حاضر ہو کر یہ کہنا کہ حضرت آپ میری مغفرت کی شفاعت فرمائیں جائز اور درست ہے اور یہ صرف حضرات متاخرین ہی کی ایجاد نہیں ہے جیسا کہ بعض خام خیال لوگوں کا بے بنیاد وہم ہے بلکہ اس کا ثبوت حضرات صحابہ کرامؓ سے اور ان کے ایک گونہ اجماع اور حضرت عمرؓ کی تائید اور تصویب سے ہے۔ چنانچہ علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں۔

وقد یکون التوسل به صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد الوفاۃ بمعنی طلب ان یدعو کما کان فی حیاتہ وذلك فیما رواہ البیهقیؒ من طریق الاعمش عن ابی صالح عن مالك الدارؓ ورواہ ابن ابی شیبۃ بسند صحیح عن مالك الدارؓ قال اصاب الناس قحط فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجاء رجل الی

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات کے بعد توسل کبھی اس معنی میں ہوتا ہے کہ آپ سے دعا طلب کرے جیسا کہ آپؐ کی حیات میں تھا اور یہ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے بطریق اعمش عن ابی صالح عن مالک الدار روایت نقل کی ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے اس کو صحیح سند کے ساتھ مالک الدارؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس گیا اور اس نے کہا،

قبر النبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فقال یا رسول اللہ استسق اللہ تعالیٰ لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فی المنام فقال ائت عمر رض فاقرأهُ السلام واخبره انهم مُسقون وقل لهٗ عليك الكيس فاتى الرجل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاخبرهٗ فبكى عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم قال یا رب ما آلو الا ما عجزت عنہ وروى سيف فى الفتوح ان الذى رأى المنام المذكور بلال بن الحارث المزنى احد الصحابة رضى اللہ تعالیٰ عنهم ومحل الاستشهاد طلب الاستسقاء منہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وهو فى البرزخ ودعائه لربه فى هذه الحالة غير ممتنع وعلمه بسوال من يسأله قد ورد فلا مانع من سوال الاستسقاء وغيره منه كما كان فى الدنيا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۱ ج ۱۲ - استیعاب ص ۴۶۴ ج ۲ اصابہ ص ۴۸۴ ج ۳ - وفاء الوفاء ص ۱۳۷۱ ج ۲)

یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے اپنی اُمتیوں کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلے ہیں، تو خواب میں اس شخص سے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاقات کی اور فرمایا کہ تو عمر رض کے پاس جا اور اس کو سلام کہہ اور اس کو خبر دے کہ اُن پر بارش نازل کی جائے گی اور عمر رض سے کہہ دے کہ دانائی پر قائم رہے دانائی پر قائم رہے تو وہ شخص حضرت عمر رض کے پاس آیا اور انہیں خبر دی تو حضرت عمر رض رو پڑے پھر فرمایا اے میرے رب میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی مگر جس امر سے میں عاجز ہو گیا۔ علامہ سیف رح نے اپنی کتاب فتوح میں ذکر کیا ہے کہ جس شخص نے خواب دیکھا تھا وہ حضرت بلال بن الحارث المزنی رض صحابی تھے اور اس سے استدلال یوں ہے کہ آپؐ برزخ (اور قبر) میں تھے کہ آپؐ سے بارش طلب کرنے کی دعاء کی التجاء ہوئی اور اس حالت میں آپؐ کا رب تعالیٰ سے دعاء کرنا کوئی ممتنع امر نہیں ہے اور سوال کرنے والے کے سوال کے علم کے بارے میں دلیل وارد ہوئی ہے لہذا آپؐ سے بارش وغیرہ کے طلب کرنے کے سوال میں کوئی مانع نہیں ہے جیسا کہ آپؐ سے دُنیا میں ایسا سوال کیا جاتا تھا۔

یہ واقعہ علامہ علی رح بن عبد الکافی السبکی رح نے امام بیہقی رح کی کتاب دلائل النبوۃ سے پوری سند کے ساتھ نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو شفاء السقام ص ۱۳) اور حافظ ابن کثیر رح نے بھی یہ

واقعہ امام بیہقیؒ کی پوری سند کے ساتھ نقل فرمایا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں وھذا اسناد صحیح، (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲) اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں کہ

رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان اھ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵)

اس کو ابن ابی شیبہؒ نے صحیح سند کے ساتھ ابوصالح السمان سے روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبۃؒ کی سند کے رواۃ یہ ہیں :۔

(۱) امام ابوبکر عبداللہ بن محمدؒ بن ابی شیبۃؒ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ الحافظ عدیم النظیر الثبت النحریر جو ثقہ حافظ اور متقن تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸ و ۱۹ محصلہ)

(۲) ابومعاویہ محمدؒ بن خازمؒ المتوفی سنہ ۱۹۵ھ الحافظ الثبت اور محدّث الکوفہ تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۱) ان پر بعض محدثین نے اضطراب کا الزام لگایا ہے لیکن علّامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ویضطرب فی غیر حدیث الاعمش (تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۱) کہ امام اعمشؒ کے علاوہ اور حضرات سے روایت کرنے میں یہ اضطراب کرتے ہیں اور یہ روایت حضرت اعمشؒ سے ہے۔

(۳) اعمشؒ المتوفی سنہ ۱۴۸ھ الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۱۴۵)

(۴) ابوصالح ذکوان السمان الزیّات المتوفی سنہ ۱۰۱ھ حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ من اجلّ النّاس واوثقھم (یعنی جلیل القدر اور ثقہ تر لوگوں میں شمار تھے (تذکرہ ج ۱ ص ۸۳)

(۵) حضرت مالک الدارؓ کو علامہ ذہبیؒ حضرات صحابہ کرامؓ میں شمار کرتے ہیں (تجرید اسماء الصحابہؓ ج ۲ ص ۴۷) اور علامہ ابن سعدؒ (المتوفی سنہ ۲۳۰ھ) ان کو تابعینؒ میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام (مولیٰ عمرؓ) تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے انہوں نے روایت کی ہے وکان معروفا (طبقات ابن سعدؒ ج ۵ ص ۱۲) اور وہ معروف و مشہور تھے۔

غرضیکہ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سمہودیؒ وغیرہ اس روایت کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ سنہ ۱۷ھ کے آخر اور سنہ ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸ والبدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱) اور مؤرخ عبدالرحمنؒ بن محمدؒ بن خلدونؒ (المتوفی سنہ ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ سنہ ۱۸ھ کا ہے (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

امام طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بھی نقل کرتے ہیں

حتی اقبل بلالؓ بن الحارث المزنی فاستأذن علی عمرؓ فقال انا رسولُ رسولِ اللہ الیک یقول لک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقد عہدتک کیسا وما زلت علی ذلک فما شأنک؟ قال متی رأیت ھذا قال البارحۃ فخرج فنادی فی الناس الصلوٰۃ جامعۃ اھ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸ والبدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۷۱ واللفظ لہا)

یہاں تک کہ حضرت بلالؓ بن الحارث المزنی آئے اور حضرت عمرؓ سے اجازت طلب کی اور فرمایا کہ میں تمہاری طرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قاصد ہوں آپؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ میں تو تجھے دانا ہی سمجھتا رہا اور تم اسی پر قائم رہے مگر اب تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ (کہ تم نے دعا اور صلوٰۃ استسقاء ادا نہیں کی) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا؟ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ گذشتہ شب حضرت عمرؓ (نماز استسقاء کے لیے) نکلے اور لوگوں میں بھی نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کیا

اور اختصاراً اس واقعہ کا ذکر علامہ ابن اثیرؒ (المتوفی سنہ ۶۳۰ھ) نے بھی کیا ہے (الکامل لابن اثیر ج ۲ ص ۵۵۶) اور یہ واقعہ جب حضرت عمرؓ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے بیان کیا اور فرمایا

فان بلالؓ بن الحارث یزعم ذیّۃ وذیّۃ فقالوا صدق بلالؓ اھ (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۶ والبدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۹۱)

کہ بلاشبہ بلالؓ بن الحارث ایسا اور ایسا خیال کرتا ہے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ بلالؓ بن الحارث سچ کہتا ہے

اس واقعہ سے ذیل کے بڑے واضح فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے تقریباً سات آٹھ سال بعد پیش آیا اس وقت بکثرت حضرات صحابہ کرامؓ موجود تھے۔

۲۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے (جیسا کہ مؤلف اقامۃ البرہان لکھتے ہیں یہ ایک ایسے اعرابی کا عمل ہے جو سراپا جہالت ہے نہ اس کا نام معلوم ہے نہ اس کا حال اس لیے ایسے مجہول العین اور مجہول الوصف انسان کے عمل سے احکام شریعت پر استدلال دین سے تمسخر اور تلعب کی بدترین مثال ہے۔ بلفظہٖ ص ۲۸۹ سبحان اللہ اور مؤلف شفاء الصدور ص ۱۰۲ میں اس کو

مجہول کہتے ہیں اور ندائے حق ص ۳۰۳ میں اس واقعہ کا یوں تمسخر اڑاتے ہیں یہ جمہور زنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم ضعیف حدیث پھر عمل ایک جنگلی کا جب صحابی کا عمل حجت نہیں تو جنگلی کے عمل کا کیا مقام ہے پھر واقعہ خواب کا غیر نبی کا خواب کوئی حجت نہیں جب تک کہ مؤید بالاجماع نہ ہو بلفظہ ندائے حق ص ۳۰۳ و ۳۰۴ اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ ہم خیر القرون کا اونچا دور حضرت عمر رضؓ کا عہد بتاتے ہیں جس میں اعرابی (جنگلی) حضور کی قبر پر پہنچ کر بارش کی دعا کرواتا ہے سب علماء نے اسے بدعت میں شمار کیا ہے اگر یہ آپ کی بات حق ہے تو ان علماء کی تغلیط فرمایئے اور فتوٰی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فرمایئے اور شاہ اسمٰعیل شہید کو بدعت کی تعریف سمجھایئے (چھوٹا منہ اور بڑی بات) بلفظہ ص ۳۰۴ اور نیز لکھتے ہیں کہ مگر یہ شرط ہے کہ کسی جنگلی کا عمل نہ ہو کیونکہ وہ حجت نہیں الخ بلفظہ (ص ۱۳۱) ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح ایک جلیل القدر صحابی کو بار بار جنگلی کے لفظ سے تعبیر کر کے ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور پھر اس جائز کارروائی کو بدعت کہتے ہیں اور پھر کس طرح سب علماء کی طرف اس کے بدعت قرار دینے کی نسبت کرتے ہیں اور کس بیباکی سے صحیح حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور کس دیدہ دلیری سے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ اور حضرت شاہ شہیدؒ کا نامکمل حوالہ دے کر عوام کو مغالطہ دیتے ہیں اس کی بحث ہم نے سماع الموتٰی میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ فرمائیں

یہ واقعہ کسی جنگلی کا نہیں بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلالؓ بن الحارث المزنی (المتوفی سنہ ۶۰ھ) کا ہے۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور سوال شفاعت شرک نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

۴۔ یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کی تائید وتصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث کے تحت سنیت کا ہوگا ورنہ استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہوگا

۵۔ یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے جب دیگر حضرات صحابہ کرامؓ سے بیان فرمایا تو انہوں نے صدق بلالؓ فرما کر اس کی پر زور تائید و تصدیق کی لہذا اس واقعہ کو نرا خواب یا اعرابی اور جنگلی کا قصہ تصور کر کے گلو خلاصی چاہنا یا جلیل القدر اور معروف و مشہور صحابی کو مجہول العین والحال کہنا دین

سے خالص تمسخر اور تلعّب ہے حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنا بمضمون حدیث ما انا علیہ واصحابی باعث نجات اور رشد و فلاح ہے اور خود مؤلف اقامۃ البرہان نے لکھا ہے کہ محمدؒ بن حرب ہلالیؒ کا اتباع ہم پر لازم نہیں لیکن صحابہؓ کے آثار کی پیروی کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے اور ان کے دائرہ عمل سے باہر قدم رکھنا کھلی گمراہی ہے الخ بلفظہٖ (ص ٢٩٠)

علاوہ ازیں اس واقعہ کی حقیقت اور صداقت علماء اسلام کے محتاط طبقہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس فتوٰی سے بھی اُجاگر ہوتی ہے جسے انہوں نے بڑی عقیدت اور محبت کے الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب مغفرت اور سوال شفاعت کی مخلصانہ دُعا سے اپنی معتبر اور مستند کتابوں میں واضح تر الفاظ سے بیان اور نقل کیا ہے اور ہر مسلک اور ہر مکتبِ فکر کے علماء مناسک حج میں اس کو بلا نکیر نقل کرتے چلے آ رہے ہیں اور لاکھوں اور کروڑوں مسلمانوں نے اس پر عمل کیا اور اس وقت بھی اس پر عمل پیرا ہیں اور سچ ہے کہ

ع زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو

اتمام حجّت :۔

اگر استشفاع عند القبر کے منکرین حضرات کو ان صحیح اور ٹھوس حوالوں سے تسکین نہیں ہوتی تو لیجئے ہم اپنے اور ان کے پیر و مرشد المحقق رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کا حوالہ عرض کئے دیتے ہیں (جن سے وابستگی کا زبانی دعوٰی یہ حضرات بھی کرتے ہیں اور حضرت یہ بات محض اپنے قیاس و اجتہاد سے نہیں فرمائی ہے جس میں غلطی کا امکان اغلب ہوتا ہے بلکہ با حوالہ تحریر فرماتے ہیں) ان کا ارشاد یوں ہے۔

وروی البیہقیؒ وابن ابی شیبۃؒ ان بلال بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاء الی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم وقال یا رسول اللہ استسق لامتك فانھم ھلکوا. فاتاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فی المنام واخبرہ انھم یسقون (تحریرات حدیث ص ٢٥٥)

امام بیہقیؒ اور ابن ابی شیبۃؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت بلالؓ ابن الحارث آنحضرت صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کی قبر مبارک پر آئے اور فرمایا یا رسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں کیونکہ وہ ہلاک ہو چلی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو خواب میں ملے اور ان کو خبر دی کہ بارش برسے گی۔ (انشاء اللہ)

اس سے مؤلف ندائے حق کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو گیا جو انہوں نے راقم الحروف کو خطاب کر کے لکھا تھا کہ آپ اپنے مطالعہ کے زور سے ذخیرۂ احادیث میں ایک حدیث ایسی دکھا دیں، جس میں یہ ہو کہ صحابہ کرامؓ بعد وفات النبی آپ سے استشفاع و استغفار کراتے تھے الخ بلفظہٖ (صـ۱۲۹) اور قارئین کرام پہلے پڑھ چکے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحا کرام نے استشفاع عند القبر کے سلسلہ میں حضرت بلالؓ بن الحارث کے اس فعل کی تائید کی ہے وہ حضرات اور کیا کرتے؟

حافظ ابن تیمیہؒ علامہ ابن عبد الہادیؒ اور علامہ آلوسیؒ وغیرہ اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف رائے رکھتے ہیں ان حضرات کی بعض عبارات پر اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی اُدھوری عبارات پر (جن کی بقدر ضرورت بحث سماع الموتیٰ میں ہم نے کر دی ہے) بنیاد رکھتے ہوئے مؤلف اقامۃ البرہان نے یہ فیصلہ دیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک سے استشفاع اجماع صحابہؓ اور تعامل سلف اور تعاملِ جمہور اہل سنت کے سراسر خلاف اور بدعت سیئہ ہے فماذا بعد الحق الا الضلال (بلفظہٖ صـ۳۱۲)

حضرات صحابہ کرامؓ کا استشفاع عند القبر کے بدعت سیئہ ہونے پر اجماع تو درکنار کسی ایک صحابی سے صریح الفاظ میں اس کی نفی ثابت نہیں ہے اور سابق واقعہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اس کارروائی کے جواز پر کافی و شافی دلیل ہے اور علماء کرام جو حضرات فقہاء کرام کی کتابوں پر عبور رکھتے ہیں (جن کے کچھ حوالے ہم نے اسی کتاب میں درج کر دیئے ہیں) اور مناسک الحج کی کتابیں پڑھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ حضرات سلف کا اور جمہور اہل سنت کا تعامل کیا ہے۔ محض لفظوں کے کرتب سے حقیقت ثابتہ کا انکار علماء کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ جو عند القبر استشفاع کو جائز قرار دیتے ہیں اور بڑے ادب و تعظیم کے ساتھ اس کا شرعی اور فقہی طریقہ بتاتے ہیں کیا یہ سب اہلِ سنت کے مسلک کے خلاف تھے؟ اور کیا یہ بدعت سیئہ کے مرتکب اور اس کے مروج تھے؟ اور کیا یہ سب حضرات الا الضلال کا مصداق ہو کر گمراہ قرار پاتے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ دور

ہی اعجاب کل ذی رأی برأیہ کا ہے جس کا جو جی چاہتا ہے کرتا پھرتا ہے۔

منع کی دلیل

ترکِ استشفاع اور ترک الدعاء عند القبر کی سب سے بڑی وزنی دلیل امام ابن تیمیہؒ حافظ ابن القیمؒ اور علامہ ابن عبد الہادیؒ وغیرہ نے یہ پیش کی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ائمہ دینؒ اور سلف صالحینؒ سے ایسی کارروائی ثابت نہیں اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے علاوہ ازیں حضرت ابن عمرؓ جب سفر پر جاتے یا سفر سے واپس تشریف لاتے تو آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر بڑی عقیدت سے یہ فرماتے السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابا بکرؓ۔ السلام علیک یا ابتاہ (یہ الفاظ مصنف عبد الرزاق ج ۳ ص ۵۷۶ اور ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸ طبع ملتان اور وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۹ میں عبد الرزاق کے حوالہ سے بسندِ صحیح اور الصارم المنکی ص ۱۱۶ اور المسلک المتقسط ص ۳۴۱ وغیرہ میں مذکور ہیں) اگر آپؐ سے طلبِ دعا جائز ہوتی تو حضرت ابن عمرؓ اس پر بھی عمل کرتے (محصلہ فتاویٰ ومختصر الفتاویٰ المصریۃ ص ۱۹ وقاعدہ جلیلہ ص ۶۵ و ۱۳۷ واغاثۃ اللہفان ج ۱ ص ۲۰۴ والصارم المنکی ص ۱۱۱ و ص ۱۱۳ وغیرہ)

الجواب

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغالطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرانا اور طلبِ دُعا نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سنّت مؤکدہ تاکہ یہ حضرات اس پر خواہ مخواہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کا روائی کے نہ کرنے پر وہ ملامت کئے جاتے اس کارروائی کے مُقر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلالؓ بن الحارث کا یہ فعل جس کی حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ نے تائید کی ہے کیا کم ہے؟ اگر حضرت ابن عمرؓ صحابی ہیں جنہوں نے ایسا نہیں کیا تو یقین جانیے کہ حضرت بلالؓ ابن الحارث اور ان کی اس کارروائی کے مصدقین بھی صحابہؓ ہی ہیں تصویر کا صرف ایک رُخ ہی نہیں دیکھنا چاہیے دُوسرا رُخ بھی دیکھنا چاہیے اگرچہ حافظ ابن تیمیہؒ اپنی زبان سے حضرات سلفؒ سے یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے بلکہ سختی سے اس کے منکر ہیں لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متاخرین سے ثابت ہے (محصلہ قاعدہ جلیلہ ص ۱۷ بحوالہ ندائے حق ص ۱۲) اور مشہور غیر مقلد عالم سہسوانیؒ لکھتے

ہیں کہ سلف سے یہ ثابت نہیں اور انہی کی پیروی اولیٰ ہے ہاں بعد کو آنے والے اہلِ فضل اور اہل الدین سے یہ کارروائی ثابت ہے (بحوالہ ندائے حق ص۱۲) الغرض نفسِ جواز کے لیے یہ ثبوت کافی ہے علاوہ ازیں جب حضرات صحابہ کرامؓ سے یہ کارروائی ثابت ہے تو منکرین حضرات کا یہ دعویٰ کہ سلف سے یہ ثابت نہیں نری سینہ زوری ہے جو بالکل قابلِ سماعت نہیں ہے

قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ

قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام کا عرض کرنا جیّد حدیث کی روشنی میں اُمت کے تعامل سے اور قبر مبارک پر دعا اور شفاعت کی التجاء کرنا حضرات فقہاء کرامؒ کے فتویٰ سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے جس کا انکار بغیر کسی ضدی اور نِرے متعصّب کے اور کوئی نہیں کرتا اور نہ کر سکتا ہے البتہ اس میں حضرات فقہاء احنافؒ کا آپس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ عرض کرنے والا اپنا رُخ اور چہرہ قبلہ کی طرف پھیر کر سلام وغیرہ عرض کرے یا قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر آپؐ کی قبر مبارک اور مواجہ شریفہ کو ملحوظ رکھ کر یہ کارروائی کرے اکثر عبارات دوسرے قول کی مؤید ہیں جیسا کہ بعض عبارات اسی کتاب میں آپ نے ملاحظہ کر لی ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس سلسلہ میں دو قول منقول ہیں اور راجح دوسرا ہے۔

چنانچہ حضرت ملّا علی القاریؒ لکھتے ہیں

ثم اعلم انہ ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعہ کالکرمانی والسروجی انہ یقف الزائر مستقبل القبلۃ کذا رواہ الحسن عن ابی حنیفۃؒ وقال ابن الھمامؒ وما عن ابی اللیث من ان الزائر یقف مستقبل القبلۃ مردود بما روی ابو حنیفۃؒ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قال من السنۃ ان تأتی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتستقبل القبر بوجھك ثم تقول السلام

تو جان کہ ہمارے بعض مشائخؒ نے جیسے ابو اللیثؒ اور اُن کی پیروی میں کرمانیؒ اور سروجیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ زیارت کنندہ قبلہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہو اور اسی طرح حسنؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے اور ابن الھمامؒ فرماتے ہیں کہ ابو اللیثؒ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زیارت کنندہ قبلہ رُخ ہو کر کھڑا ہو مردود ہے اس حدیث کے رُو سے جو امام ابو حنیفہؒ نے حضرتِ ابن عمرؓ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ سُنّت یہ ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس آؤ اور اپنا رُخ قبر کی

عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته الخ (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط ص ۳۴۷)

طرف کرو اور پھر کہو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الخ

یہ عبارت فتح القدیر ج ۲ ص ۵۹ طبع ہند میں موجود ہے اور علامہ سمہودیؒ نے یہ حوالہ وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۴ میں بھی محقق الحنفیہ کمال بن الہمامؒ کے عنوان سے نقل کیا ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی یہ روایت مسند الامام الاعظمؒ کے حوالہ سے بالسند نقل کی ہے اور آخر میں لکھا ہے

وقد تقرر ان قول الصحابي من السنة كذا محمول على سنته صلى الله تعالى عليه وسلم فله حكم الرفع (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۱۰)

اور یہ بات (اصول حدیث میں) طے شدہ ہے کہ جب صحابی (مطلقاً) من السنۃ کا لفظ کہے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر محمول ہوتی ہے اور وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور استشفاع عند القبر

مشہور محدث قاضی عیاضؒ (جو القاضی العلامہ عالم المغرب اور الحافظ تھے، محدث ابن بشکوالؒ فرماتے ہیں کہ وہ اهل العلم والیقین والذکاء والفهم میں تھے تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۹۶، قاضی ابن خلکانؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں امام الحدیث تھے ج ۱ ص ۹۷، قاضی القضاۃ امام برہان الدین ابراہیم بن فرحونؒ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں حدیث اور اس کے علوم کے امام تھے اور نیز لکھتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے مذہب کے حافظ تھے (الدیباج المذہب ص ۱۶۸ و ص ۱۶۹، ان کی وفات ۵۴۴ھ میں ہوئی تھی) اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ابن حمیدؒ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین ابو جعفر کا حضرت امام مالکؒ سے مسجد نبوی میں مناظرہ ہوا حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو یہ ادب سکھلایا کہ تم اپنی آوازوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو الآیۃ اور ایک قوم کی تعریف کی ہے کہ بلاشبہ جو لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں الآیۃ اور ایک قوم کی مذمت کی ہے سو فرمایا ہے کہ جو لوگ تجھے حجروں کے سامنے سے پکارتے ہیں الآیۃ اور بے شک وفات کے بعد بھی آپؐ کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسا کہ زندگی میں تھی اس پر ابو جعفر نے عاجزی کرتے ہوئے آواز پست کرلی اور حضرت

امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ اے ابو عبد اللہؒ کیا میں قبلہ رُخ ہو کر دعا کروں یا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کروں حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تو کیوں اپنا رُخ آپؐ سے پھیرتا ہے حالانکہ آپؐ ہی (شفاعت کبریٰ کے ذریعے) تیرے اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہوں گے اور آگے فرمایا۔

بل استقبله واستشفع به فيشفعه الله قال الله تعالى وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ الآية (الشفاء ج ۲ ص ۳۲، ۳۳ طبع مصر)	بلکہ آپؐ کی طرف متوجہ ہو اور آپ کو سفارشی بنا اللہ تعالیٰ آپؐ کی سفارش قبول فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اور اگر بے شک جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا الآیۃ

علامہ عبد الکافی السبکیؒ قاضی عیاضؒ کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں وھو اسناد جیّد (شفاء السقام ص ۱۱۵) اور پھر ایک ایک راوی کا حال انہوں نے بیان کیا ہے اور ان کی توثیق کی ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ

فانظر الی ھذہ الحکایۃ وثقۃ رواتھا وموافقتھا لما رواہ ابن وھب عن مالکؒ الخ ص ۱۱۷	تو اس حکایت کو اور اس کے ثقہ راویوں کو دیکھ اور اس کو بھی دیکھ کہ یہ اس روایت کے موافق ہے جو ابن وہبؒ نے مالکؒ سے بیان کی ہے

اس واقعہ کو علامہ سمہودیؒ نے بھی وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۲ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے ثقہ راویوں کی یہ جیّد روایت صاف طور پر یہ بتاتی ہے کہ حضرت امام مالکؒ استشفاع عند القبر کے قائل تھے اور ان کے نزدیک بعد از وفات بھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ الآیۃ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مغفرت کی دعا طلب کرنا ثابت ہے حضرت امام مالکؒ کا یہ استدلال بالکل واضح صحیح اور حق ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ضرب کاری

چونکہ یہ روایت حافظ ابن تیمیہؒ کے مسلک اور ان کے دعویٰ پر ضربِ کاری ہے اور اس میں عند القبر استشفاع حضرت امام مالکؒ جیسی شخصیت سے ثابت ہے اس سے خاصے

پریشان اور برہم ہو کر اصولی طور پر تین جواب انہوں نے دیئے ہیں (۱) کہ یہ حکایت منقطع ہے۔ کیونکہ اس میں محمد بن حمید الرازی نے امام مالک ؒ کو نہیں پایا الخ (۲) محمد بن حمید اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے (قاعدہ جلیلہ ص۱ و ص۲۷) (۳) قاضی عیاض ؒ نے فقہ مالکی کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام مالک ؒ نے فرمایا کہ میں اس کو درست نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا مانگے بس سلام کرے اور چلا جائے (قاعدہ جلیلہ ص۴۳) اور حافظ ابن تیمیہ ؒ کی پیروی میں علامہ ابن عبد الہادی ؒ نے الصارم المنکی ص۲۱۸ تا ۲۲۱ اس پر طویل بحث کی ہے اور اعتراض کے لیے یہی اصول استعمال کئے ہیں جو اوپر بیان ہوئے اور حافظ ابن تیمیہ ؒ کے ان ہی اصولی اعتراضات کو مؤلف اقامۃ البرہان نے ص۲۹۱ تا ۲۹۳ میں خوب پھیلا کر لکھا ہے اور اسماء الرجال کی کتابوں سے محمد بن حمید الرازی کے کذاب اور جھوٹے ہونے کے حوالے بھی نقل کئے ہیں اور لکھا ہے کہ ابن حمید الرازی کے علاوہ اس سند میں کئی مجاہیل ہیں اس لیے امام مالک ؒ سے یہ روایت ثابت نہیں امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ایک حکایت بھی بیان کی ہے جو امام مالک ؒ پر افتراء کی گئی ہے (قاعدہ جلیلہ ص۲۰، اقامہ ص۲۹۳)

الجواب

یہ ساری کاوش بلاوجہ ہے حافظ ابن تیمیہ ؒ بلاشبہ علمی طور پر بڑی شخصیت کے مالک ہیں مگر ان کی طبیعت میں شدت اور حدت بھی بے پناہ تھی جب وہ اپنی شدت پر اتر آتے ہیں تو انہیں بخاری و مسلم کی صحیح روایت حُسِبَتْ عَلَيَّ بِتَطْلِيقَةٍ بھی نظر نہیں آتی اور وہ حالت حیض میں دی گئی طلاق سے بھی کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں (تفصیل کے لیے عمدۃ الاثاث اور سماع الموتیٰ ملاحظہ کریں) اصل بات یہ ہے کہ قاضی عیاض ؒ کی سند میں راوی ابن حمید ہے جس کو حافظ ابن تیمیہ ؒ نے محمد بن حمید الرازی سمجھ لیا ہے اور یہی ان کا کھلم کھلا وہم اور صریح غلطی ہے۔

اولاً اس لیے قاضی عیاض ؒ اپنے وقت میں علم حدیث اور اس کے فنون کے امام تھے اگر یہ راوی محمد بن حمید الرازی ہوتا جو کذاب ہے تو اس سے وہ ہرگز احتجاج و استدلال نہ کرتے۔

ثانیاً اور خود امام ابن تیمیہ ؒ تصریح فرماتے ہیں کہ لم یدرک مالکاً کہ اس کی ملاقات امام مالک ؒ سے نہیں ہوئی تو بلا دلیل اور بلا وجہ ایسا راوی کیوں سمجھ لیا گیا جس کی امام مالک ؒ سے ملاقات

ی نہیں ہوئی وثالثاً یہ راوی محمدؒ بن حمید الیشکری المعمری ہے چنانچہ علامہ السبکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یری راتے ہیں یہ ابوسفیان محمد بن حمید المعمری ہے خطیبؒ فرماتے ہیں کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جنہوں نے امام مالکؒ سے روایت کی ہے اور وہ خود فرماتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ نے جب موطا لکھا تو مجھے دکھلایا (شفاء السقام ص ۱۱۷) امام عقیلیؒ نے ان کو ضعفاء میں لکھا ہے اور کہا ہے فی حدیثہ نظر لیکن ان کے علاوہ باقی تمام آئمہ جرح وتعدیل ان کی توثیق کرتے ہیں چنانچہ ابن معینؒ ایک روایت میں ان کو ثقہ اور ایک میں صدوق کہتے ہیں ابوحاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں ابوداؤد ان کو ثقہ کہتے ہیں اور نسائیؒ ان کو لیس بہ بأس کہتے ہیں اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابوخیثمہؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں اور ابنِ شاہینؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۲) ان کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے (ایضاً) اور حضرت امام مالکؒ کی ۱۷۹ھ میں اور ان کی عدم لقاء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جب کہ امام خطیبؒ کی تصریح موجود ہے کہ حضرت امام مالکؒ سے روایت کرنے والوں میں ان کا نام بھی ہے کما مر البتہ ایک بات علامہ ابن عبدالہادیؒ نے کہی ہے کہ اس سند کے راوی یعقوبؒ ابن اسحاقؒ بن ابی اسرائیلؒ کی لقاء معمریؒ سے نہیں ہوئی۔ معمریؒ کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی ہے اور یعقوبؒ بن اسحاقؒ کی ولادت سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا درمیان کی کڑی غائب ہے بینہما مفازۃ بعیدۃ (الصارم المنکی ص ۲۱۸) لیکن یہ محض تک بندی ہے تاریخ اور دلیل کے لحاظ سے وہ یہ دعویٰ بالکل ثابت نہیں کر سکے ان کا فریضہ تھا کہ وہ تاریخی طور پر یعقوبؒ بن اسحاقؒ کی سنِ ولادت بتاتے تاکہ معاملہ صاف ہو جاتا۔ علامہ عبدالکافیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی اپنے والد اسحاقؒ بن ابراہیمؒ بن کامجراؒ سے (جن کی ولادت ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں اور وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۲۴) اور عمرؒ بن شبہؒ سے بھی روایت ہے (جن کی وفات ۲۰۲ھ میں ہوئی ایضاً ج ۷ ص ۴۶۱ جن کی عمر نوے سال سے متجاوز تھی) جب ان سے روایت ہو سکتی ہے تو تاریخی لحاظ سے معمریؒ سے روایت میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ الغرض اس حکایت کو جھٹلانے اور منقطع اور ساقط الاعتبار قرار دینے کی کوئی ٹھوس اور قابلِ اعتماد دلیل موجود نہیں ہے اس کو جب قاضی عیاضؒ جیسے محدث نقل کرتے ہیں اور

عبدالکافی السبکیؒ اور سمہودیؒ جیسے وسیع النظر عالم باسناد جید کہتے ہیں تو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

علامہ شہاب الدین احمد الخفاجیؒ الشفاء کے اس منقولہ واقعہ کی شرح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

وفی هذا رد علی ما قاله ابن تیمیةؒ
من ان استقبال القبر الشریف فی
الدعاء عند الزیارة امر منکر
لم یقل به احد ولم یرو الا
فی حکایة مفتراة علی الامام
مالک یعنی هذه القصة التی
اوردها المصنف رحمه الله هنا
ولله دره حیث اوردها بسند صحیح
وذکر انه تلقاها عن عدة من ثقات
مشائخه فقوله انها کذب محض مجازفة
من ترهاته وقوله لم ینقل ولم یرو
باطل فان مذهب مالک واحمد و
الشافعی رضی الله تعالی عنهما استحباب
استقبال القبر الشریف فی السلام
والدعاء وهو مسطور فی کتبهم اه
(نسیم الریاض ج ٣ ص ٣٩٨)

اس میں ابن تیمیہؒ کے قول کا رد ہے کہ زیارت کے وقت قبر شریف کی طرف دعا کرتے وقت رخ پھیرنا بری بات ہے اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور نہ کسی سے مروی ہے مگر اس حکایت میں جو امام مالکؒ پر گھڑی گئی ہے یعنی یہی واقعہ جس کو قاضی عیاضؒ نے یہاں نقل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے مصنف کے اصبیں ہونے کی خوبی ہے کہ اس نے صحیح سند کے ساتھ یہ حکایت اپنے متعدد ثقہ مشائخ سے نقل کی ہے ابن تیمیہؒ کا یہ کہنا کہ یہ نرا جھوٹ ہے اٹکل پچو بات ہے جو ان کی بیباکانہ جسارت ہے، رہا ان کا یہ قول کہ یہ کسی سے منقول نہیں اور نہ کسی سے روایت ہے یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ امام مالکؒ اور امام احمدؒ اور امام الشافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت قبر شریف کی طرف رخ کرنا مستحب ہے جیسا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

اور خود حافظ ابن تیمیہؒ کو بھی ان حضرات کے اس مسلک کا اقرار ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

فقال الاکثرون کمالک واحمد وغیرهما

اکثر حضرات جیسے امام مالکؒ اور امام احمدؒ وغیرہ

بسلم علیه مستقبل القبر وهو الذی ذکره اصحاب الشافعی واظنه منقولا عنه الخ (فتاوی ج ۲۷ ص ۱۱۷ طبع جدید)

فرماتے ہیں کہ آپ پر سلام قبر مبارک کی طرف رُخ کر کے کرنا چاہیئے اور اسی کو حضرات شوافعؒ نے ذکر کیا ہے اور میرے خیال میں امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے۔

درایت

رہی حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ بات کہ امام مالکؒ سے مبسوط میں روایت ہے کہ زیارت کنندہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑا ہو کر دعا نہ کرے بلکہ سلام کہہ کر چلا جائے تو اس میں بھی کلام ہے اولاً اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ سے اس کے خلاف بھی روایت موجود ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ اپنی کتاب روس المسائل میں حافظ ابو موسیٰ الاصبہانیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

روی عن مالك بن انس الامام رحمه الله تعالیٰ انه قال اذا اراد الرجل ان یأتی قبر النبی صلی الله علیه وسلم فیستدبر القبلة ویستقبل النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ویصلی علیه ویدعوا اھ

(شفاء السقام ص ۱۱۹)

حضرت مالکؒ ابن انسؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ جب آدمی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس آئے تو قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف رُخ کر کے آپؐ پر صلوٰۃ بھی پڑھے، اور دعا بھی کرے۔

اس میں ویصلی علیہ کے بعد حرفِ عطف کے ساتھ ویدعو کے الفاظ صراحت سے مذکور ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر کے پاس دعا بھی ان کے نزدیک درست ہے وثانیاً اس لیے کہ حضرت امام مالکؒ باہر سے آنے والوں یا سفر پر جانے والوں کے لیے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس وقوف اور سلام و دعا کو درست فرماتے ہیں ہاں اہل مدینہ کے لیے اس کو درست نہیں کہتے چنانچہ خود حافظ ابن تیمیہؒ فقہ مالکیؒ کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ پہ یہ لازم نہیں کہ وہ جب مسجد میں داخل ہوں یا اس سے نکلیں تو قبر مبارک کے پاس ٹھہریں یہ تو باہر سے آنے والوں کے لیے ہے اور

نیز فرمایا کوئی حرج نہیں اس شخص کے لیئے جو سفر سے آئے یا سفر کے لیے نکلے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کے پاس ٹھہرے اور وہاں صلوٰۃ پڑھے اور آپ کیلیے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے لیے دعا کرے۔ حضرت امام مالکؒ سے کہا گیا کہ اہلِ مدینہ کے کچھ لوگ نہ تو سفر سے آئے ہوتے ہیں اور نہ سفر کا ارادہ کرتے ہیں وہ روزانہ ایک دفعہ یا زیادہ یہ کارروائی کرتے ہیں اور بسا اوقات وہ جمعہ کو یا اور ایّام میں ایک دو دفعہ یا زیادہ قبر کے پاس ٹھہرتے ہیں اور سلام کہتے ہیں اور ایک گھڑی دعا کرتے ہیں تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات مدینہ طیبہ میں کسی اہلِ فقہ سے نہیں پہنچی اور اس کے ترک کر دینے میں گنجائش ہے اور اس اُمت کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی صرف اسی طریقہ سے ہو گی جس سے پہلے لوگوں کی اصلاح ہوئی تھی اور مجھے اس امت کے پہلے لوگوں اور اس کی بہترین شخصیتوں سے یہ خبر نہیں پہنچی کہ وہ ایسا کرتے تھے۔

ویکرہ الا لمن جاء من سفر او ارادہٗ (فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۲۷ ص ۱۱۷ طبع جدید و شفاء السقام ص ۲۵)	اور ایسا کرنا مکروہ ہے ہاں مگر جو سفر سے آئے یا سفر کرنے کا ارادہ کرتا ہو۔

اس تفصیلی حوالہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر سلام اور دعا کرنا ان لوگوں کے لیئے مکروہ ہے جو مدینہ طیبہ ہی میں ہمہ وقت مقیم ہوں لیکن ان میں سے اگر کوئی شخص سفر کا ارادہ رکھتا ہو یا سفر سے واپس آیا ہو اور اسی طرح بیرونجگہ مسافروں کے لیے ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے اور اس کی وجہ بھی خود حافظ ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

لان ذلک تحیۃ لہ والمحیا لا یقصد بیتہ کل وقت بخلاف القادمین من السفر اھ (ج ۲۷ ص ۱۱۸)	کیونکہ یہ آپ کو سلام کہنا ہے اور جس کو سلام کہا جاتا ہے ہر وقت اس کے گھر کا قصد نہیں کیا جاتا بخلاف اُن کے جو سفر سے آئیں

اس سے اہلِ مدینہ کے ہر وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر برائے سلام و دعا نہ حاضر ہونے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب دُعا کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقد ذکر جماعۃ منہم الشیخ ابو منصور الصباغ فی کتابہ الشامل الحکایۃ المشہورۃ عن العتبی قال کنت جالسًا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاء اعرابی فقال السلام علیک یا رسول اللہ سمعت اللہ یقول وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا وَقَدْ جِئْتُكَ مُسْتَغْفِرًا لِذَنْبِیْ مُسْتَشْفِعًا بِكَ اِلٰی رَبِّیْ اھ (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۵۲۰)

ایک جماعت نے عتبیؒ سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے جس جماعت میں شیخ ابو منصور الصباغؒ بھی ہیں یہ واقعہ انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں بیان کیا ہے عتبیؒ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے اور اگر بے شک وہ لوگ جب کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پاتے اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں

اس کے بعد اس نے دردِ دل سے چند اشعار پڑھے اور اظہار عقیدت اور جذبۂ محبت کے پھول نچھاور کر کے چلا گیا اور اسی واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت بھی مل گئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عتبیؒ جا کر اس اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔

یہ واقعہ امام نوویؒ نے کتاب الاذکار ص۱۸۵ طبع مصر میں اور علامہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفیؒ الحنفیؒ المتوفی سنہ ۷۱۰ھ نے اپنی تفسیر المدارک جلد ۱ ص۲۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکیؒ نے شفاء السقام ص۴۶ میں اور شیخ عبد الحقؒ نے جذب القلوب ص۱۹۵ میں اور علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ نے رسائل الارکان ص۲۸ طبع لکھنؤ میں نقل کیا ہے اور علامہ علیؒ بن عبد الکافی السبکیؒ اور علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وحکایۃ العتبی فی ذلک مشہورۃ وقد حکاھا المصنفون فی المناسک من جمیع المذاہب

عتبیؒ کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مؤرخین

والمؤرخون وکلہم استحسنوہا الخ (شفاء السقام ص۶۱ نے اس کو ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن
ووفاء الوفا ج۲ ص۴۱۲) قرار دیا ہے۔

اور خطیب قسطلانیؒ اور علامہ زرقانیؒ نے بھی اس الحکایۃ المشہورۃ کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے (المواہب مع الزرقانی ج۸ ص۳۰۶) اور اسی طرح شیخ محمد بخیت الحنفیؒ نے اپنی کتاب تطہیر الفؤاد من دنس الاعتقاد (ص۵، ۲، طبع مصر) میں تذکرہ کیا ہے۔ یہ بات پیش نظر ہے کہ اس واقعہ سے استدلال اس رنگ میں نہیں کہ عتبیؒ کوئی بڑے پارسا بزرگ اور ثقہ راوی تھے جن کی اس کارروائی کی پیروی کی جارہی ہے فرض کیجئے کہ وہ بادہ مست بھی ہوں جیسا کہ بعض کتابوں میں اس کا ذکر بھی ہے اور بعض معاصرین نے اس کو پلّے باندھ لیا ہے بلکہ استدلال اس انداز سے ہے کہ اس کی اس کارروائی کو ہر مکتب فکر کے علماء کرام کی اکثریت نے مستحسن سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے اور تلقی امت اور تعامل علماء و فقہاء سے یہ کارروائی جواز کا درجہ رکھتی ہے حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس دن تم کیوں روزہ رکھتے ہو انہوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکریہ کے طور پر روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ ہمارا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تمہاری نسبت زیادہ ہے آپؐ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور اُمت کو بھی حکم دیا (او کما قال مشکوٰۃ ج۱ ص۱۸۰ وقال متفق علیہ) اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں کہ یہودی یہودیت پر قائم رہ کر ثقہ اور عادل راوی ہو گئے اور اُن کی بات اس لحاظ سے حجت ہو گئی بلکہ ان کا یہ فعل ایک اچھا فعل تھا اس لیے آپؐ نے اس پر خود بھی عمل کیا اور اُمت کو بھی حکم دیا اسی طرح اس واقعہ کو سمجھئے۔ اور اسی طرح دیگر متعدد علماء کرام نے قدیماً و حدیثاً اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ محمد بن حرب ہلالیؒ سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا ہے ولو انہم

اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے الخ اور ابن محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے اھ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اُس وقت نکیر منقول نہیں پس حجت ہو گیا۔ (نشر الطیب ص۲۵۴)

اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ "کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیتِ تمام اُمت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے اُمتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں اھ (آبِ حیات ص۴۰)

اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔	فثبت ان حکم الاٰیۃ باقٍ بعد وفاتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم (اعلاء السنن ج۱۰ ص۳۳۰)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعتِ مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے بلکہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے۔ صریحۃ فی ذٰلك (شفاء السقام ص۱۲۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

علّامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:۔

علماء نے اس آیت کریمہ سے آپ کی زندگی اور موت دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جو شخص آپ کی قبر مبارک پر جائے وہ اس کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اعرابی کی حکایت اس سلسلہ میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے عتبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے۔	والعلماء فهموا من الاٰیۃ العموم بحالتی الموت والحیٰوۃ واستحبوا لمن اتی القبر ان یتلوها ویستغفر اللّٰہ تعالیٰ وحکایۃ الاعرابی فی ذٰلك نقلها جماعۃ من الائمۃ عن العتبی الخ (وفاء الوفا ج۲ ص۱۳۱۱)

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ علماء امت نے اس آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں عموم سمجھ کر آپ کی قبر مبارک پر اس کو پڑھنا مستحب قرار دیا ہے اور یہ صرف آپ کی زندگی ہی سے مخصوص نہیں ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحنبلیؒ اپنی کتاب المستوعب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے آداب میں لکھتے ہیں کہ پھر آپ کی قبر مبارک کی دیوار کے پاس پہنچے اور کنارہ پر قبر مبارک کی طرف رخ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر کر اور منبر کو بائیں طرف کر کے کھڑا ہو اور یہ دعا پڑھے۔

اللهم انك قلت فى كتابك لنبيك عليه السلام وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الاية وانى قد اتيت نبيك مستغفرًا فاسئلك ان توجب لى المغفرة كما اوجبتها لمن اتاه فى حياته اللهم انى اتوجه اليك بنبيك صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وذكر دعاءً طويلاً۔

(وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۳)

اے اللہ تعالیٰ تُو نے اپنی کتاب میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا ہے اور اگر وہ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے الخ اور بیشک میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معافی مانگنے آیا ہوں اور میں تُجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میرے لیے مغفرت لازم کر دے جیسا کہ تو نے اُس شخص کے لیے لازم کی جو آپ کی زندگی میں آپؐ کے پاس آیا۔ اے میرے رب میں تیرے ہاں تیرے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفارشی پیش کرتا ہوں اور پھر لمبی دُعا ذکر کی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (المتوفی ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ سابق مفتی دار العلوم دیوبند ومفتیِ اعظم پاکستان) اپنی معتبر اور مستند علمی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپؐ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اُسی طرح آج بھی روضۂ اقدس پر حاضری اس حکم میں ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آ کر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسولؐ کی خدمت

میں حاضر ہو جاتے اور رسولؐ اس کے لیے دعائے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں اس وقت جو لوگ حاضر تھے ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی قَدْ غُفِرَ لَكَ (بحر محیط) یعنی مغفرت کر دی گئی (معارف القرآن جلد دوم ص۴۵۸، ۴۵۹)

فائدہ :۔ حضرت علیؓ کی اس روایت کے بارے میں علامہ ابن عبد الہادیؒ نے الصارم المنکی ص۲۷۶ میں کڑی جرح کی ہے کہ اس کی سند میں ہیثم بن عدی کذاب راوی ہے اور یہ خبر منکر اور موضوع ہے اور انہی کی پیروی میں اقامۃ البرہان از ص۲۸۴ تا ص۲۸۷ میں اس پر کتب اسماء الرجال سے مفصل بحث کی ہے لیکن علامہ ابن عبد الہادیؒ کا اس کو قطعی طور پر موضوع کہنا صرف ہوائی فائر ہے اس لیے کہ اس روایت کی سند میں جس راوی پر سخت جرح ہوئی ہے وہ ہیثم ہے اور ابن عبد الہادی لکھتے ہیں کہ

واظنہ ابن عدی الطائی فان یکن ھو فھو متروک کذاب والا فھو مجھول الخ (الصارم المنکی ص۲۷۶)	میرا خیال ہے کہ یہ راوی ہیثم بن عدی الطائی ہے پس اگر یہ وہی ہے تو وہ متروک اور کذاب ہے اور اگر وہ نہیں تو وہ مجہول ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب خود علامہ ابن عبد الہادیؒ اس راوی کی تعیین ہی میں متردد ہیں تو ان کو اس کا حق کیسے اور کہاں سے حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ اس حدیث کو موضوع قرار دیں؟ ہاں اگر علی التعیین یہ راوی ہیثم بن عدی طائی ہی ہوتا تو کتب اسماء الرجال سے جتنی جرحیں اس پر نقل کی گئی ہیں کہ وہ کذاب اور متروک ہے وہ بجا ہیں مگر ایسا نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ یہ روایت ضعیف ہوگی لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کرنا ذمہ دار حضرات فقہاء کرام محدثین عظام اور تعامل علماء سے ثابت ہے اس لیے جواز کے مسئلہ کے لیے یہ روایت قابل برداشت ہوگی۔ کیونکہ محدثین کرامؒ کے ہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح بھی معتبر نہیں اور حلال و حرام، طلاق و نکاح وغیرہ کے سلسلہ میں صحیح یا حسن خبر ہی قابل احتجاج ہو سکتی ہے باقی جواز اور استحباب کے لیے ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ

وقال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا الخ
(کتاب الاذکار ص۷ طبع مصر)

علماء محدثینؒ اور فقہاءؒ وغیرہم یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) لکھتے ہیں کہ ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو اس سے استحباب اور جواز ثابت ہو سکتا ہے (فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص۲۶) اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کے حجت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے (دلیل الطالب ص۸۸۹) اور حضرات فقہاء کرامؒ نے استشفاع عند القبر کو جائز ہی کہا ہے جیسا کہ مولانا گنگوہیؒ کی عبارت میں مذکور ہے بالعض نے مستحب کہا ہے جیسا کہ علامہ سمہودیؒ کی عبارت میں مذکور ہے۔

تعامل کس طبقہ کا معتبر ہے؟

اہل علم کی عبارات میں جب یہ آتا ہے کہ علماء نے اس کی تلقی بالقبول کی ہے یا اس پر امت کا تعامل ہے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہر عالم کہلانے والے کی تلقی بالقبول یا تعامل مراد ہے ورنہ ہر بدعت پسند طبقہ جو حظوظِ نفس کے لیے اپنی بدعات کو حرزِ جان قرار دیتا اور اس پر شدت سے کاربند اور مصر ہے اس کا عمل بھی تلقی بالقبول کی مد میں ہوگا حاشا وکلا عالم اور امتی سے وہ عالم اور امتی مراد ہے جو قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کو جاننے والا اور دل و جان سے ان پر عامل اور حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ اور سلفؒ و خلفؒ کے عمل کو صحیح اور ٹھوس حوالوں کے پیش نظر اپنے لیے راہ نجات سمجھے اس لیے ان الفاظ سے دھوکہ نہ دینا چاہیے اور نہ کھانا چاہیے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو صحیح سمجھ نصیب فرمائے (آمین)

محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام الحنفیؒ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضری کے آداب تبلاتے ہوئے یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔

ثم يسأل النبي صلى الله عليه وسلم الشفاعة فيقول يا رسول الله اسألك الشفاعة

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کا سوال کرے پس کہے اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں آپ سے شفاعت کا

یا رسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلمًا علی ملتك وسنتك ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق اھ

(فتح القدیر ج۲ ص۳۳۶ طبع مصر)

یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت کی سوال کرتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں آرزو یہ ہے کہ میں بحالت اسلام آپ کی ملت وسنت پر مروں اور ہر ایسی چیز کا ذکر کرے جو تشفق و ترحم کے قبیل سے ہو۔

قبر مبارک کے پاس شفاعت کی درخواست اس بات پر مبنی ہے کہ قبر شریف میں آپ زندہ ہوں اور آپ کے جسد اطہر سے روح مبارک کا اتصال علاقہ اور تعلق ہو اور شفاعت کی درخواست کرنے والے کی التجا بنفس نفیس خود سماعت فرماتے ہوں، اگر یہ محض توسل کی صورت ہوتی تو قبر کے پاس حاضری کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں یہ تو ہر جگہ ہو سکتی ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں (جس کو سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ المتوفی ۱۱۱۸ھ کے حکم سے تقریباً پانچ سو علماء کرام کی مستند جماعت نے مرتب کیا ہے)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضری اور اپنے معروضات پیش کرنے کے بعد اس کی بھی تصریح کی ہے۔

ویبلغہ سلام من اوصاہ فیقول السلام علیك یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك فاشفع لہ ولجمیع المسلمین اھ

(عالمگیری ج۱ ص۲۸۲ طبع مصر)

جس شخص نے آپ کی خدمت میں سلام کہنے کی تاکید کی ہو آپ کو اس کا سلام بھی عرض کرے پس یوں کہے کہ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا ہے اور وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بناتا ہے سو آپ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے شفاعت کریں۔

اس عبارت میں بھی آپ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کرنے اور شفاعت کی درخواست کرنے کا صراحت و وضاحت سے ذکر ہے۔ اور علامہ بحر العلوم عبد العلیؒ لکھتے ہیں کہ

ثم یسأل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الشفاعۃ فیقول یا رسول اللہ اسئلك

پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرے اور کہے یا رسول اللہ میں آپ کی شفاعت کا

الشفاعۃ یارسول اللہ اسئلك الشفاعۃ واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتك و سنتك الخ

(رسائل الارکان ص۲۸۱ طبع لکھنؤ)

سوال کرتا ہوں یارسول اللہ میں آپ کی شفاعت کا سوال کرتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ میں آپ کی ملت اور آپ کی سنت پر مروں۔

اور پھر آگے لکھا ہے کہ جس شخص نے آپ کے روضۂ اقدس پر سلام عرض کرنے کی وصیت کی ہو، اس کا سلام بھی پہنچائے اور یہ کہے کہ یارسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ کو سلام قبول ہو یا یوں کہے فلاں بن فلاں آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے (رسائل الارکان ص۲۸۲) اور نیز فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضرات شیخین رض کو سلام کہے اور پھر لوٹے (ایضاً)

علامہ سمہودی رح لکھتے ہیں۔

وقال ابو منصور الکرمانی من الحنفیۃ ان کان احد اوصاك بتبلیغ التسلیم تقول السلام علیك یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك بالرحمۃ والمغفرۃ فاشفع (وفاء الوفا ج۲ ص۴۲۳)

امام ابو منصور الکرمانی الحنفی رح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے تمہیں سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو تو تم وہاں کہو یارسول اللہ فلاں بن فلاں کی طرف سے آپ پر سلام ہو وہ آپ کو آپ کے رب کے سامنے رحمت اور مغفرت کے سلسلہ میں سفارشی بناتا ہے پس آپ اس کے لیے سفارش کریں۔

حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب رح سابق مفتی مظاہر العلوم سہارنپور نے بھی اپنی مشہور اور مستند کتاب معلم الحجاج ص۳۲۵ میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنے کا اور ص۳۲۶ میں دوسروں کا سلام آپ تک پہنچانے کا فقہی طریقہ صراحت سے ذکر کیا ہے۔

اور علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی الحنفی رح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے وقت بڑے والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں عرض پیش کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

یارسول اللہ نحن وفدك وزوّار حرمك تشرفنا بالحلول بین یدیك وقد جئناك

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کے پاس وفد کے طور پر آپ کے حرم کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں اور

من بلاد شاسعة وامكنة بعيدة نقطع السهل والوعر بقصد زيارتك لنفوز بشفاعتك والنظر الى مآثرك ومعاهدك والقيام بقضاء بعض حقك والاستشفاع بك الى ربنا فان الخطايا قد قصمت ظهورنا الى ان قال الشفاعة الشفاعة الشفاعة يارسول الله يقولها ثلاثا اھ

(نورالایضاح ص۱۹۱)

ہمیں آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے اور ہم دور دراز شہروں اور بعید جگہوں سے آسان اور دشوار گذار راستے طے کر کے آپ کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں تاکہ آپ کی شفاعت سے کامیابی حاصل کریں اور مبارک نشانات اور مقامات کو دیکھیں اور آپ کے حق کا کچھ حصّہ ادا کریں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کریں کیونکہ گناہوں نے ہماری کمر توڑ دی ہے (پھر آگے فرمایا کہ) شفاعت، شفاعت، شفاعت یا رسول اللہ تین مرتبہ کہے۔

غور فرمائیے کہ کس طرح اس عبارت کے لفظ لفظ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فداہ ابی وامّی کی تعظیم وعقیدت محبّت ومودّت اور الفت ورأفت کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے اور کس نیازمندانہ اور عاجزانہ انداز میں آپ سے شفاعت کی التجاء کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اہل اسلام کو سمیت اس حقیر پُرتقصیر کے بار بار روضۂ اقدس پر حاضری کا شرف مرحمت فرمائے۔ اے خالقِ بے نیاز کیا زندگی میں آئندہ بھی وہ دن آئے گا کہ ؎

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاکِ در رسول کو سُرمہ بنائیں ہم

اور علّامہ شرنبلالیؒ نے پھر آگے حضرات شیخینؓ کی قبور کے پاس حاضری دینے کا مستحب طریقہ تبلاتے ہوئے نہایت والہانہ انداز میں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ:-

جئنا كما نتوسل بكما الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ليشفع لنا ويسأل الله ربنا ان يتقبل سعينا ويحيينا على ملّته ويميتنا عليها ويحشرنا في زمرته الخ

(نورالایضاح ص۱۹۱)

ہم تم دونوں کے پاس آئے ہیں تمہیں بطور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ آپ ہمارے لیے شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے جو ہمارا رب ہے سوال کریں کہ وہ ہماری سعی کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ کی ملّت پر زندہ رکھے اور اسی پر وفات دے اور آپ کے گروہ میں ہمارا حشر کرے (آمین ثم آمین)

علّامہ السید احمد طحطاویؒ الشفاعۃ کے جملہ کی شرح کرتے ہوتے لکھتے ہیں کہ:۔

ای نطلب منك الشفاعة:
(طحطاوی ص۴۰)

یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہم آپ سے شفاعت کرنے کی التجاء کرتے ہیں۔

مشہور فقیہ عبدالرحمٰن بن الشیخ محمد بن سلیمان الحنفی المعروف بداماد آفندیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ويقول السلام عليك يا رسول الله اسئلك الشفاعة الكبرىٰ واتوسل بك الى الله تعالىٰ فى ان اموت مسلماً على ملتك وسنتك الخ
(مجمع الانهر ج۱ ص۳۱۳ فى شرح ملتقى الابحر)
مؤلفہ العلامۃ ابراهيم بن محمد الحلبى الحنفىؒ المتوفى ۹۵۶ھ)

اور کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ تعالیٰ کے رسول میں آپ سے بڑی شفاعت مانگتا ہوں اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کرتا ہوں کہ میں آپ کی ملّت و سنّت پر مسلمان ہوتے ہوئے مروں۔

اور اس سے قبل ج۱ ص۳۱۲ میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں من صلّی علیٰ قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیاً بلغتہ

حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فاذا صلّى تحية المسجد اتى القبر الكريم فاستقبله واستدبر القبلة على نحو اربع اذرع من جدار القبر وسلّم مقتصداً لا يرفع صوته السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا خيرة الله من خلقه السلام عليك يا حبيب الله الى ان قال فيتوسل به فى حق نفسه ويستشفع به الى ربه سبحانه وتعالىٰ ويدعو لنفسه ولوالديه واصحابه واحبابه ومن احسن اليه وسائر

جب وہ تحیۃ المسجد ادا کرے تو قبر مبارک کے پاس جائے اور اس کے سامنے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ پھیر دے اور قبر مبارک کی دیوار سے تقریباً چار ہاتھ دور کھڑا ہو اور میانہ روی اختیار کرے اور آواز بہت زیادہ بلند نہ کرے اور کہے السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا حبیب اللہ اور سلام ہو تجھ پر اے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے چنے ہوئے (پھر آگے فرمایا) سو اپنے نفس کے حق میں آپ کا توسل کرے اور پروردگار کے سامنے آپ کو سفارشی بنائے اور اپنے والدین اور دوستوں اور

المسلمین اھ (کتاب الاذکار ص۱۸۲ طبع مصر)

جس نے بھی اس سے حسن سلوک کیا ہے اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

نیز حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ویتوسل بہ فی حق نفسہ ویتشفع بہ الیٰ ربہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ ومن احسن ما یقول ما حکاہ اصحابنا عن العتبی مستحسنین لہٗ قال کنت جالسًا عند قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فجاء اعرابی فقال السلام علیک یا رسول اللہ الخ (الایضاح فی مناسک الحج ص۴۹۸ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے نفس کے بارے میں وسیلہ بنائے اور آپؐ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنائے اور اچھی بات وہ ہے جو ہمارے شوافع حضرات نے عتبیؒ سے حکایت کی اور اس کو انہوں نے اچھا سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کی قبر مبارک کے پاس تھا ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ الخ

علامہ رحمۃ اللہ السندھیؒ اور حضرت ملا علی القاریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ثم ای فی تلک الساعۃ یطلب الشفاعۃ ای فی الدنیا بتوفیق الطاعۃ وفی الآخرۃ بغفران المعصیۃ فیقول یا رسول اللہ اسألک الشفاعۃ ثلاثًا لانہ اقل مراتب الالحاح لتحصیل المنال فی مقام الدعاء والسؤال ولا یبعد ان یکون اشارۃ الیٰ طلبہا فی المقامات الثلاثۃ من الدنیا والبرزخ والآخرۃ والمراتب المرتبۃ من الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ اھ (لباب المناسک مع شرح المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص۳۳۹ طبع مصر)

پھر اس گھڑی شفاعت طلب کرے دنیا میں اطاعت کی توفیق کی اور آخرت میں گناہ کی بخشش کی اور تین مرتبہ کہے یا رسول اللہ میں آپ سے شفاعت طلب کرتا ہوں کیونکہ دعا اور سوال کے مقام پر مقصد حاصل کرنے کے لیے یہ عاجزی کے اقل مراتب ہیں اور بعید نہیں کہ دنیا۔ برزخ اور آخرت کے تین مقامات میں طلب شفاعت کی طرف اشارہ ہو اور ان تین بالترتیب مراتب کی طرف بھی اشارہ ہو جو شریعت طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔

احناف کے ان دو بزرگ علماء نے قبر مبارک پر طلب شفاعت کا مستحسن ہونا اور اس کا طریقہ

بتایا ہے اور نیز یہ دونوں بزرگ لکھتے ہیں (ہم صرفی بحث سے صرف نظر کرتے ہوئے معنی کرتے ہیں)

وحسن ای بصیغة الوصف او الماضی ای ویستحسن ان یقول ای کما قال اعرابی مقبول اللهم انك قلت وانت اصدق القائلین وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ای تائبین فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ ای عن ظلمة المعصیة وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ای بالشفاعة لردهم الی الطاعة لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا ای قابلا لتوبتهم رَحِیْمًا بعصمتهم جئناك ای فقد اتیناك ظلمین لانفسنا مستغفرین من ذنوبنا ای ومستشفعین بك الی ربنا فاشفع لنا ای الی ربك واسأله ان یمن علینا بسائر طلباتنا بکسر فسکون ای مطلوباتنا وسؤلاتنا الخ (لباب المناسك مع المسلك المتقسط ص۳۴)

اور مستحسن ہے کہ زیارت کنندہ کہے جیسا کہ ایک مقبول (بارگاہِ الٰہی) اعرابی نے کہا تھا اے اللہ تعالیٰ تو نے فرمایا اور تُو سب کہنے والوں میں زیادہ سچا ہے اور اگر وہ جب کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس توبہ کرتے ہوئے آتے اور اپنے گناہ کی تاریکی سے وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا اور ان کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ان کے طاعت کی طرف لوٹنے کی شفاعت کر کے استغفار کرتے تو اللہ تعالیٰ کو وہ توبہ قبول کرنے والا اور ان کے بچاؤ پر مہربان پاتے سو بے شک ہم اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے معافی چاہتے ہوئے آئے ہیں ہم آپ کو اپنے رب کے ہاں سفارشی بناتے ہیں سو آپ اپنے رب کے ہاں ہماری سفارش فرمائیں اور آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ ہمارے مطلوبات اور سوالات پورے فرما کر ہم پر احسان فرماتے۔

اور پھر آگے حضرات شیخینؓ (حضرت ابوبکر رض اور حضرت عمر رض) پر سلام کہنے کا طریقہ اور تعظیم و عقیدت کا سبق دیتے ہوئے علامہ رحمت اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں (اور حضرت ملا علی القاریؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے ان کی مکمل تائید کرتے ہیں)

جئنا یا صاحبی رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم زائرین لنبینا وصدیقنا وفاروقنا ونحن نتوسل بکما الی رسول الله صلی الله علیه وسلم لیشفع لنا الی ربنا

اے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دو ساتھیو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق رض اور فاروق رض کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور ہم تم دونوں کو آپؐ کے ہاں وسیلہ بناتے ہیں تاکہ آپؐ ہمارے

ای فی مغفرۃ ذنوبنا الخ (ایضاً ص۳۴)

لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے سفارش کریں اھ

علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۹۹ھ) لکھتے ہیں کہ

وقد اطبق الائمۃ الحنفیۃ علی سنیۃ زیارۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وزیارۃ صاحبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما والسلام علیہم و طلب الشفاعۃ منہم فلو کانوا قائلین بعدم سماع النبی والصاحبین لکان کلامہم متناقضاً اھ (المنحۃ الوھبیۃ ص۱۲)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں ساتھیوں کی زیارت کے سنت ہونے اور ان پر سلام کہنے اور ان سے شفاعت طلب کرنے پر علماء احناف کا اتفاق ہے اگر یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صاحبینؓ کے عدم سماع کے قائل ہوتے، (جیسا کہ وہم کیا گیا ہے) تو ان کا کلام متناقض ہوتا۔

یہ عبارت بڑی واضح اور روشن ہے جس سے حضرات فقہاء احناف کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

علامہ سمہودیؒ لکھتے ہیں کہ

وقال الکرمانی من الحنفیۃ اذا اختار الرجوع یستحب لہ ان یأتی القبر الشریف ویقول بعد السلام والدعاء ودعناك یا رسول اللہ غیر مودع ولا سامحین بفرقتك نسألك ان تسأل اللہ تعالیٰ ان لا یقطع آثارنا من زیارتِ حرمك وان یعیدنا سالمین غانمین الی اوطاننا وان یبارك لنا فیما وھب لنا وان یرزقنا الشکر علی ذلك الخ (وفاء الوفا ج۲ ص۴۵۲)

احناف کے فقیہ کرمانیؒ نے کہا ہے کہ جب زیارت کنندہ واپس لوٹنے کا قصد کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ قبر شریف پر جائے اور سلام و دعا کے بعد کہے یا رسول اللہ ہم آپ سے رخصت ہو رہے ہیں لیکن رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا اور نہ آپ کی جدائی کو خوشی سے گوارا کرتے ہیں ہم آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں کہ وہ آپ کے حرم شریف کی زیارت سے ہمارے آثار نہ مٹائے اور ہمیں سلامت اور غنیمت کے ساتھ ہمارے اوطان کی طرف لوٹائے اور جو کچھ اُس نے ہمیں دیا ہے اس میں برکت دے اور ہمیں اس پر شکر کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)،

علامہ ابن عابدین الشامیؒ فرماتے ہیں کہ

يستحب له اذا عزم على الرجوع الى اهله ان يودع المسجد بصلوٰة ويدعو بعدها بما احب وان يأتي القبر الكريم فيسلم ويدعو ويسأل الله تعالیٰ ان يوصله الى اهله سالماً ويقول غير مودع يا رسول الله ويجتهد في خروج الدموع فانه من امارات القبول اھ (شامی ج ۲ ص ۳۵۲ طبع مصر)

جب زیارت کنندہ اپنے گھر کو لوٹنے کا ارادہ کرے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ مسجد (نبوی) میں نماز پڑھ کر رخصت ہو اور اس کے بعد جو پسند ہو دعا کرے اور قبر مبارک کے پاس آئے اور سلام کہے اور دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ اسے سلامتی سے اس کے گھر لوٹائے اور کہے یا رسول اللہ آپ سے رخصت ہونے پر دل آمادہ نہیں اور کوشش کرے کہ آنسو نکلیں کیونکہ یہ قبولیت کی نشانیوں میں سے ہے۔

چونکہ علامہ شامیؒ عند القبر آپؐ کے سماع کے قائل ہیں سماع الموتیٰ میں ہم نے ان کا حوالہ عرض کر دیا ہے اس عبارت میں وہ آپ سے خطاب کرتے ہوئے آپ کے فراق اور جدائی کا والہانہ اظہار فرماتے اور اس کا طریقہ بتاتے ہیں۔

- ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ علامہ ابن حجرؒ کی الجوہر المنظوم کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:-

روی عن علیؓ انه بعد دفنه صلی علیه وآله وسلم جاء اعرابی فقال یا رسول الله جئتك لتستغفر لی الی ربی فنودی من القبر الشریف قد غفر لك وانت صفية عمة النبی صلی الله علیه وآله وسلم بعد وفاته (فقالت) الا یا رسول الله انت رجائنا ۔ وکنت بنا برا ولم تك جافيا۔ وسمع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم ولم ینکرها احد۔

(تحریرات حدیث ص ۲۵۶)

حضرت علیؓ سے روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دفن کیے جانے کے بعد ایک اعرابی آیا سو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لیے میرے رب سے مغفرت طلب فرمائیں پس قبر مبارک سے آواز آئی کہ بیشک تیری مغفرت ہو چکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ آپ کی وفات کے بعد آئی اور اس نے یہ شعر پڑھا خبردار! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ میری اُمید ہیں اور آپ ہم پر مہربان تھے اور آپ سخت مزاج نہ تھے حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ سنا اور کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا

سند اور تاریخ کے لحاظ سے یہ واقعہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟ یہ اپنے مقام کی بحث ہے۔ مگر

حضرت مولانا حسین علی صاحب نے اس واقعہ کو مقام استدلال میں پیش کیا ہے اور اس کی یہاں تردید نہیں فرمائی اور تعامل امّت کی وجہ سے گویا انہوں نے اس کو صحیح سمجھا ہے اور ہمارا استدلال بھی اسی پہلو سے ہے حضرت مرحوم نے تفسیر بے نظیر ص۵۲ میں علامہ ابن عبد الہادیؒ کے نظریہ کی پیروی کرتے ہوئے اس روایت کے راوی ہیثم بن عدی الطائی پر کڑی جرح نقل کی ہے۔ لیکن پہلے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ خود علّامہ موصوفؒ اس راوی کی تعیین میں متردد ہیں تو وثوق کے ساتھ اس روایت کو موضوع اور ساقط الاعتبار قرار دینا بے جا ہے۔

ان تمام ذمہ دار فقہاء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کی روشن عبارات سے یہ بات واضح سے واضح تر ہو گئی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر شفاعت کی التجاء کرنا جائز صحیح اور درست ہے۔ حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمہ اللہ نے فقہاء کرامؒ کی انہی عبارات کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ "اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی دلیل ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استشفاع تو حضرات فقہاء کرامؒ کے نزدیک ایک مسلّمہ حقیقت ہے بلکہ حضرت ملا علی القاری حاجی کو ہدایت کرتے ہوئے شہدائے اُحد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

ولا تترك اتيان زيارتهم واستدعاء شفاعتهم (شرح شفاء ج ۲ ص ۵۲ طبع مصر)	اور تم شہداء (اُحد) کی زیارت کو مت ترک کرنا اور نہ ان سے شفاعت کی التجاء سے گریز کرنا۔

اور حضرت مولانا گنگوہیؒ لکھتے ہیں کہ:-

پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلہ سے دعا کرے اپنی شفاعت چاہے اور کہے یا رسول اللہ اسئلك الشفاعة واتوسل بك الی اللہ فی ان اموت مسلماً علی ملتك و سنّتك ان الفاظ میں اور جتنا چاہے زیادہ کر سکتا ہے مگر وہ سب کلمات ادب اور عاجزی کے ہوں لیکن سلفؒ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر الفاظ جتنے کم ہوں مستحسن ہے اور بہت تیز آواز سے نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب کے ساتھ عرض کرے اور جس طرف سے سلام کہنا ہو اس طرح عرض کرے۔ السلام علیك یا رسول اللہ من فلان بن فلان یستشفع بك الی ربك الخ

(زبدۃ المناسک ص ۱۴۰ و ۱۴۱ طبع کراچی)

اور پھر ص ۱۴۲ و ص ۱۴۳ میں حضرات شیخین رح سے سلام عرض کرنے کا طریقہ اور اُن کے توسل سے دُعا کرنے اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ہاں سفارشی بنانے کا صراحت سے تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرات فقہاء کرامؒ کی ان عبارات کے جوابات

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کی درخواست کرنا اور اس کا جواز و استحباب تو فارئین کرام کو مذکورہ بالا حوالوں سے بخوبی معلوم ہو گیا ہے اسی طرح حضرات شیخین رضؓ کی قبور پر حاضر ہو کر سلام کہنا اور ان سے توسّل کرنا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ہاں سفارشی بنانا بھی آپ کو معلوم ہو چکا ہے ان عبارات سے گلو خلاصی کے لیے ہمارے معاصرین کرم فرماؤں نے جو چور دروازے اپنے لیے تلاش کئے ہیں جن سے وہ خود بھی نکل کر بھاگنا چاہتے ہیں اور اپنے ان حواریوں کو بھی گزارنا چاہتے ہیں جو اکابر کے دامن سے البتہ رہنے کو ایک گونہ عار سمجھتے ہیں اور ان سے کٹ اور ہٹ کر الگ تھلگ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ جوابات ہم انہی کی عبارات میں عرض کر رہے ہیں۔

چنانچہ مؤلف ندائے حق استشفاع عند القبر کی تردید کرتے ہوئے اور تسکین الصدور میں عالمگیری وغیرہ سے پیش کردہ حوالوں کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۱) خلاصہ یہ نکلا کہ شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) سے درخواست کہ تم حضورؐ کو کہو کہ خدا سے کہیں کہ وہ ہماری مغفرت کرے یعنی واسطہ در واسطہ بریلویوں سے ایک قدم آگے وہ تو کہتے ہیں اپنے فقیر میری تیرے آگے اور تیری اللہ کے آگے (دعاء و التجاء) ہے۔ اور یہ نیا سیتی دیوبندی فرماتے ہیں ہماری ابوبکر و عمر کے آگے اور ان کی حضور کے آگے اور پھر حضور کی اللہ کے آگے واہ ری دیوبندیت جدیدہ ترمیم شدہ۔

ناظرین اب انصاف سے بتائیں کہ مشرکین مکہّ کو جو کوسا جاتا ہے ان کا کیا قصور تھا جو حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و دیگر انبیاء و اولیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ الخ (ندائے حق ص ۶۷ بقدر الحاجۃ)

الجواب :۔

اگر حافظ ابن الہمامؒ مصنفین عالمگیری (اپنے وقت کے پانچ سو جید اور محقق علماء احناف رح نے اس کو

سلطان عالمگیرؒ کے حکم سے مرتب کیا تھا) علامہ شُرنبلالیؒ السید احمد طحطاویؒ علامہ رحمۃ اللہ سندھیؒ ملا علی القاریؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ وغیرہ وغیرہ حضرات بقول مولف ندائے حق اس کارروائی میں مشرکین مکہ کے پیروکار ہیں یا یہ سب حضرات بنا سُنّی دیوبندی ہیں یا یہ جملہ حضرات ترمیم شدہ دیوبندیّت کی راہ پر گامزن ہیں تو صاف لفظوں میں سُن لیجئے کہ ہم سواتی برادران بھی انہی حضرات کے دامن سے وابستہ ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں اس پر فخر ہے اور ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی حضرات کے مسلک پر رکھے اور قیامت کے دن انہی حضرات کے ساتھ ہمارا حشر ہو آپ اپنے لیے جو راستہ چاہیں اختیار کرلیں۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

غور فرمایئے کہ مولف ندائے حق نے کس جرأت اور بے باکی سے ان اکابر علماء ملت کی کڑی مشرکین مکّہ سے جا ملائی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

نجدیوں سے بھی دو قدم آگے

موجودہ دَور کے نجدی علماء جو توسّل وغیرہ کے مسائل میں خاصے متشدد اور اپنی سطحیت اور ظاہریّت میں بہت مشہور ہیں وہ بھی اس مسئلہ میں کفر و شرک کا فتوٰی لگانے سے گریز کرتے ہیں اس کو صرف بدعتِ شنیعہ کہتے ہیں چنانچہ وہ یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔

کلام الناس فی مسئلۃ سوال اللہ بالمخلوق	اللہ تعالیٰ سے مخلوق کے واسطہ سے سوال کرنے کے بارے میں لوگوں کا کلام

اور آگے لکھتے ہیں:۔

بان الذی نعتقدہ انا لانکفر بھا احدًا بل نقول ھی بدعۃ شنیعۃ نھی عنھا السلف الخ (الدرر السنیۃ فی الاجوبۃ النجدیۃ ج ۱ ص ۱۱۴)	جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم اس کی وجہ سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ ایک بُری بدعت ہے جس سے سلفؒ نے منع کیا ہے۔

حضرت بلالؓ بن الحارثؓ کا واقعہ جس کی تائید و تصدیق خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ نے کی آپ پہلے پڑھ چکے ہیں آپ اس کی روشنی میں بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کیا حضرات سلفؒ

نے اس سے منع کیا ہے یا اس کی اجازت دی ہے؟ نیز آپ حضرات فقہاء کرامؒ کی صریح عبارات پڑھ چکے ہیں جن سے اس کا روائی کا جواز اور استحباب ثابت ہے اور بدعت شنیعہ جائز اور مستحب نہیں ہوتی قطع نظر اس سے نجدیوں کا فتویٰ بھی دیکھئے کہ وہ اس مسئلہ میں تکفیر نہیں کرتے لیکن مؤلف ندائے حق ہیں جو ان اکابر فقہاء امت کی کڑی مشرکین مکہ سے ملانے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں فالی اللہ المشتکٰی باقی مؤلف ندائے حق کا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک (اور اسی طرح حضرات شیخینؓ کی قبور) کے پاس سفارش کی التجاء اور شفاعت کی درخواست کو ھٰؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ کا مصداق قرار دینا خالص تحریف ہے کیونکہ اگر عند القبر شفاعت کی التجاء اس کا مصداق ہوتی تو حضرت بلالؓ بن الحارثؓ، حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ اور فقہاء امت پر یہ بات واضح ہوتی اور وہ اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے کیونکہ یقینی بات ہے کہ وہ حضرات قرآن کریم اور اس کی تفسیر اور اس کے معانی و مطالب کو مؤلف ندائے حق اور اُن کے مشیروں سے زیادہ جانتے تھے۔ الغرض اس مسئلہ سے یہ آیت کریمہ بالکل غیر متعلق ہے اس سے غائبانہ شفاعت مراد ہے جس سے علم الغیب اور حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے جو خالص شرک ہے بقدر ضرورت اس کی بحث ہم نے سماع الموتٰی میں کر دی ہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ استمداد عند القبر کے جواز اور عدم جواز میں خاصا اختلاف نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو مائۃ مسائل ص۳۶، ۳۷ اور مسائل اربعین مسئلہ ص۴ میں جو یہ لکھتے ہیں۔

"حق آنست کہ انکار فقہاء عام است از آنکہ استمداد از قبور انبیاء کنند یا از قبور غیر ایشاں ہمہ جائز نیست"۔

تو بظاہر اس سے اہل قبور سے مرادیں مانگنا مراد ہے ورنہ استشفاع عند القبر تو اکثر اور عام فقہاء کے نزدیک جائز ہے کما مر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے دو فتوے عرض کر دیں تاکہ بات کی تہہ تک پہنچنا آسان ہو جائے۔

سوال: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اولیاء کرام و شہداء و صلحائے عالی مقام سے بعد وفات کے اس طور سے استمداد درست ہے یا نہیں کہ اے فلاں بزرگ حق تعالیٰ سے میری حاجت روائی کے لئے آپ عرض کریں اور میری سفارش کریں اور میرے لیے دعا کریں؟

جواب: ۔ استمداد اموات سے بلا شُبہ بدعت ہے خواہ قبر کے پاس استمداد کی جاوے یا غائبانہ ہووے صحابہؓ و تابعینؒ کے زمانے میں یہ امر نہ تھا لیکن اس بارہ میں اختلاف ہے کہ استمداد کرنا بدعتِ حسنہ ہے یا بدعتِ سیئہ ہے ۔ اور طریقہ استمداد کے مختلف ہونے سے استمداد کے بارہ میں کیا حکم بھی مختلف ہوتا ہے؟ تو اگر استمداد اس طریقے سے کیا جاوے جو سوال میں مذکور ہے تو ظاہراً جائز ہے اس واسطے کہ اس صورت میں شرک لازم نہیں آتا جیسا کہ بزرگوں سے بحالتِ حیات استمداد کرنا اس طور سے جائز ہے کہ اُن سے عرض کیا جاوے کہ درگاہ الٰہی میں میری حاجت روائی کے لیے آپ دعاء و التجاء کریں اور اگر اموات سے استمداد کسی دوسرے طریقے سے ہو تو اس طریقے کے موافق حکم ہوگا الخ (فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۱۸۷ مترجم اردو و اصل فارسی ج ۱ ص ۸۹ طبع مجتبائی دہلی)

اس کے بعد انہوں نے حضرت عثمانؓ بن حنیف کی اس روایت کا ذکر کیا ہے جو ترمذی اور مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالہ سے آگے آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک یہ کاروائی شرک اور ناجائز نہیں بلکہ جائز ہے ہاں البتہ وہ اس پر بدعت حسنہ کا اطلاق کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانے میں نہ تھا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ بن الحارث اور حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی کاروائی ان کے پیش نظر نہیں ہے ورنہ وہ ایسا نہ فرماتے بہر حال کچھ بھی ہو وہ اس کاروائی کو جائز قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے وھو المطلوب۔

حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی ایضاح الحق الصریح ص ۸۰ کی عبارت کا جواب ہم نے سماع الموتٰی میں عرض کر دیا ہے اس کو وہیں ملاحظہ کر لیں (ان کی عبارت سے مؤلف ندائے حق نے ص ۱۱۹ میں استدلال کیا تھا)

نیز حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

واما استمداد باہل قبور در غیر نبی صلی اللہ تعالیٰ	بہر حال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر
علیہ وآلہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ
آنرا بسیارے از فقہاء مے گویند کہ نیست زیارت	(کیونکہ ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں (فتاوٰی رشیدیہ)

مگر برائے رسانیدن نفع باموات بدعاء و استغفار وقائل گشته اند بآں بعضے از ایشاں وظاہر است کہ از فقہاء آنانکہ قائل بسمع وادراک اند قائل بجواز اند وآنانکہ منکر اند آں را نیز انکار کنند وآں امریست ثابت ومقرر نزد مشائخ صوفیہ اہل کشف وکمال تا آنکہ گویند اکثرے را فیوض وفتوح از ارواح رسیدہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ کہ قبر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تریاق مجرب است مراجابت دعا را اھ

(فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص۱۰ طبع مجتبائی دہلی)

باقی اہل القبور سے مدد طلب کرنے کے بہت سارے حضرات فقہاء کرامؒ منکر ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زیارت کا یہی مطلب ہے کہ مُردوں کو دعاو استغفار سے نفع پہنچایا جاوے اور بعض فقہاء کرامؒ اس کے جواز کے قائل ہیں اور ظاہر ہے کہ فقہاء میں سے جو میت کے سماع اور ادراک کے قائل ہیں وہ اس کے بھی قائل ہیں اور جو اُس کے منکر ہیں وہ اِس کے بھی منکر ہیں اور یہ امر مشائخ صوفیاء میں سے اہلِ کشف و کمال کے ہاں ثابت اور محقق ہے وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اکثر کو فیوض اور اشکالات کا حل ارواح سے ہوا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی قبر اجابتِ دعا کیلیے تریاق مجرّب ہے۔

اور پھر اس کی مزید بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود را از جناب عزّت الٰہی بتوسل روحانیہ بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است وگوید خداوندا ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردۂ او را برآوردہ گرداں حاجت مرا یا ندا کند آں بندۂ مقرب ومکرم را کہ اے بندۂ خدا وولی وے شفاعت کن مرا وبخواہ از خدائے تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ وقادر ومعطی ومسئول پروردگار است تعالیٰ شانہ ودروے ہیچ شائبہ شرک نیست

استمداد کی صورت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ سے طلب کرتا ہے مگر توسل اُس بندہ کے جو اللہ تعالیٰ کے دربار میں مقرب و مکرم ہے اور کہتا ہے کہ اے پرودگار اس بندہ کی برکت سے جس کو تو نے اپنی رحمت اور اکرام سے نوازا ہے میری حاجت پوری کردے اور یا اس بندہ مقرب و مکرم کو ندا کرتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے ولی آپ میرے لیے سفارش کریں اور اللہ تعالیٰ سے میرے مطلوب کی التجا کریں کہ وہ میری حاجت پوری کردے سو اس صورت میں بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے قادر اور دینے والا اور جس سے

چنانکہ منکر وہم کردہ و آں چناں است کہ توسّل وطلب دعا از صالحاں و دوستانِ خدا در حالت حیات کنند و آن جائز است باتفاق پس آں چرا جائز نباشد و فرقے نسبت در ارواح کاملاں درحین حیات وبعد از ممات مگر در ترقی کمال اھ

فتاوی عزیزی ج۲ ص۱۰۸)

سوال کیا گیا ہے وہ صرف پروردگار ہے اور اس صورت میں شرک کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے جیسا کہ منکر نے وہم کیا ہے اور یہ صورت ویسی ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں اور ولیوں سے ان کی زندگی میں اُن سے توسّل اور طلبِ دعا کی جاتی ہے اور وہ بالاتفاق جائز ہے تو یہ صورت کیوں جائز نہیں ہے؟ اور کاملین کے ارواح میں زندگی اور بعد از وفات میں کوئی فرق نہیں ہاں مگر (بعد از وفات) ترقی کمال میں (جو پہلے سے بعد از وفات زیادہ ہوتی ہے)

حضرت شاہ صاحبؒ کی اس مفصل عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کے پاس شفاعت طلب کرنے اور توسّل کا مذکورہ بالا طریقہ جائز ہے اس میں شرک کا شائبہ تک نہیں ہے۔

الغرض حضرات فقہاء کرامؒ نے عند القبر جس توسّل اور استشفاع کا ذکر کیا ہے یہ صورت جائز ہے اور وہ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ کی مد اور زد میں کسی طرح بھی نہیں آتی محض کوئی تحکم اور سینہ زوری کا مظاہرہ کرنا چاہے تو اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

مغالطہ: عند القبر سوال کی ایک اور صورت بھی ہے جو خالص کفر و شرک ہے اور سطحی قسم کے لوگ پہلی صورت اور اس میں فرق نہ کرنے یا نہ سمجھنے کی وجہ سے اُلجھن میں پڑ جاتے ہیں اور اس صورت کا حکم پہلی صورت پر چسپاں کر دیتے ہیں جس سے خود مغالطہ کھاتے اور دوسروں کو مغالطہ میں ڈالتے ہیں چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ ایک اور مقام میں اہل قبور سے مدد مانگنے کی طویل بحث کرتے ہوئے اور اس کی قسمیں بتاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

دوم آنکہ چیزیکہ خصوصیت بجناب الٰہی دارد مثل دادن فرزند یا بارش باران یا دفع امراض یا طول عمر و مانند ایں چیزہا بے آنکہ دعا و سوال از جناب الٰہی در نیت منظور باشد از مخلوقے درخواست

دوم یہ کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً اولاد دینا یا بارش نازل کرنا یا بیماریاں دور کرنا یا عمر لمبی کرنا اور اسی طرح کی اور اشیاء اگر دعا و سوال کے وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنا نیت میں

نمایند این نوع حرام مطلق بلکہ کفر است و اگر از مسلمانان کسے از اولیائے مذہب خود خواہ زندہ باشند یا مُردہ این نوع مدد خواہد از دائرہ مسلمانان خارج مے شود اھ

(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۳۳ و ۳۴)

ملحوظ نہ ہو اور مخلوق سے اس کی درخواست کرے تو یہ قسم مطلق حرام بلکہ کفر ہے اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص اپنے مذہب کے اولیاءؒ سے خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات پا چکے ہوں اس طرح کی مدد چاہے تو وہ مسلمانوں کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے یوں مُرادیں مانگنا کہ تُو میرا کام کر دے خالص کفر و شرک ہے اور جُہلا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قبروں پر حاضر ہو کر بزرگوں سے یہ سودا بازی کرتے ہیں کہ ع

ککّڑ لے تے
پُتّر دے

اور یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی فرماتے ہیں۔

دُعا از آنہا خواستن حرام است (مالابدمنہ ص ۸۱) ۔ یعنی اہل قبور سے مُرادیں مانگنا حرام ہے۔

اور یہی وہ استعانت ہے جس کے بارے حضرت مولانا گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ صاحب قبر سے کہے کہ تم میرا کام کر دو یہ شرک ہے خواہ قبر کے پاس کہے خواہ قبر سے دور کہے اھ (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۹۹ طبع جیدؔ برقی پریس دہلی)

اور اسی صورت کے بارے حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ توسّل بالمخلوق کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ مخلوق سے دعا کرنا اور اس سے التجا کرنا جیسا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ بالاجماع حرام ہے اھ (بوادر النوادر ص ۷۵۹) اور یہی وہ صورت ہے جس کو ہمارے پیرو مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے تفسیر بے نظیر ص ۴۸ میں بحوالہ حافظ ابن تیمیہؒ نقل کیا ہے وہ لوگ جو انبیاءؑ اور صالحین کو بعد موت کے نزدیک سے پکارتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں انتہی بلفظہٖ

الغرض استعانت باہل القبور کی یہ صورت کفر شرک اور بالاجماع حرام ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ اس میں مراد تو اللہ تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے بزرگوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف سفارشی بنایا جاتا ہے اور یہ طریقہ جیسا کہ زندگی میں درست ہے بقول حضرت شاہ عبدالعزیزؒ بعد از وفات بھی درست ہے اس میں شرک کا شائبہ تک بھی موجود نہیں ہے۔

۲۔ مؤلف مذکور نے حضرات فقہاء کرامؒ اور علماء ملت کی عبارات سے گلو خلاصی کا ایک طریق تو وہ اختیار کیا جو آپ ع۱ میں پڑھ چکے ہیں دوسرا طریق انہوں نے یہ اختیار کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ سو جیسے بریلویہ کی تعمیم بلا دلیل و خلاف قاعدہ ہے اسی طرح آپ کی تعمیم بھی بلا دلیل اور خلاف قاعدہ ہے (اس سے قبل اسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔ پھر زمانہ حال میں بریلویوں کو کیوں برا کہتے ہو تم نے صلوٰۃ و سلام پر سماع کا حصر اُڑایا (یعنی شفاعت کو بھی جائز رکھا۔ صفدر) اور پھر نبی کے سماع کے حصر کو بھی اُڑایا (یعنی حضرات شیخینؓ کو بھی شامل کر لیا صفدر) جیسے وہ لوگ اپنے مسلک کی تائید میں کسی ایرے غیرے نتھو خیرے کا قول کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ نکالتے ہیں اگرچہ کتاب و سنت کے خلاف ہو ایسے ہی تم نے بھی اپنی تائید میں کتابوں کے حوالے پیش کئے دلائل اربعہ (کتاب و سنت اجماع و قیاس مجتہد) میں سے نہ اُن کا دعویٰ ثابت اور نہ تمہارا۔ یہود و نصاریٰ بھی توریت و انجیل کو چھوڑ کر اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی پوتھیاں ہی پیش کرتے تھے۔ (بلفظہ ص ۶۷ و ص ۶۸)

الجواب: مؤلف مذکور کی بیباکی ملاحظہ کیجئے کہ وہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس محتاط طبقہ کو جس کے احتیاط سے بڑھ کر احتیاط کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ایرے غیرے اور نتھو خیرے سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کی مستند اور معتبر کتابوں کو جو علوم اسلامیہ کا بیش بہا ذخیرہ ہیں پوتھیوں سے تعبیر کر کے اپنے دل ماؤف کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اگر یہ حضرات ایرے غیرے نتھو خیرے ہیں تو نہ معلوم دینی اور فقہی خدمات کرنے والے کون حضرات ہوں گے؟ اور اگر ان حضرات کی کتابیں پوتھیاں ہیں تو علوم شرعیہ کا ذخیرہ کن کتابوں میں ملیگا؟ اور مؤلف مذکور خود خیر سے کتاب و سنت اور اجماع و قیاس مجتہد سے ایک حوالہ بھی نہیں پیش کر سکے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر سے قبر مبارک میں کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے اور یہ کہ آپؐ سے یا حضرات شیخینؓ سے مذکورہ بالا طریقہ سے توسل ناجائز ہے اور ان شاء اللہ العزیز قیامت تک پیش نہیں کر سکیں گے غیروں کی طرف سے یا اپنی طرف سے غیر متعلق حوالے اور عبارات پیش کرنے سے کچھ نہیں بنتا جیسا کہ کسی بھی اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے۔

۳۔ مؤلف ندائے حق نے اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز اور تأسف انگیز بات یہ لکھی ہے کہ بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضور (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے دعا و استغفار و استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس بلفظہٖ (ص ۳۱۱)

الجواب :- ان ٹھوس عبارات اور صریح حوالوں سے چھٹکارے کے لیے اس سے بہتر جواب اور کوئی نہیں ہو سکتا یہ ایسا جواب ہے جس سے مؤلف ندائے حق کی مرضی کے خلاف تمام اُن امور کا قلع قمع ہو جاتا ہے جن کو وہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں لیکن ہم لکیر کے فقیر کیا کریں؟ اگر ان مشہور و متداول اور بقول مؤلف مذکور معتبر کتابوں میں بھی باغی گھس گئے ہیں تو پھر اسلامی کتابوں کا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا حشر ہو گا؟ اور ان باغیوں نے ان میں داخل ہو کر کیا کچھ نہ کیا ہو گا؟ بعض بزرگوں نے قطعیات کے خلاف بعض غیر معروف کتابوں کے بارے میں یہ بات تو کہی تھی لیکن حضرات فقہاء کرامؒ کی معتبر مستند متداول مشہور اور بے شمار کتابوں کے بارے میں یہ تیر بہدف نسخہ اور اکسیر اعظم صرف مؤلف مذکور ہی کو سُوجھی ہے۔

اقامۃ البرہان :- یہ جواب تو تھا مؤلف ندائے حق کا اب آپ مؤلف اقامۃ البرہان کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے جس سے انہوں نے حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے فتاویٰ رشیدیہ سے گلو خلاصی چاہی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں اگر فتاویٰ رشیدیہ کے مرتب سے یہاں سہو نہیں ہوا اور یہ الفاظ واقعی حضرت گنگوہیؒ ہی کے ہیں تو اس کے بارے میں باادب گذارش ہے کہ اصولی طور پر اس دلیل سے اتفاق مشکل ہے اس لیے کہ جس حدیث پر سماع انبیاء علیہم السلام کا مدار ہے بشرطِ صحت اس سے صرف صلوٰۃ و سلام کا سماع ثابت ہوتا ہے اور یہ حکم یعنی سماع عند القبر چونکہ خلافِ قیاس ہے اس لیے اپنے مورد پر بند رہے گا لہٰذا سماع صلوٰۃ و سلام پر قیاس کر کے استشفاع عند القبر کو جائز کہنا صحیح نہیں اور مطابق فتویٰ شاہ محمد اسحاقؒ انبیاء علیہم السلام کی قبور کا استشفاء جائز نہیں۔ باقی رہا فقہاء کا لکھ دینا تو یہ جواز کے لیے کافی نہیں، کیونکہ یہ قول متاخرین کا ہے اور ان کو مذہب میں ایک نیا قول ایجاد کرنے کی اجازت نہیں

قبر مبارک تو امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے زمانہ میں بھی موجود تھی مگر انہوں نے قبر مبارک پر شفاعت مغفرت عرض کرنے کی اجازت نہیں دی اس لیے ان متأخرین کا قول حجت نہیں چنانچہ فتاویٰ غیاثیہ میں شیخ الاسلام شہیدؒ سے نقل ہے کہ لانا أخذ باستحسان مشائخ البلخ وانما تأخذ بقول اصحابنا المتقدمین اھ (ص۲۹۴ وص۲۹۵)

مؤلف ندائے حق نے بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے (مکتوبات ج ۲ ص۱۰۳ کے) حوالہ سے شیخ الاسلام شہیدؒ کی یہ بالا عبارت پیش کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ تعامل استحسان کی دلیل نہیں پھر آگے مؤلف مذکور جوش میں آکر لکھتے ہیں اب فرمایئے کہ آپ کن دلائل کے زور پر متأخرین کے اس نازیبا عمل کو مستحسن قرار دیتے ہیں جب کہ آئمہ اربعہؒ میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں پھر متأخرین کی کون سنتا ہے! بلفظہٖ (ندائے حق ص۱۲۱ وص۱۲۲)

الجواب: جمہور کے دلائل عرض کر دیئے گئے ہیں اگر آپ حضرات کا حضرت گنگوہیؒ سے اتفاق مشکل ہے یا آپ کے نزدیک متأخرین کا قول حجت نہیں یا وہ نازیبا عمل ہے تو یقین جانیئے کہ ہمیں ان سے اتفاق کرنے اور ان کے قول کو حجت سمجھنے اور ان کے قول کو جو حضرت بلالؓ اور حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کے قول و عمل سے مؤید ہے زیبا سمجھنے کا فخر حاصل ہے اور ہمارے لیے اتفاق آسان ہے حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے اقوال پہلے گذر چکے ہیں باقی آئمہ کرامؒ سے نصاً کچھ بھی ثابت نہیں اور حضرات متأخرینؒ کا قول محض استحسان نہیں بلکہ حضرت بلالؓ کے عمل پر مبنی ہے جس کو حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی تائید حاصل تھی لہٰذا حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ الاسلام شہیدؒ کا حوالہ بالکل غیر متعلق ہے اور یہ ناقلین کو ہرگز مفید نہیں ہے کما لا یخفیٰ!

اعتراض: دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا عموماً اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خصوصاً عند القبر سماع ثابت نہیں بلکہ قرآن و حدیث کے دلائل اس کے خلاف ہیں اوّلاً اس لیے کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک مردہ رہے اور جب اس کے بعد زندہ ہوئے تو انہوں نے اس طویل زندگی کو یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ سے تعبیر کیا اگر سماع ثابت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کو معلوم ہوتا کہ کتنا عرصہ گذر چکا ہے وثانیاً قرآن کریم میں اِنَّکَ

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی الآیۃ اور اس مضمون کی جتنی بھی آیتیں آتی ہیں وہ سماع کی نفی کرتی ہیں عام اس سے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع ہو یا عام موتیٰ کا و ثالثاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی زندگی میں حجرہ اور مسجد کے باہر لوگ باتیں کیا کرتے تھے اور ایک موقع پر حضرت ابن مسعودؓ کی اہلیہ حضرت زینبؓ نے دروازہ کے باہر حضرت بلالؓ سے باتیں کیں اور مسئلہ دریافت کیا مگر آپ نہ سُن سکے تو قبر میں اتنی مٹی کے نیچے کیسے سُن سکتے ہیں؟ (محصلہ)

الجواب:- اس کی پوری تحقیق تو سماع الموتیٰ کے رسالہ میں ہوگی جو انشاء اللہ الگ شائع ہوگا (اور اب بفضلہ تعالیٰ شائع ہو چکا ہے) یہاں نہایت اختصار سے یہ عرض ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے عند القبر سماع کی نفی ان دلائل سے باطل ہے پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ قبر اور برزخ کی زندگی کا احساس عموماً نہیں ہو سکتا کہ کم گذری یا زیادہ؟ وہاں مومنوں کی راحت و خوشی اور بدکاروں کی تکلیف و تعذیب اس انداز سے ہوتی ہے کہ زمانہ کا صحیح ادراک ہی نہیں ہو سکتا، اور آخر اس جہاں میں بھی آرام و خوشی کے موقع پر اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ وقت کا پتہ نہیں چلتا کہ تھوڑا گذرا ہے یا زیادہ؟ اور تکلیف کے وقت تھوڑا عرصہ بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غمی میں بھی وقت کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا صاحب تسکین القلوب نے بجا فرمایا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ خوشی کے وقت مرور زمانہ کا احساس نہیں رہتا اور تکلیف دکھ اور غم فراق کے وقت یہ احساس بہت زیادہ بڑھ جاتا ہے الخ (ص۵۵) گویا غمی میں وقت اور زمانہ کی تعیین و تحدید میں افراط ہو جاتا ہے اور خوشی میں تفریط کچھ بھی ہو صحیح اندازہ تو نہ رہا۔ وھو المطلوب چنانچہ علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گذرتی ہیں مہینوں میں

الغرض: حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ کو عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں آخر یہی مضمون حضرات سلفؒ و خلفؒ کے سامنے بھی تھا۔ مگر وہ سبھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

السلام کے سماع کے قائل تھے اور کسی نے اِس مضمون سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر عدم سماع پر استدلال نہیں کیا۔ علّامہ ابن عبد الہادیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

ولا یجوز احداث تأویل فی اٰیۃٍ وسنۃٍ لم یکن علٰی عهد السلف ولا عرفوه ولا بینوه للامۃ فان هذا یتضمن انهم جهلوا الحق فی هذا وضلوا عنه واهتدی الیه هذا المعترض المستأخر فکیف اذا کان التأویل یخالف تأویلهم ویناقضه وبطلان هذا التأویل اظهر من ان یطنب فی ردہ الخ (الصارم المنکی ص۲۷۴ طبع مصر)

جائز نہیں کہ کسی آیت یا حدیث کا کوئی ایسا معنی اور تاویل کی جائے جو حضرات سلفؒ کے زمانہ میں کی گئی ہو اور نہ انہوں نے وہ تاویل سمجھی ہو اور نہ اُمت کے سامنے بیان کی ہو کیونکہ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ سلفؒ اس میں حق سے جاہل رہے اور اس سے بھٹک گئے اور یہ پیچھے آنے والا معترض اس کی تہہ کو پہنچ گیا اور خصوصاً جبکہ متأخر کی تاویل سلفؒ کی تاویل کے خلاف اس کے برعکس ہو پھر کیونکر وہ قبول کی جا سکتی ہے؟ اور اس تاویل کا بطلان ایسا ظاہر ہے کہ اس کے رد کے لیے کسی بسط کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کریمہ یا حدیث شریف کا مطلب اور معنٰی حضرات سلف صالحینؒ نے نہ سمجھا ہو اور نہ کیا ہو اور متأخرینؒ میں سے کسی نے سمجھا اور کیا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ معنٰی یقیناً مردود ہے اور حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق اس مضمون سے حضرات سلف صالحینؒ میں سے کسی نے عدمِ سماع موتٰی اور خصوصاً عدم سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام پر استدلال نہیں کیا لہٰذا اس سے یہ استدلال باطل اور مردود ہے۔ دلائل کی مد میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے خواہ اس کے کہنے والی شخصیت متأخرین میں کتنی ہی بڑی ہو۔

حضرت مجددؒ الف ثانیؒ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

سعادت آثارا آنچہ برما و شما لازم است تصحیح عقائد بمقتضائے کتاب و سنّت بر نہجیکہ علماء اہل حق شکر اللہ سعیہم از کتاب و سنّت آں

اے نیک بخت جو چیز ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ کتاب و سنّت کے مطابق عقائد کی اصلاح کرنا ہے مگر اُسی طریقہ پر کہ علماءِ اہلِ حق نے (اللہ تعالیٰ ان کی

عقائد را فہمیدہ اند واز آنجا اخذ کردہ چہ فہمیدن ما وشما از حیز اعتبار ساقط است اگر موافق افہام ایں بزرگواراں نباشند۔ زیرا کہ ہر مبتدع وضال احکام باطلۂ خود را از کتاب و سنّت می فہمد واز اں جا اخذ می نماید والحال انہ لا یغنی من الحق شیئاً۔ (مکتوبات دفتر اوّل حصّہ سوم ص۳۳ مکتوب ۵۷ طبع امرتسر)

کوششوں کو بار آور کرے) کتاب و سُنّت سے ان کو سمجھا ہے اور ان سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور تمہارا سمجھنا اگر ان بزرگوں کے فہم کے مطابق نہ ہو تو اعتبار کے مقام سے ساقط ہے کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب و سنّت ہی سے سمجھتا ہے اور وہاں ہی سے اخذ کرتا ہے حالانکہ اس کا سمجھنا حق کی کسی چیز سے مستغنی نہیں کرتا۔

اس سے بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کے مطلب اور معنیٰ کے سمجھنے میں حضرات سلف صالحین رح کے فہم پر اعتماد کرنا پڑے گا اور اس کے بغیر چارہ نہیں ورنہ سخت ٹھوکر لگے گی۔

اور دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور اسی طرح اس مضمون کی جتنی بھی دیگر آیات ہیں ان سے سماع موتیٰ کی نفی پر استدلال اگرچہ بعض سلف رح نے کیا ہے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رض پیش پیش ہیں مگر جمہور نے ان کا ساتھ نہیں دیا بلکہ جمہور حضرت ابنِ عمر رض کے ساتھ ہیں جو سماع موتیٰ کی روایت کے راوی اور اس کے مُقِر ہیں۔ چنانچہ حافظ ابنِ کثیر رح لکھتے ہیں کہ:۔

والصحیح عند العلماء روایۃ عبد اللہ بن عمر رض لما لها من الشواهد علی صحتها من وجوه کثیرۃ الخ (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۳۸)

اور صحیح بات علماء کرام کے نزدیک حضرت عبد اللہ رض بن عمر رض کی روایت ہی ہے کیونکہ اس کی صحت پر کئی طریقوں سے شواہد دلالت کرتے ہیں۔

اور اس پر بحث کرتے ہوئے آگے سماع موتیٰ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:۔

والسلف مجمعون علیٰ هٰذا وقد تواترت الاٰثار عنهم بأن المیت یعرف بزیارۃ الحی له ویستبشر به الخ (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۳۸)

اور سلف صالحین رح کا اس بات پر اجماع ہے، اور بلاشبہ تواتر کے ساتھ ان سے مروی ہے کہ مُردہ اس زندہ کو جو اس کی زیارت کرتا ہے پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

اور اس آیت کا مطلب حافظ ابن کثیرؒ یہ بیان فرماتے ہیں۔

یعنی تو ان کو کوئی چیز نہیں سنا سکتا جو ان کو نفع دے پس اسی طرح ان کفار کے دلوں پر پردے ہیں اور ان کے کانوں میں کفر کے بوجھ ہیں۔	ای لا تسمعھم شیئا ینفعھم فکذلک ھؤلاء علی قلوبھم غشاوۃ وفی اذانھم وقر الکفر (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۳۸)

یعنی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ مردے سنتے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے حق میں سماع مفید اور نافع نہیں کیونکہ جب تکلیفی زندگی ختم ہو چکی ہو تو پھر ایمان لانے اور توبہ کرنے کا کیا معنیٰ؟ پس یہی حال زندہ کافروں کا ہے کہ وہ سنتے تو ہیں مگر ان کو سماع مفید اور نافع نہیں، کیونکہ وہ ایمان نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے آخر خود قرآن کریم میں اس کی تصریح موجود ہے کہ:۔

تو نہیں سنا سکتا مگر ان کو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں پس وہ مسلمان ہوتے ہیں۔	اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ (پ ۱۹ - النمل - ۶)

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ دنیا میں جو کافر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور مسلمان نہیں ہوتے وہ سنتے ہی نہ تھے اگر ان سے قوت سماع ہی سلب کر لی گئی تھی تو وہ مکلّف کس امر کے تھے؟ مطلب صاف ہے کہ وہ اس انداز سے نہیں سنتے تھے کہ وہ حق کو قبول کر لیں اور اس کو مان لیں اور سماع ان کے حق میں مفید اور نافع ہو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد خداوندی یوں ہے:۔

پس ان میں سے اکثر نے اعراض کیا، سو وہ نہیں سنتے۔	فَاَعْرَضَ اَکْثَرُھُمْ فَھُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ○ (پ ۲۴ حٰمٓ السجدۃ - ۱)

اس کا مطلب بھی بجز اس کے اور کیا ہے کہ کافر اس انداز سے نہیں سنتے جو ان کے حق میں نافع اور مفید ہو، یہ مراد تو قطعاً اور یقیناً نہیں کہ کافر دنیا میں سنتے ہی نہ تھے اور نہ اب سنتے ہیں اور چونکہ کافروں کے اسماع کو مردوں کے اسماع سے تشبیہ دی گئی ہے تو اصول کی رو سے مشبہ اور مشبہ بہ میں مشابہت درکار ہے اور وہ یہی ہے کہ نہ کافروں کے حق میں سماع مفید اور نافع ہے اور نہ مردوں کے حق میں ہاں نفس سماع دونوں کے لیے ثابت اور متحقق ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ بعض احادیث میں مُردوں کا سننا قریب جگہ نہ کہ بعید جگہ سے وارد ہے اس لئے بعض علماء نے آیت (کے معنی) میں کہا ہے کہ مُراد سماعِ منفی سے سماعِ نافع ہے (بیان القرآن ج ۸ ص ۸۴) اور بھی متعدد مفسرین کرامؒ نے اس آیت کریمہ کے معنی میں یہی فرمایا ہے کہ اس سے مُردوں کے مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ سماعِ نافع اور مفید کی نفی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:-

قلت اذا صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الموتیٰ تسمع کلام الحی فمعنی قولہ تعالیٰ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى باختیارك وقدرتك کما انت تسمع الحی علی ما جری بہ عادۃ اللہ تعالیٰ لکن اللہ تعالیٰ یسمع الموتیٰ کلام الاحیاء اذ شاء او انك لا تسمع الموتیٰ سماعا تترتب علیہ الفائدۃ انتہی

(منہیتہ تفسیر مظہری ج ۷ ص ۲۵۳)

میں کہتا ہوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صحیح طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مُردے زندہ کا کلام سنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا کہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا یہ معنی ہوگا کہ تو اپنے اختیار اور قدرت سے نہیں سُنا سکتا جس طرح کہ تو زندہ کو سُنا سکتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے لیکن اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو مُردوں کو زندوں کا کلام سنا دیتا ہے یا اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا یہ مطلب ہے کہ تو ان کو اس انداز سے نہیں سُنا سکتا جس پر فائدہ مرتب ہو۔

مطلب یہ ہے کہ یہ سنانا تیری قدرت، اختیار اور بس میں نہیں ہے کیونکہ جس عالم میں یہ سماع ہے وہ قبر اور برزخ کا عالم ہے اور اس جہان میں جیسے سماع عادۃ اللہ کے مطابق ہے، اُس جہان کا سماع اس سے متفاوت اور جُدا ہے، اس کو آپ ایسا ہی سمجھیں جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ الآیۃ

کہ بیشک تو ہدایت نہیں دے سکتا (یعنی تجھے ہدایت دینے کا اختیار اور قدرت نہیں ہے) جس سے تو محبت کرتا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت فرماتا ہے

اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ جب آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے تو کسی کو ہدایت حاصل ہی نہیں ہوتی اور قاضی صاحبؒ نے دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ بیان فرمایا ہے کہ نفی اس سماع کی ہے جس پر کوئی نتیجہ ثمرہ اور فائدہ مرتب ہو اور وہ ہی سماع ہو سکتا ہے جو نافع اور مفید ہو اور مرنے کے بعد سماع کا کیا فائدہ ؟ کہ نہ ایمان قبول اور نہ توبہ۔ بہر کیف یہ آیت کریمہ مطلقاً نفی سماع موتیٰ کی دلیل نہیں ہے اور بطور قطعی اور یقینی طور پر دلیل نہ ہونا تو واضح امر ہے اور بعض حضرات نے اسماع (سُنانے) اور سماع (سننے) میں فرق کیا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اسماع کی نفی ہے۔ سماع کی نہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ کو سماع موتیٰ کی نفی پر دلیل بنانا درست نہیں ہے چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمع اموات حد اسماع سے تو پرے ہے پر اسماع اموات ممکن ہے یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا نے تو اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی فرمایا اور رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے باوجود اس کے سلام اہل القبور مسنون کر دیا اگر اسماع ممکن نہیں تو یہ بیہودہ حرکت یعنی سلام اہل القبور ملحدوں کی زبان درازی کے لیے کافی ہے الخ (جمال قاسمی ص۹ طبع مجتبائی دھلی)

اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

اقول والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر اھ (فیض الباری ج۲ ص۲۶۷)	میں کہتا ہوں کہ مُردوں کے سماع کی حدیثیں تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اور دوسرے مقام پر منکرین سماع موتیٰ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وان ذخیرۃ الحدیث تدل علیٰ سمع الموتیٰ الخ (العرف الشذی ص۳۵۳)	حدیث کا ذخیرہ تو سماع موتیٰ پر دلالت کرتا ہے۔

تو ان تمام دلائل کو پیش نظر رکھ کر موصوفؒ آیت کریمہ کا ایک مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ

فقیل بالفرق بین السماع والاسماع والمنفی ھو الثانی دون الاول الخ (فیض الباری ج۲ ص۲۶۶)	اور یہ فرق بھی بیان کیا گیا ہے کہ سماع اور ہے اور اسماع اور ہے اور آیت میں نفی اسماع کی ہے نہ کہ سماع کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ سماع اور اسماع کا فرق بڑے بڑے اکابر نے ملحوظ رکھا ہے حضرت مولانا عثمانی رحمہ مسئلہ سماع موتٰی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

قال العبد الضعیف عفا اللہ عنہ والذی تحصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتٰی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ اھ (فتح الملہم ج۲ ص۴۷۹)

بندہ ضعیف اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں سے درگذر فرمائے کہتا ہے کہ جو چیز ہمیں مجموعۂ احادیث سے حاصل ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے یہ ہے کہ سماع موتٰی فی الجملہ احادیث کثیرہ صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اپنی مختصر مگر مستند تفسیر میں اس پر خاصی بحث کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں کہ :-

بہر حال آیت میں اسماع کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی واللہ اعلم انتہی۔ (پ۲۱، سورہ الروم ۵ ط ص۵۳۱)

علامہ آلوسی رحمہ الحنفی اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے خاصی بحث کرتے ہیں اور اس میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :-

والحق ان الموتٰی یسمعون فی الجملۃ اھ

حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں۔

(روح المعانی ج۲۱ ص۵۷)

الحاصل اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے سماع مفید اور نافع کی نفی مراد ہو یا یہ مطلب ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اختیار سے یہ خارج ہے اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، اور یا مطلب ہو کہ نفی اسماع کی ہے، سماع کی نفی نہیں کوئی بھی تفسیر اور مطلب لیا جائے موتٰی کے مطلق سماع کی نفی اس سے ثابت نہیں ہوتی جب عام موتٰی کے مطلق سماع کی نفی پر یہ دال نہیں تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عند القبر جس کی بحث چل رہی ہے نفی سماع پر یہ کیونکر دلیل بن سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض یہ عام موتٰی کے سماع کی نفی پر دال بھی ہو تو پھر بھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع اس سے خارج ہے۔ آخر اس مضمون کی آیات تمام حضرات سلف صالحین رحمہ کے سامنے بھی تھیں ان کا ورع اور تقویٰ بھی زیادہ تھا، خدا خوفی بھی بڑی تھی اور قرآن کریم کی تفسیر اور مطالب پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی مگر کسی نے اس مضمون

کی آیات سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے (عند القبور) سماع کی نفی پر استدلال و احتجاج نہیں کیا بلکہ ان کا اجماع اس کے خلاف منعقد ہوا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے جیسا کہ قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہیؒ وغیرہ کی صریح عبارات سے باحوالہ یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حضرات سلف صالحینؒ کے مقابلہ میں اپنی ہی رائے پر مصر ہے اور اسی کو حرفِ آخر سمجھے تو اس جہان میں اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ عام سماع موتیٰ کا مسئلہ اگرچہ اختلافی ہے مگر سارے مالکی، شافعی، حنبلی اور احناف کی اکثریت اور اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی اکثریت سماعِ موتیٰ کی قائل ہے اگر سماع موتیٰ کے مسئلہ سے شرک پیدا ہوتا۔ یا یہ منجر الی الشرک ہوتا تو یہ اکابر علماءِ اسلام کبھی سماع کا اقرار نہ کرتے اور اگر اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور اس مضمون کی دیگر آیات سے سماعِ موتیٰ کی نفی ثابت ہوتی تو یہ اکابر قرآنِ کریم کے خلاف ہرگز یہ نظریہ نہ رکھتے اور اگر اپنے مقام پر سماعِ موتیٰ کے دلائل و براہین ثابت اور متحقق نہ ہوتے تو یہ اکابر سماع موتیٰ کا کیوں اقرار کرتے؟ ان میں سے ایک ایک بات صراحت سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ حق جمہور کے ساتھ ہے، اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع تو اجماعی مسئلہ ہے اس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ وہ بزرگ ہیں کہ اگر کسی بات سے شرک کا ادنیٰ ترین وہم بھی پیدا ہوتا ہو تو وہ اس کا سدِّ باب کرتے ہیں اور اس کے خلاف محاذ قائم کر دیتے ہیں مگر سماعِ موتیٰ کا مسئلہ اتنا صاف اور بے غبار ہے کہ یہ بزرگ اس کے پُرزور حامی ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وسماع المیت للاصوات من السلام والقراءۃ حق (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۱۸۱ طبع مصر)	مردہ کا سلام و قرأت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موتیٰ کا سماع حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک صرف سلام تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کے نزدیک وہ قرآن کریم کی قرأت بھی بدستور سنتے ہیں اگر اس سماع میں شرعاً کوئی خرابی ہوتی یا یہ نصوص کے خلاف ہوتا تو موصوفؒ اس کو حق سے کبھی تعبیر نہ کرتے۔

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے ایک روایت آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گذرتا ہے جس کو وہ دُنیا میں پہچانتا تھا تو جب وہ اس کی قبر پر سلام کہتا ہے صاحبِ قبر اس کو (اس کی آواز سے) پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (محصلہ الجامع الصغیر ج ۲ ص۱۵۱) اس روایت کو امام ابن عبد البرؒ علامہ عبد الحق اشبیلیؒ۔ ابن عبد الہادیؒ۔ قاضی شوکانیؒ اور مولانا عثمانیؒ وغیرہ سب صحیح کہتے ہیں (تفصیل سماع الموتیٰ کے رسالہ میں ہے) اس حدیث کو حافظ ابن القیمؒ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

ھٰذا نص فی انہ یعرفہٗ بعینہٖ ویرد علیہ السلام اھ (کتاب الروح ص۲)	یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ مُردہ سلام کہنے والے کو بخصوصہ پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے

اور اپنے مشہور قصیدہ نونیہ میں اس مسئلہ کو خوب پھیلا کر انہوں نے بیان کیا ہے اور مزے لے لے کر اشعار فرماتے ہیں۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

وھذا ورد نبینا تسلیم من یأتی بتسلیم مع الاحسان	اور یہ امر صحیح ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم عمدہ طریقہ سے اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ کو سلام کہتا ہے۔
ما ذاک مختصا بہٖ ایضاً کما، قد قالہ المبعوث بالقرآن	یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ خود اُس ذات گرامی نے فرمایا جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا ہے۔
من زار قبر اخ لہٗ فأتی بتسلیم علیہ وھو ذو ایمان	جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اس نے سلام کہا!
رد الالٰہ علیہ حقا روحہٗ حتّٰی یرد علیہ رد بیان (النونیہ ص۱۲۵)	تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔

بعض لوگوں نے لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَکُمْ اور ھُمْ عَنْ دُعَآئِھِمْ غٰفِلُوْنَ وغیرہ مضامین کی آیات سے بھی یہ استدلال کرنے کی ناکام سعی کی ہے کہ عند القبر سماع نہیں نبی ہو یا ولی وغیرہ

لیکن ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے، ان آیات کا سماع موتی اور علی الخصوص حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں تفصیل بفضلہ تعالیٰ اپنی جگہ پر کر دی گئی ہے اور اسی طرح بعض لوگوں نے اصحاب کہف کے قصہ سے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور دیمک کے ان کی لاٹھی کو کھا جانے کے واقعہ سے بھی عدم سماع موتی اور عدم سماع انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر استدلال کیا ہے۔ مگر اس مسئلہ سے ان واقعات کا کوئی تعلق نہیں اور نہ دور کا واسطہ ہے حضرات سلفؒ میں سے کسی نے ان سے یہ استدلال نہیں کیا۔

الغرض محض کشید اور نرے شبہات کا نام دلیل اور برہان نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فہم عطا فرمائے اور حضرات سلف صالحینؒ اور جمہور اکابر کے دامن سے وابستہ رکھے۔ آمین ثم آمین

تیسری شق کا جواب

جملہ علماء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ نص کے مقابلہ میں قیاس قابلِ قبول نہیں بلکہ مردود ہے، جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیثیں (جن کا باحوالہ ذکر ہو چکا ہے) اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ آپ کا عند القبر سماع ثابت ہے اور آپ سلام کہنے والوں کا جواب بھی دیتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں یہ نرے عقلی ڈھکوسلے کیا وقعت رکھتے ہیں کہ جب آپ دروازہ کے باہر لوگوں کی آوازیں دنیا میں نہیں سنتے تھے اور حضرت زینبؓ کی آواز نہ سنی تو وفات کے بعد مٹی کے ڈھیر کے نیچے کیونکر سنتے ہیں اور پھر وہ عالم بھی الگ ہے اور عند قبری میں لفظ عند کتنی مسافت پر بولا جائے گا وغیرہ وغیرہ یہ سب قیاس فاسد اور مردود ہے اور حضرات سلفؒ اور اکابر سے کٹ جانے کے بعد یہ محض اپنے ذہن کی ایجاد اور اختراع ہے اس کو بھلا کون سنتا اور مانتا ہے؟ اس باطل قیاس کے تمام مقدمات حضرات سلفؒ اور اکابر کے سامنے بھی تھے مگر کسی نے عند القبر سماع کا انکار نہیں کیا بلکہ سو فیصدی حضرات نے اس کی تائید کی ہے اور یہی پہلو حق ہے اور یہی نظریہ درست ہے، اور یہی مسلک صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی پر قائم و دائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

باب ہشتم

مسئلۂ توسل

دعاء کا مسنون طریقہ جو متعدد احادیث سے ثابت ہے، یہ ہے کہ دعا کنندہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے اور اس کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد نہایت اخلاص، بے حد عاجزی اور بہت ہی تضرّع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے، دل میں جتنی رقّت ہوگی اور جتنا سوز و گداز ہوگا اتنی ہی دعا زود اثر ہوگی اور جس قدر غفلت اور بے پرواہی سے دعا کی جائے گی اتنی ہی وہ غیر مؤثر رہے گی اور آخر میں پھر درود شریف پڑھ کر ہاتھ منہ پر پھیرے اس بات میں اہلِ اسلام کا کوئی نزاع نہیں ہے ہاں البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ دُعا میں یہ کہا جا سکتا ہے یا نہیں کہ مثلاً اے پروردگار تو بوسیلہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا بطفیلِ حضرت ابوبکر صدیقؓ یا بہ برکت حضرتِ امام ابو حنیفہؒ یا بحرمتِ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا بجاہ حضرت مجدد الف ثانیؒ میرا کام کر دے؟ یا اس قسم کا کوئی مفہوم ہو جس کو اپنی زبان، لغت اور عرف کے اعتبار سے ادا کرے تو آیا یہ درست ہے یا نہیں؟ حافظ ابن تیمیہؒ اور اُن کے اتباع اس کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسا کہنا درست نہیں ہے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب "القاعدۃ الجلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ" تصنیف فرمائی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے دلائل پیش کئے ہیں اور دوسرے حضرات کو جواب دینے کی سعی بھی فرمائی ہے اور اس کے علاوہ بھی اپنی دیگر کئی کتابوں مثلاً فتاویٰ منہاج السنۃ اور زیارۃ القبور وغیرہ میں اجمالاً و تفصیلاً اس پر بحث

کی ہے۔ علامہ سبکیؒ اس مسئلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وحسبك ان انكار ابن تيميةؒ للاستغاثة والتوسل قول لم يقله عالم قبله وصار به بين اهل الاسلام مثلة اھ

(شفاء السقام ص۱۲۰)

تیرے (تعجب کیلئے) یہ بات کافی ہے کہ ابن تیمیہؒ کا طفیل اور توسل سے انکار کا قول ایسا ہے کہ اُن سے پہلے یہ بات کسی عالم نے نہیں کہی اور اسی وجہ سے وہ اہلِ اسلام میں بدنام ہو گئے ہیں۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو گئی کہ توسّل کا انکار حافظ ابنِ تیمیہؒ سے قبل کسی عالم نے نہیں کیا اور اس مسئلہ کے پہلے منکر یہی حافظ ابن تیمیہؒ ہیں۔

علامہ ابن عابدین الشامی الحنفیؒ لکھتے ہیں۔

وقال السبكي يحسن التوسل بالنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الى ربه ولم ينكره احد من السلفؒ والخلفؒ الا ابن تيميةؒ فابتدع مالم يقله عالم قبله ونازع العلامة ابن امير حاج في دعوى الخصوصية واطال الكلام على ذالك في الفصل الثالث عشر آخر شرحه على المُنية فراجعه

(شامی ج۵ ص۳۵)

امام سبکیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل مستحسن ہے اس کا بغیر ابن تیمیہؒ کے سلفؒ و خلفؒ میں اور کسی نے انکار نہیں کیا اور ابنِ تیمیہؒ نے یہ ایک ایسی بدعت گھڑی ہے کہ اُن سے پہلے کسی عالم نے یہ بات نہیں کہی اور علامہ ابن امیر حاجؒ نے مُنیہ کی شرح میں تیرھویں فصل کے آخر میں اس پر طویل کلام کیا ہے اور توسّل کے (آپؐ کی ذات کے ساتھ) مخصوص ہونے کے دعویٰ میں اختلاف کیا ہے۔

آگے ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کہ علامہ عز الدینؒ نے توسل کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے مخصوص کیا ہے لیکن علامہ ابن امیر حاجؒ یہ فرماتے ہیں کہ توسل آپؐ کی ذات سے ہی مخصوص نہیں بلکہ دیگر صلحاء سے بھی درُست ہے۔

اور علّامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

وقد شنّع التاج السبكي كما هو عادته على المجد فقال ويحسن التوسل والاستغاثة

علامہ سبکیؒ نے اپنی عادت کے مطابق ابن تیمیہؒ کی شناعت اور بُرائی بیان کی ہے اور کہا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ

بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الیٰ ربہ ولم ینکر
ذالک احد من السلف والخلف حتیٰ جاء ابن
تیمیۃ رح فانکر ذالک وعدل عن الصراط المستقیم
وابتدع مالم یقلہ عالم وصار بین الانام مثلۃ
(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۶)

تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل اور طفیل سے دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں مستحسن امر ہے اور سلف رح و خلف رح میں اس کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ابن تیمیہ رح آئے انہوں نے اس کا انکار کیا اور سیدھی راہ سے تجاوز کیا اور بدعت کی ایسی بات ایجاد کی جو کسی عالم نے نہ کہی اور لوگوں میں وہ بدنام ہو گئے۔

حافظ ابن تیمیہ رح نے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اور توسل کا رد کیا تو ان کی تردید میں علامہ عبد الکافی السبکی رح نے شفاء السقام کے نام سے کتاب تالیف فرمائی۔ مولانا محمد بن علی النیموی الحنفی رح (المتوفی ۱۳۲۲ھ) جن کی مدح و تعریف میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رح نے عربی میں ایک بہترین قصیدہ لکھا ہے اور ان کی تالیف کے بارے میں فرماتے ہیں لم یصنف مثلہ قبلہ (فقط کہ اس سے پہلے ایسی کتاب کبھی تصنیف نہیں ہوئی) اپنی بہترین تالیف آثار السنن میں لکھتے ہیں کہ شفاء السقام کا رد حافظ ابن تیمیہ رح کے شاگرد حافظ ابن عبد الہادی رح نے اپنی تالیف الصارم المنکی سے کیا پھر اس کے رد میں علامہ ابن علان رح نے المبرد المبکی تصنیف فرمائی اور الصارم المنکی کا رد مولانا عبد الحی لکھنوی رح نے بھی اپنی کتاب السعی المشکور میں کیا ہے (تعلیق التعلیق علی تعلیق الحسن علی آثار السنن ص ۲۷۹ طبع ملتان)

فائدہ بعض لوگوں نے جن میں مؤلف اتحاف النبلاء بھی ہیں امام سبکی رح کی کتاب شفاء السقام کو تعصب کا نتیجہ قرار دیا ہے لیکن ان کی رائے بالکل غلط ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الحی لکھنوی رح لکھتے ہیں کہ

ولیس ردہ تعصبا بل ہو مصیب فیما
ردیہ شہد بہ الاجلۃ
(التعلیقات السنیۃ ص ۱۹۶)

سبکی رح کا رد کرنا تعصب پر محمول نہیں ہے بلکہ وہ اس رد میں درست رائے کے حامل ہیں جلیل القدر علماء نے اس کی شہادت دی ہے۔

الغرض توسل جمہور سلف رح و خلف رح کے نزدیک درست ہے حافظ ابن تیمیہ رح ان کے تلامذہ اور اس لڑی کے بیشتر حضرات اور زمانہ حال کے اکثر غیر مقلدین حضرات اس کے منکر ہیں بعض

ان میں سے اس کے جواز کے قائل بھی ہیں جن کے حوالے عنقریب آرہے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ ۔ اور ہمارے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم تقریباً سبھی مشروع توسّل کے جواز کے قائل ہیں

یہ یاد رہے کہ توسّل کا مسئلہ صرف جواز کا درجہ رکھتا ہے نہ ضروری ہے نہ ناجائز اور گمراہی ہے جیسا کہ وہم کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ مسئلۂ توسل پر مبسوط بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وھذا الذی ذکرتہ انما ھو لدفع الحرج عن الناس والضرار من دعوی تضلیلھم کما یزعمہ البعض فی التوسل بجاہ عریض الجاہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا للمیل الی ان الدعاء کذلك افضل من استعمال الادعیۃ المأثورۃ التی جاء بھا الکتاب وصدحت بھا السنۃ اھ

(روح المعانی ج۶ ص۱۲۸)

یہ چیز جو میں نے جواز توسّل کی ذکر کی ہے محض لوگوں سے دفع حرج کے لیے اور ان کو گمراہ قرار دینے کے دعوی سے جیسا کہ بعض نے کہا ہے بچانے کے لیے ہے کیونکہ ان کے خیال سے آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بلند ہستی کا توسل گمراہی ہے میرا یہ میلان نہیں کہ توسل سے دعا کرنا اُن ادعیہ ماثورہ سے بہتر ہے جو کتاب اللہ میں آئی ہیں اور جن کو حدیث میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ کی یہ عبارت جواز توسل پر صراحت سے دال ہے اور ان کی اس سے بھی واضح عبارت آگے آرہی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ

حافظ ابن تیمیہؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ایک مقام میں لکھتے ہیں کہ

القسم الثالث وھو ان یقول اللّٰھم بجاہ فلان عندك او ببرکۃ فلان او بحرمۃ فلان عندك افعل بی کذا فھذا یفعلہ کثیر من الناس لکن لم ینقل عن احد من الصحابۃؓ والتابعینؒ وسلف الامۃ انھم کانوا یدعون بمثل ھذا الدعاء ولم یبلغنی عن احد من العلماء فی ذلك

تیسری قسم یہ ہے کہ کہے اے اللہ فلاں کے مرتبہ سے جو تیرے ہاں اس کا ہے یا فلاں کی برکت سے یا فلاں کی حرمت سے جو تیرے نزدیک اس کی ہے میرا یہ کام کردے تو ایسا توسل بہت سے لوگوں سے ثابت ہے لیکن حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور سلف امت سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے ایسی دعا کی ہو اور مجھے کسی عالم سے ایسی کوئی بات نہیں پہنچی جس کو میں

ما احكيه الا ما رأيت فى فتاوى الفقيه ابى محمد عبد السلام فانه افتى انه لا يجوز لاحد ان يفعل ذلك الا للنبى صلى الله عليه وسلم ان صح الحديث فى النبى صلى الله عليه وسلم اھ (زيارة القبور والاستنجاد بالقبور ص ۱۱۲ طبع مصر)

بیان کروں ہاں البتہ فقیہ ابو محمد عبد السلامؒ کے فتاوی میں یہ بات میں نے دیکھی ہے کہ انہوں نے یہ فتوی دیا ہے کہ کوئی شخص ایسا توسل بجز آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اور کسی سے نہیں کر سکتا وہ بھی اگر آپؐ کے بارے میں حدیث ثابت ہو۔

انشاء اللہ تعالی یہ بات قاضی شوکانیؒ وغیرہ کے حوالہ سے عنقریب آئے گی کہ امام ابو محمد عبد السلامؒ (المتوفی سنہ ۶۶۰ھ) کا اس توسل کو آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی ذات گرامی سے مخصوص کرنا درست نہیں ہے اور جس حدیث کا حوالہ اس عبارت میں مذکور ہے وہ بھی اپنی جگہ پر صحیح اور قابل احتجاج ہے باحوالہ اس کا بیان بھی آرہا ہے انشاء اللہ تعالی، اور اس کا تذکرہ بھی ہوگا کہ ایسا توسل حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے یہ سب کچھ کہہ اور کر چکنے کے باوجود بھی حافظ ابن تیمیہؒ نفس توسل اور توسل کی بعض صورتوں کا انکار نہیں کر سکے اور وہ ان کو درست سمجھتے ہیں مثلاً وہ ایک مقام پر توسل کا معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اسئلك بنبيك محمد اى اسئلك بايمانى به وبمحبته اھ

(القاعدة الجليلة ص ۳۸)

میں تجھ سے تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کا معنی یہ ہے کہ چونکہ میرا آپ پر ایمان اور آپ سے محبت ہے اس لیے اس کی وجہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ

فالتوسل الى الله بالنبيين هو التوسل بالايمان بهم وبطاعتهم كالصلوٰة والسلام عليهم ومحبتهم وموالاتهم او بدعائهم وشفاعتهم واما نفس ذواتهم فليس فيها ما يقتضى حصول مطلوب العبد وان

اللہ تعالی کے ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے توسل کا یہ مطلب ہے کہ ان پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے کی وجہ سے توسل ہے جیسے ان پر صلوٰۃ وسلام کہنے اور ان سے محبت کرنے یا ان کی دعا اور ان کی شفاعت

کان لھم عند اللہ تعالیٰ الجاہ العظیم اھ

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۱۳۳ طبع جدید)

کی وجہ سے توسل ہے باقی رہیں ان کی ذوات تو ان میں کوئی چیز نہیں جو بندے کے مطلوب کے حصول کو چاہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے۔

گویا ان کے نزدیک یہ توسل بصالح الاعمال کی مد میں شمار ہوتا ہے اور اس کے ثبوت کے لیے بخاری جلد ۲ ص ۸۸۳ اور مسلم ج ۲ ص ۳۵۳ کی وہ روایت ہے جس میں تین آدمی ایک غار میں چلے گئے اور بارش کی وجہ سے ایک چٹان نے غار کا منہ بند کر دیا تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے توسل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی جو قبول ہو گئی، چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ صحیح وسالم باہر نکل آئے (محصلہ) حضرات امام نووی رح اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

استدل اصحابنا بھذا علیٰ انہ یستحب للانسان ان یدعو فی حال کربہ وفی دعاء الاستسقاء وغیرہ بصالح عملہ ویتوسل الی اللہ تعالیٰ بہ لان ھؤلاء فعلوہ فاستجیب لھم وذکرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی معرض الثناء علیھم وجمیل فضائلھم اھ

(نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۳)

اس حدیث سے ہمارے اصحاب نے یہ استدلال کیا ہے کہ آدمی کے لیے مستحب ہے کہ وہ پریشانی کے وقت اور استسقاء وغیرہ کی دعا میں اپنے نیک عمل کی برکت اور اس کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کیونکہ ان تینوں نے ایسا ہی کیا تھا سو ان کی دُعا قبول ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کا ذکر ان کی تعریف اور ان کے اچھے فضائل کے سلسلہ میں کیا ہے

ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال میں صرف نزاعِ لفظی ہے کیونکہ جو حضرات توسل بالذات کے قائل ہیں ان کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ مثلاً جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) وصفِ نبوت اور رسالت اور ان دینی خدمات سے جو آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں سرانجام دی ہیں الگ کر کے توسل کیا جائے یا معاذ اللہ تعالیٰ آپ پر ایمان لانے اور آپ سے محبت کرنے کی شرط سے صرفِ نظر کر لی جائے یہ کسی کے وہم میں نہیں اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں کو ان کی مذہبی سرگرمیوں اور خلقِ خدا کی ہدایت کی کوششوں سے جدا کر کے محض ان کی ذات ہی کو ملحوظ رکھا جائے ایسا بھی نہیں بلکہ جہاں بھی ان حضرات سے توسل ہو گا وہاں ان کی تمام خوبیوں اور کمالات کو پیش نظر

رکھا جائے گا اور ان نیک کاموں کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی جو خصوصی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اُن کو کسی صورت میں فراموش نہیں کیا جائے گا ذکر اگرچہ ذات کا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ موصوف ہے لیکن اس کے اعمال، کمالات اور صفات کو بھی اس میں دخل ہے اور اسی وجہ سے توسل کیا جاتا ہے اور ان کے ساتھ محبت بھی ان کی ان عظیم قربانیوں کی وجہ سے ہے جو حسبِ ارشاد جنابِ رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ (ابو داود ج ۲ ص ۲۷۶) ہر دعا کنندہ کا اپنا نیک اور صالح عمل ہے اور اسی طرح صالح اعمال آخر کسی ذات ہی سے صادر ہوں گے از خود تو ان کا صدور نہیں ہو سکتا تو توسل بصالح الاعمال ذات کے واسطہ کے بغیر سمجھ سے باہر ہے اس لیے ہمارے نزدیک توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال کا مآل بالآخر ایک ہی ہے صرف اس کی تعبیر اور تشریح کا فرق ہے اور نزاع صرف لفظی ہے جب حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ توسل بصالح الاعمال کے قائل ہیں تو توسل بالذات کا بھی ان کو اقرار کر لینا چاہیئے۔ ان کے ذہن میں جو یہ وہم ہے کہ ذات کے توسل سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ تعالیٰ) اس ذات کا رتبہ شان اور درجہ خدا تعالیٰ سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے یا اس کا اس پر کوئی جبر اور زور ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو یہ کسی مسلمان کے وہم میں بھی نہیں آتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔

لان فیھما ایھام ان المتجوہ بہ والمستغاث بہ اعلیٰ من المتجوہ علیہ والمستغاث علیہ اھ
(شفاء السقام ص ۱۲۹)

ان الفاظ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس کے جاہ اور وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے اس کا درجہ اس سے اعلیٰ ہے جس کے ہاں التجا کی گئی ہے۔

چنانچہ امام تقی الدین سبکیؒ نے ان کے اس وہم اور نظریہ کا اس طرح رد کیا ہے کہ:۔

فالتوسل والتشفع والتجوہ والاستغاثۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء والصالحین لیس لھا معنی فی قلوب المسلمین غیر ذلك ولا یقصد بھا احد منھم سواہ فمن لم ینشرح صدرہ لذلك فلیبك علی نفسہ اھ

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی طرح دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور نیک لوگوں کے وسیلہ، سفارش، جاہ اور طفیل وغیرہ سے دعا کرنے کا معنی مسلمانوں کے دلوں میں اس کے سوا اور کچھ نہیں (کہ ان پر ایمان لانا اور ان سے محبت کرنا نیکی ہے) اور کوئی مسلمان اس معنی کے علاوہ اور کچھ ارادہ اس توسل

(شفاء السقام ص۱۲۹)

سے نہیں کیا کرتا مگر جس کا سینہ اس کے فہم کے لئے نہ کھلے تو اس کو اپنے نفس پر رونا چاہیئے۔

اس عبارت میں علامہ سبکیؒ نے حافظ ابن تیمیہؒ کے اس وہم اور نظریہ کی تردید کی ہے اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا نظریہ توسل کے متعلق واضح کیا ہے کہ ہر مسلمان کا یہی نظریہ ہوتا ہے کہ جن حضرات کے توسل سے دعا مانگی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول بندے ہیں اور ان کی محبت اور ان سے لگاؤ نزول رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے اور یہ جائز ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ توسل کی حقیقت یہ ہے کہ اے اللہ فلاں شخص میرے نزدیک آپ کا مقبول ہے اور مقبولین سے محبت رکھنے پر آپ کا وعدہ محبت ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ پس میں آپ سے اس رحمت کو مانگتا ہوں پس توسل میں یہ شخص اپنی محبت کو اولیاء اللہ کے ساتھ ظاہر کر کے اس محبت پر رحمت و ثواب مانگتا ہے اور محبت اولیاء کا موجب رحمت و ثواب ہونا نصوص سے ثابت ہے (انفاس عیسیٰ ص۱۲)

ایک حدیث قدسی میں اس طرح آتا ہے کہ رب العزت نے فرمایا کہ:۔

حقت محبتی للمتحابین فیّ الحدیث (مستدرک ج۴ ص۱۶۹ قال الحاکم والذہبی علی شرطہما)

میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہے جو میری رضا کی وجہ سے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

الغرض نہ تو اس توسل میں یہ بات وہم میں آتی ہے کہ معاذ اللہ تعالیٰ اولیاء کا درجہ اور شان خدا تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے جبراً اس کو منوا سکتے ہیں کہاں خالق اور کہاں مخلوق؟ کجا آقا اور کجا عاجز بندے اس کا سمجھنا کوئی مشکل نہیں مگر؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

توسل کی بعض اور صورتیں بھی حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک درست ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

وقول القائل ببرکت الشیخ قد یعنی بھا

قائل کا یہ کہنا کہ شیخ کی برکت سے (میرا یہ کام ہوجائے)

دعاءه واسوع الدعاء اجابة دعاء غائب لغائب وقد يعنى بها بركت ما امره به وعلمه الخير وقد يعنى بها بركت معاونته له على الحق وموالاته فى الدين ونحو ذلك وهذه كلها معان صحيحة (زيارة القبور والاستنجاد بالقبور ص۱۱۸)

کبھی تو اس سے شیخ کی دعا مراد ہوتی ہے اور سب سے جلدی وہ دعا قبول ہوتی ہے جو غائب کی غائب کے لیے ہو اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ شیخ نے جو حکم اس کو دیا ہے اور تعلیم خیر اس کو دی ہے اس کی برکت سے سوال کرتا ہوں اور کبھی اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جب حق پر وہ اس کا تعاون اور دین میں اس سے درستی کرتا ہے تو اس کی برکت سے دعا کرتا ہے اور یہ سب معانی اپنی جگہ درست اور صحیح ہیں۔

جب یہ معانی درست اور صحیح ہیں تو صحیح العقیدہ مسلمان کے توسل کو ان میں سے کسی ایک معنی کے لحاظ سے سمجھا جا سکتا ہے، مشرک کا معاملہ ہی جدا ہے وہ توسل میں غیر اللہ کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب اور متصرف فی الامور سمجھ کر توسل کیا کرتا ہے، اور ان میں سے ایک ایک بات اپنے مقام پر کفر ہے۔ حضرات فقہاء کرامؒ نے اس بات کی تصریح کی ہے لیکن مسلمان کے ذہن میں ان کفریہ امور میں سے کوئی ایک امر بھی نہیں ہوتا۔ امام بدر الدین بعلی الحنبلیؒ (جنہوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کے فتاوی کا ملخص لکھا ہے) اسی سابق عبارت کے قریب قریب عبارت لکھ کر آگے فرماتے ہیں کہ:۔

وقد يعنى به معنى باطلا مثل دعائه الميت والغائب واستقلال الشيخ بذلك تأثيرا او فعله لما لا يقدر عليه الا الله او متابعته او مطاوعته على البدع والمنكرات ونحو هذه المعانى الباطلة (مختصر الفتاوى المصرية ص۱۹۷)

اور کبھی برکت شیخ کے لفظ سے باطل معنی مراد لی جاتی ہے، مثلاً مُردہ اور غائب سے مراد مانگنا اور شیخ کی اس میں مستقل تاثیر تسلیم کرنا یا ایسے فعل کی اس سے توقع رکھنا جس پر اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی قادر نہیں یا اس کی بدعات اور منکرات پر متابعت اور فرمانبرداری کرنا اور اس قسم کے باطل معانی مراد رکھنا۔

اس قسم کا توسل یقیناً باطل اور مردود ہے مگر یقین جانیے کہ کسی مؤمن اور مسلمان کے تصور میں بھی ان میں سے کوئی معنی نہیں ہوتا مسلمان انہی معانی کو پیش نظر رکھتا ہے جن کے خود حافظ ابن تیمیہؒ قائل ہیں۔ الغرض کلیۃً توسل کے حافظ ابن تیمیہؒ بھی منکر نہیں ہیں ہاں صرف بعض صورتوں کے منکر ہیں اور ان صورتوں کو وہ ناجائز سمجھتے ہیں، ان کو دیگر اہل السنۃ والجماعت بھی درست نہیں

سمجھتے رہا توسل بالذات اور توسل بصالح الاعمال کا نزاع تو یہ صرف لفظی ہے ع

یہ اپنی حدِّ نظر ہے کسی کی دید کہاں

جمہور علماء کرام اور مسئلہ توسل

جمہور اہل السنت والجماعت توسل کے جواز کے قائل ہیں لیکن اس میں تفصیل سے کام لیتے ہیں، توسل کی بعض صورتوں کو حرام بعض کو بلا دلیل اور بعض کو جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی توسل کے مسئلہ کی تفصیل کرتے ہوئے اور اس کی قسمیں بیان کرتے ہوئے آخر میں رقمطراز ہیں: ۔

والثالث دعاء الله ببرکت هذا المخلوق المقبول وهذا قد جوّزه الجمهور الخ (بوادر النوادر ص ٧٦١)

اور توسل کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی مقبول مخلوق کی برکت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اور اسے جمہور نے جائز قرار دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ توسل کی یہ صورت جمہور علماء کرام کے نزدیک جائز ہے بزرگانِ دین اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کا توسل اسی صورت میں ہوتا رہا ہے جس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے۔

علّامہ سید سمہودیؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

قلت فكيف لا يستشفع ولا يتوسل بمن له هذا المقام والجاه عند مولاه بل يجوز التوسل بسائر الصالحين كما قاله السبكي اه (وفاء الوفا ج ٢ ص ٤٢٢)

میں کہتا ہوں کہ اس ذات گرامی کو شفیع اور وسیلہ بنانا کیونکر درست نہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جاہ اور مرتبہ حاصل ہے جب کہ تمام صالحینؒ کو وسیلہ بنانا درست اور جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا وسیلہ اور طفیل تو صحیح اور درست ہے ہی جملہ صالحینؒ کا توسل بھی درست ہے اس عبارت میں علّامہ سبکیؒ کے جس حوالہ کا ذکر ہے وہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے، اور علّامہ سبکیؒ دوسرے مقام پہ لکھتے ہیں۔

ان التوسل بالنبی صلی الله عليه وسلم جائز فی کل حال قبل خلقه وبعد خلقه فی مدة

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل ہر حالت میں درست ہے آپ کی پیدائش سے پہلے اور دنیا میں آپ

حیاتہ فی الدنیا وبعد موتہ فی مدۃ البرزخ
وبعد البعث فی عرصات القیٰمۃ والجنۃ اھ
(شفاء السقام ص ۱۲۰)

کی زندگی کی مدت میں اور وفات کے بعد برزخ میں
اور قیامت کے دن میدان محشر اور جنت میں ہر مقام
پر درست ہے۔

یعنی جس وجہ سے توسل کیا جاتا ہے وہ ان تمام مقامات اور حالات میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں علیٰ وجہ الاتم پائی جاتی ہے کیونکہ ہر مقام میں آپ پر ایمان لانا اور محبت کرنا ضروری ہے جب توسل کی وجہ سب مقامات میں یکساں ہے تو توسل بھی جائز ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے جتنے بھی مکاتبِ فکر ہیں فن حدیث میں ان کا رشتہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ محدث دہلوی سے جا ملتا ہے اور موصوف بھی توسّل کے قائل ہیں چنانچہ اپنی مشہور ومتداول کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ومن ادب الدعاء تقدیم الثناء علی اللہ
والتوسل بنبی اللہ لیستجاب (حجۃ اللہ
البالغۃ ج ۲ ص ۶ طبع مصر)

اور دعاء کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلہ کو مقدم کیا جائے تاکہ
دعاء کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

اس عبارت سے بصراحت یہ معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ دعا میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے توسل کو مستحب اور قبولیتِ دعا کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد اپنے دور میں علماء ہند کی سند کی کڑی حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) سے جا ملتی ہے وہ اس مسئلہ کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

دعا بہ ایں طور کہ الٰہی بحرمت نبی وولی حاجت
مرا روا کن جائز است چنانچہ از شرح فقہ اکبر
ملا علی القاریؒ مفہوم میشود الخ
(مائۃ مسائل ص ۳۵)

اس طریقہ سے دعا کرنا کہ اے میرے پروردگار نبی
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) اور ولی کی حرمت سے میری
حاجت پوری کردے جائز ہے چنانچہ حضرت
ملا علی القاری کی شرح فقہ اکبر سے معلوم ہوتا ہے

قطع نظر دیگر دلائل کے جو حضرات علم حدیث میں حضرت شاہ محمد اسحاقؒ کی شاگردی اور ان کے سلسلہ سے خوشہ چینی کا دم بھرتے ہیں ان کے لیے تو اس سے فرار بھلا معلوم نہیں ہوتا اور حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ (المتوفی شہادۃً ۱۲۴۶ھ) ابو داؤد شریف کی ایک حدیث کی

تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے' اس میں یوں پڑھتے ہیں یا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ شیئاً للہ یعنی اے شیخ عبد القادر رحمۃ کچھ دو تم اللہ کے واسطے یہ لفظ نہ کہنا چاہیئے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبد القادر رحمۃ کے واسطے تو بجا ہے الخ (تقویۃ الایمان ص ۹۵) بزرگانِ دین کے مشہور سلاسل اربعہ (قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی) کے شجروں میں بکثرت واسطے وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے، اور قاضی شوکانی رحمۃ نے جوازِ توسل پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ (العرف الشذی ص ۴۳۹) اس رسالہ کا نام در نضید ہے (بوادر النوادر ص ۷۶۳) اس میں وہ لکھتے ہیں کہ :-

اور دوسرا مطلب حدیث توسل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاجات میں وسیلہ بنانا صرف زندگی کی حالت سے مخصوص نہ تھا بلکہ جس طرح زندگی میں آپ کو وسیلہ بنایا جاتا تھا اسی طرح انتقال کے بعد بھی آپ کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور جس طرح آپ کی موجودگی میں آپ سے توسل جائز تھا، اسی طرح عدم موجودگی میں بھی جائز تھا یہ بالکل واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی زندگی میں وسیلہ بنانا اور آپ کے بعد دوسرے بزرگوں کو وسیلہ بنانا صحابہ کرام رضی کے اجماعِ سکوتی سے ثابت ہے کیونکہ حضرت فاروق رضی نے حضرت عباس رضی کو وسیلہ بنایا تو کسی صحابی نے اس کا خلاف نہیں کیا، میرے خیال میں جوازِ توسل کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخصوص کر دینا جیسا کہ عز الدین (ابو محمد عبد السلام رحمۃ) کو وہم ہوا ہے اس کی کوئی وجہ نہیں الخ (بحوالہ بوادر النوادر ص ۷۶۳) جناب قاضی شوکانی رحمۃ نے جو کچھ فرمایا ہے دلائل اور اکثر امت کے تعامل سے یہی قوی اور صحیح ہے اور ایسے مسائل کے لیے اس سے زیادہ قطعی دلائل کے ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

علامہ آلوسی مسئلہ توسل پر خاصی طویل بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

لہ ایم ای محمد اینڈ سنز تاجران اردو بازار پاکستان چوک کراچی نے جو نسخہ طبع کرایا ہے اس میں یہ عبارت ہی بدل دی ہے اللہ تعالیٰ خائنین سے بچائے ان کو اس کا تو حق تھا کہ وہ اس عبارت کو برقرار رکھ کر حاشیہ پر دلائل سے اس کی تردید کرتے جو ایک علمی خدمت سمجھی جاتی لیکن عبارت ہی کو اڑا دینا پرلے درجہ کی علمی خیانت ہے۔

وبعد هذا كله انا لا ارى بأسا فى التوسل
الى الله تعالى بجاه النبى صلى الله تعالى
عليه وسلم عند الله تعالى حيا وميتا
ويراد من الجاه معنى يرجع الى صفة من
صفاته مثل ان يراد به المحبة التامة
المستدعية عدم رده وقبول شفاعته
فيكون معنى قول القائل الهى اتوسل
بجاه نبيك صلى الله تعالى عليه وسلم
ان تقضى لى حاجتى الهى اجعل محبتك
له وسيلة فى قضاء حاجتى ولا فرق بين
هذا وبين قولك الهى اتوسل برحمتك
ان تفعل كذا اذ معناه ايضا الهى اجعل
رحمتك وسيلة فى كذا الخ

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸)

اس ساری بحث کے بعد میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جاہ سے آپ کی زندگی میں اور بعد از وفات توسل میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور آپ کی جاہ توسل سے مراد کوئی ایسا معنی لیا جائے گا جو آپ کی صفات میں سے کسی صفت کی طرف راجع ہو مثلاً آپ کی محبت تامہ جو عدم رد اور قبول شفاعت کو چاہتی ہے لہٰذا قائل کے اس طرح کہنے کا کہ اے اللہ میں تیرے نبی کے جاہ سے توسل کرتا ہوں کہ تو میری حاجت پوری کر دے یہ معنی ہوگا کہ اے میرے اللہ تیری جو محبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اس کو میری حاجت پورا کرنے کا وسیلہ بنا دے اور اس میں اور تیرے اس قول میں کوئی فرق نہیں کہ اے میرے اللہ میں تیری رحمت سے توسل کرتا ہوں کہ تو ایسا کر دے کیونکہ اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اے اللہ تو اپنی رحمت کو اس میں وسیلہ بنا دے۔

اس عبارت سے بوضاحت یہ بات ثابت ہو گئی کہ علامہ آلوسیؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی اور بعد از وفات دونوں حالتوں میں آپ کی جاہ و عظمت سے توسل کو جائز قرار دیتے ہیں اور اس میں وہ کوئی حرج و مضائقہ نہیں سمجھتے اور پھر آگے لکھتے ہیں۔

ان التوسل بجاه غير النبى صلى الله تعالى
عليه وسلم لا بأس به ايضا ان كان المتوسل
بجاهه مما علم ان له جاها عند الله تعالى
كالمقطوع بصلاحه وولايته اه

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸)

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اوروں کی جاہ و برکت سے توسل میں بھی کوئی حرج نہیں ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ جس کی جاہ سے توسل کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جاہ ہے جیسے وہ شخصیت کہ یقینی طور پر اس کی صلاح و ولایت معلوم ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی توسل درست ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اوروں سے بھی توسل جائز ہے جب کہ ان کی نیکی وتقوٰی اور ولایت یقینی طور پر معلوم ہو اور یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ تواتر بھی قطعیت اور یقین کا فائدہ دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ جس بزرگ کی صلاحیت اور نیکی اور ولایت تواتر سے ثابت ہو اس کا توسل بھی درست ہے لیکن یہ بات ذہن سے ہرگز اوجھل نہ ہو کہ توسل کا یہ معنٰی نہیں کہ اس بزرگ سے مرادیں مانگی جائیں یا اس کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا جائے جیسا کہ بعض جاہل عوام کا خیال ہے۔ چنانچہ خود علامہ آلوسیؒ واشگاف الفاظ میں فی مثل یاسیدی اغثنی کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا ارى احدًا ممن يقول ذلك الا وهو يعتقد ان المدعو الحي الغائب او الميت المغيب يعلم الغيب او يسمع النداء ويقدر بالذات او بالغير على جلب الخير ودفع الاذى والا لما دعاه الخ

(روح المعانی ج۶ ص۱۲۸)

کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اے میرے سردار میری مدد کرو وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس زندہ غائب یا مردہ غائب کو پکارا جاتا ہے وہ غیب جانتا ہے یا پکار سنتا ہے اور بالذات یا بالغیر جلب نفع اور دفع مضرت پر قادر ہے۔ ورنہ وہ کیوں اس کو پکارتا۔

الغرض:- اس طرز و انداز سے غیر اللہ سے مدد مانگنا عین شرک ہے اور فتاوٰی رشیدیہ وغیرہ کی عبارات سے اس کا شرک ہونا پہلے باحوالہ نقل کیا جا چکا ہے اور یہی کچھ اس عبارت میں علامہ آلوسیؒ فرما رہے ہیں غرضیکہ علامہ آلوسیؒ کی خود اپنی عبارات اور تصریحات جواز توسل پر بالکل واضح ہیں غیر متعلق عبارات سے استدلال کرنا اہل علم کی شان کے خلاف ہے۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنویؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحاب القبور (یعنی جب تم اپنے کاموں میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے استعانت کرو) حدیث ہے یا نہیں؟ اور اس کا معنٰی کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں ہے کسی کا مقولہ ہے اور اس کا یہ معنٰی ہے کہ جب کسی چیز کے حلال و حرام سمجھنے میں تمہیں تردد ہو اور دلائل متعارض ہوں تو خود قیاس نہ کرو (غلطی کھا جاؤ گے) بلکہ اُن حضرات کی تقلید اور پیروی کرو جو

آپ قبروں میں آرام فرما ہیں اور جو کچھ انہوں نے کہا اس کو تسلیم کرو اور یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم امور دنیویہ میں تنگ دل ہو جاؤ تو اصحاب قبور کو دیکھو اور ان سے عبرت حاصل کرو کہ آخر انہوں نے بھی دنیا ترک کر دی ہے اور آخرت کو چلے گئے ہیں تو تم یہ سمجھو کہ آخر ہم بھی دنیا سے جانے ہی والے ہیں (محصلہ) اور آگے لکھتے ہیں:۔

ونیز بر استمداد ہم محمول میتواں شد یعنی وقتیکہ متحیر شوید در امور دنیا بر آری شما نشود پس دعائے انجاح مرام بوسیلۂ اصحاب قبور سازید و ایشاں را وسیلہ گردانید از جناب باری تعالیٰ دعا سازید تا برکت ایشاں بدرجۂ قبول رسد اما ایں کہ ایشاں را حلال مشکلات استقلالاً یا شریک کارخانۂ تدبیر عالم دانید کہ ایں عین شرک است انتہی (مجموعہ فتاویٰ عبدالحیؒ ج۳ ص۲۳)

اور اس عبارت کو توسل پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے یعنی جس وقت تم امور میں حیران ہو جاؤ اور تمہارا مطلب پورا نہ ہو سکے تو تم حاجت میں کامیابی کے لیے اصحاب قبور کے وسیلہ سے دعا کرو اور ان کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے جناب باری تعالیٰ سے دعا کرو تاکہ ان کی برکت سے دعا درجہ قبولیت کو پہنچ جائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو استقلالاً مشکل کشا یا کارخانۂ عالم کی تدبیر میں شریک سمجھا جائے کیونکہ یہ عین شرک ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جس معنی میں جواز توسل کے دیگر حضرات قائل ہیں حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ بھی ایسے توسل کے جواز کے قائل ہیں جن کوتاہ فہم حضرات نے ان کی بعض مجمل عبارات سے اس کے خلاف سمجھا ہے وہ اپنی اصلاح خود کر لیں بشرطیکہ ان کو اصلاح مقصود بھی ہو ورنہ کون کسی پر جبر کر سکتا ہے۔ استقلال اور عدم استقلال کی بقدر ضرورت باحوالہ بحث ہم نے راہ ہدایت میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔

اکابرین علماء دیوبند اور مسئلہ توسل

علماء دیوبند کثر اللہ جمعا عنہم کی اس سلسلہ میں عبارتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کے نقل اور پیش کرنے کے لیے چند اوراق تو کیا خاصی ضخیم کتاب بھی ناکافی ہو گی اس لیے یہاں ہم صرف المہند کی عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسرا اور چوتھا سوال :۔ کیا وفات کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل لینا عاؤں میں جائز ہے یا نہیں ؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین یعنی انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) وصدیقین ورشہداء واولیاء اللہ کا توسل بھی جائز ہے یا ناجائز ؟

جواب :۔ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء واولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے ان کی حیات میں یا بعد وفات بایں طور کہے کہ یا اللہ میں بوسیلہ فلاں زرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس ی تصریح فرمائی ہے۔ ہمارے شیخ مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی ثم المکی ؒ نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ ے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہے اور سئلہ اس کی پہلی جلد کے ص۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے انتہیٰ (المہند ص۱۲ و ۱۳)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ کے شاگرد رشید جلیل القدر عالم حامی توحید وسنت اور ی شرک وبدعت حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ جو سینکڑوں علماء کے استاد ومرشد تھے اپنی ائی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :۔

ل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان ا است وعین رضا است الیٰ ان قال بدان ے برادر گفتن یا رسول اللہ بطریق تعشق وتوسّل ج از مبحث است الیٰ ان قال نواب صدّیق ن خان گفتہ ع
خ سنت مددی قاضی شوکاں مددی یمنے
ا باشند چنانچہ در ہندی گویند شالا مدد ہووے
جیلانی اھ (بلغۃ الحیران ص۳۵۷)

"کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے (پھر آگے فرمایا کہ) اے بھائی تو جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسّل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے) پھر آگے فرمایا کہ اسی توسّل اور محبت کے طور پر جو نواب صدّیق حسن خان ؒ نے فرمایا کہ۔

اے سنّت کے شیخ مدد کر اور اے قاضی شوکاں مدد کر

جو شخص (بطور توسّل) دعا ہے چنانچہ پنجابی ہیں لوگ کہتے ہیں شالا مدد ہووے پیر جیلانی ؒ

یعنی سمجھدار قسم کا کوئی مسلمان اس سے یہ مراد نہیں لیتا کہ ان الفاظ سے شیخ عبد القادر جیلانی ؒ ے مدد طلب کی جارہی ہے بلکہ یہی سمجھے گا کہ ان کے وسیلہ اور طفیل سے دعا کی جاتی ہے وعلیٰ

ہٰذا القیاس اس قسم کے دیگر الفاظ سے بھی یہی کچھ سمجھنا چاہیئے الّا یہ کہ کوئی غالی ان سے استمداد کر کے شرک کا ارتکاب کرے تو اس کا معاملہ الگ ہے۔ اور دوسرے مقام پر اولیاء کرامؒ سے مدد مانگنے والوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

اور کہتے ہیں کہ حضرت عبد القادرؒ نے فرمایا کہ مصیبت کے وقت مجھے پکارو یا اس طرح نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ اول تو ثبوت اس امر کا نہیں بہجۃ الاسرار والے کے حق میں شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے فرمایا کہ مشائخ بہجۃ الاسرار والے کو معتبر نہیں سمجھتے مع ہذا اس نے جو سند لکھی ہے رواۃ کا پتہ نہیں کہ کیسے ہیں اور اصل عبارت یوں لکھتے ہیں اذکرنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ توسل میرے دعا مانگو واللہ اعلم بالصواب (بلغۃ الحیران ص۳۳۷) اور حضرت مرحوم نے اپنے ہاتھ مبارک سے علم تصوف و سلوک پر ایک نہایت مفید اور بہترین رسالہ لکھا ہے جس کا نام تحفۂ ابراہیمیہ اور فیوضات حسینی ہے۔ اس کے آخر میں سلاسل اربعہ (قادری نقشبندی چشتی اور سہروردی) کے شجرے بتائے ہیں اور ان میں الٰہی بحرمت فلاں الخ کے صریح الفاظ موجود ہیں جو زمین پر چمکدار موتیوں کی مانند اور آسمان میں درخشندہ ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں مگر صد افسوس کہ اب مؤلف تسکین القلوب نے یہ سارے شجرے حذف کر دیئے ہیں فوا اَسَفًا و یا عَجَبًا) اور خود کتاب میں بھی توسل کا صریح الفاظ میں ذکر موجود ہے المہند کی واضح اور اجماعی عبارت کے بعد ضرورت تو نہیں مگر صرف طلبہ علم کے افادہ کے لیے چند حوالے اور بھی عرض کیے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ کا فتویٰ

سوال ع۳۱۲ قبور فقراء و اولیاء و صلحاء پر فاتحہ خوانی کے بعد جو لوگ دعا مانگتے ہیں یہ اگر درست ہے تو کس طریقہ سے؟

الجواب: اس طرح دعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ برکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت پوری فرما فقط (فتاویٰ دار العلوم ج۵ ص۴۳۱ طبع دیوبند)

سوال ع۳۱۱۳ استمداد من اہل القبور کے جواز کی حنفیہ کے یہاں کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ استمداد من اہل القبور اگر اس عقیدہ کے ساتھ ہے کہ وہ متصرف فی الامور ہیں جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہے تو یہ درست نہیں ہے بلکہ اس میں خوف کفر ہے شامی (ج۲ ص۱۷۵ طبع مصر

میں ہے ومنها انه ان ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله تعالى واعتقاده ذلك كفر الخ اور اگر مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ذریعہ سے دعا کی جاوے کہ یا اللہ میرا فلاں کام فلاں بزرگ کی برکت سے پورا فرمادے تو یہ جائز ہے فقط (فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۲۱ و ص ۴۲۲) اور نیز ارشاد فرماتے ہیں۔

ان بزرگوں سے یہ نہ کہے تم دعا کرو سماع موتیٰ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے حنفیہ سماع موتیٰ کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہی مذہب ہے اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں لہذا اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعا کرو بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے مغفرت اور رفع درجات کی دعا کرے اور اگر ان کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے لیے بھی دعا کرے تو مضائقہ نہیں حصن حصین (ص ۱۹ ولفظہ وان يتوسل الى الله تعالى بانبيائه والصالحين من عباده اھ) میں مذکور ہے کہ صالحین کے وسیلہ سے دعا کرنا مستحب ہے کہ حق تعالیٰ ان کی برکت سے دعا قبول فرمادے فقط (فتاویٰ دار العلوم ج ۵ ص ۴۲۱ و ص ۴۲۲)

سوال:۔ اکثر آدمی شجرہ خاندان کا ہر صبح و شام پڑھتے ہیں یہ کیسا ہے؟

الجواب: شجرہ پڑھنا درست ہے کیونکہ اس میں توسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں اس کا کوئی حرج نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ۱۳۱۰ھ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دار العلوم دیوبند و حال مفتی اعظم پاکستان مسئلہ استعانت اور توسل کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعا کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا روایاتِ حدیث اور اشاراتِ قرآن سے اس کا بھی جواز ثابت ہے وہ بھی اُس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ کے لیے مخصوص اور غیر اللہ کے لیے حرام و شرک ہے (معارف القرآن ج ۱ ص ۴۲) اور پھر آگے اس کی مزید تشریح کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وسیلہ۔ استعانت اور استمداد کے مسئلے میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے اُمید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو شرک و حرام ہے اور محض واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے اس میں عام طور پر لوگوں میں افراط و تفریط کا عمل نظر آتا ہے (معارف القرآن، [illegible])

مسلکِ دیوبند سے وابستہ اور تعلق رکھنے والے حضرات کے لیے علماء دیوبند کے ان جلیل القدر مفتیانِ عظام کے یہ فتوے مشعلِ راہ کا کام دیں گے اور نہ ماننے والوں کا ان سے بھی شاید اتفاق مشکل ہو مگر ؎

یہی پورش رہی آزادیٔ و تقلیدِ بے جا کی
تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار ہلّوں کی (اکبر الٰہ آبادی)

الغرض علماء دیوبند کے جملہ اکابر جواز توسل کے قائل ہیں اور ان کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں بقول شخصے ع

نیر اہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

توسّل کے کچھ دلائل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر جواز توسّل کے بعض دلائل کا تذکرہ بھی کر دیا جائے تاکہ مجوّزین حضرات کے اذعان و ایقان میں مزید اضافہ ہو اور مانعین حضرات کے حق میں ممکن ہے کہ وہ راہنمائی کا ذریعہ اور سبب قرار پائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

بعض حضرات نے قرآن کریم کی بعض آیات سے بھی مسئلہ توسل پر استدلال کیا ہے مثلاً

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ (پ ۶۔ المائدۃ)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

اور بعض حضرات نے

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الاٰية

وہ یہود پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر

سے بھی استدلال کیا ہے چنانچہ علامہ سید محمود آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ:-

نزلت فی قریظة والنضیر کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل مبعثہ قالہ ابن عباسؓ وقتادة اھ

یہ آیت کریمہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اوس اور خزرج کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے فرمایا ہے۔

اور وہ ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔

اللّٰھم انا نسئلك بحق نبیك الذی وعدتنا ان نبعثہ فی اٰخر الزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون اھ

(روح المعانی ج ۱ ص ۳۲۰)

اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اُس رسول کے حق اور وسیلہ سے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو تو آخری زمانہ میں بھیجے گا۔ سوال کرتے ہیں کہ آج کے دن تو ہمیں ہمارے دشمن پر غلبہ عطا فرما پس ان کی مدد کی جاتی۔

اس مضمون کی ایک روایت بھی مستدرک وغیرہ میں آتی ہے لیکن بعض محدثین کرامؒ نے اس پر سخت کلام کیا ہے اس لیے اُس سے قطع نظر کرتے ہوئے حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا ارشاد ہی ملحوظ رکھنا چاہیے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اپنے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:۔

قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ ہم کو نبی آخر الزمان (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی، اُن کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما جب حضور پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور ملعون ہوئے (انتہیٰ ص۱۷) اصول فقہ میں یہ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر پہلے لوگوں کی شریعتوں کو بلا انکار کے بیان کریں تو وہ ہم پر بھی لازم ہیں (نور الانوار ص۲۱۶) اس ضابطہ کو مؤلف تسکین القلوب نے ص۶۷ میں باحوالہ بیان اور تسلیم کیا ہے اسی طرح مؤلف ندائے حق نے بھی ص۱۰۱ میں یہ تسلیم کیا ہے اور اس پر نور الانوار ہی کا حوالہ دیا ہے پھر دونوں نے راقم پر گرفت کرتے ہوئے سو لفظوں کا چکمہ بھی دیا ہے جو لا حاصل ہے مؤلف ندائے حق ص۱۰۲ میں حضرت شیخ الہندؒ کا نام لیے بغیر یہ لکھتے ہیں کہ۔ اور صاحب تسکین جس بعض کی تفسیر کو اپنی تائید میں پیش فرما رہے ہیں اسی تفسیر پر بریلویہ بڑے نازاں ہیں پھر آگے مولوی نعیم الدین صاحب کی اطیب البیان تردید تقویۃ الایمان ص۲۸

کے حوالہ سے وہی تفسیر نقل کی ہے جو حضرت شیخ الہندؒ نے بیان فرمائی ہے آخر میں مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ اب ناظرین بتائیں کہ صاحبِ تسکین اور نعیم الدین ایک ہی شاہ راہ پر گامزن ہیں یا نہ بلفظہٖ۔ جواب یہ ہے کہ صاحبِ تسکین الصدور تو حضرت شیخ الہندؒ کی شاہراہ پر گامزن ہے اگر اس مسئلہ میں مولوی نعیم الدین بھی ساتھ ہو گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے خود مؤلف مذکور ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ اور کسی سُنّی کا کسی ایک مسئلہ میں کسی غیر سنّی کے ساتھ متفق ہونا اس کو سنّی ہونے سے نہیں نکال سکتا اھ (ندائے حق ص۲۱۶) تسکین القلوب ص۷۶ میں ہے اور حضرت شیخ الہندؒ کی عبارت کا محمل یہ (یعنی نبی آخر الزمان کو مبعوث فرما کہ ہم ان کے زیر علم ہو کر فتح پائیں محصلہ) بھی ہو سکتا ہے لیکن اگر وہی مطلب ہو جو بحوالہ روح المعانی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے یعنی قبل البعثۃ بطفیل دعا کرنا تو وہ بھی ہو سکتا ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ معنی حضرت ابن عباسؓ اور علامہ آلوسیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ وغیرہ بزرگوں سے منقول ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ اسی آیت کریمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

ان الیھود کانوا یحاربون جیرانھم من العرب فی الجاھلیۃ ویستنصرون علیھم بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل ظھورہ فیفتح لھم وینصرون علیھم فلما ظھر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفروا وجحدوا نبوتہ اھ (بدائع الفوائد ج۴ ص۱۴۵)

بے شک یہود جاہلیت میں اپنے عربی پڑوسیوں سے لڑتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے وہ آپ کے طفیل سے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے تھے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی تھی پھر جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے کفر اختیار کیا اور آپ کی نبوت کا انکار کر دیا۔

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

اتفق المفسرون واھل الحدیث علی انھا نزلت فی یھود خیبر کانوا قبل وجودہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یحاربون اسدًا وغطفان من مشرکی العرب وکانوا یقولون اللّٰھم بحق النبی الذی تبعثہٗ

مفسرینؒ اور محدثینؒ اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ یہود خیبر کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے مشرکین عرب کے قبیلوں اسد اور غطفان سے لڑتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ اے اللہ تو اس نبی کے حق سے ہمیں اُن پر نصرت اور

اٰخر الزمان الّا نصرتنا علیہم فینصرون فلما جاءہم الرسول ورأوہ کفروا بہ عناداً وحسداً (المنحۃ الوھبیۃ ص۳۱)

علیہ عطا فرما جس کو تو آخر زمانہ میں بھیجے گا سو ان کی مدد کی جاتی پس جب آپ ان کے پاس آئے اور انہوں نے آپ کو دیکھا تو عناداً وحسداً آپ کا انکار کر گئے۔

اس سے صراحتہً معلوم ہوا کہ یہ تفسیر صرف بریلویوں کی اختیار کردہ ہی نہیں بلکہ بقول علامہ بغدادیؒ حضرات مفسرین کرامؒ اور محدثین عظامؒ کا اس پر اتفاق ہے اور اسی لیے حضرت شیخ الہندؒ جیسی علمی شخصیت نے اس کو اختیار کیا ہے۔

بعض مفسرین کرامؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر یوں کی ہے کہ آپ کی بعثت سے پہلے وہ آپ کے اوصافِ حمیدہ کافروں کے سامنے بیان کیا کرتے تھے۔ مگر آپ کی آمد کے بعد وہ منکر ہو گئے منکرین کے سامنے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ بیان کرنے اور سلفؒ ہی آپ کے طفیل سے دعا مانگنے میں کوئی تعارض نہیں ہے تاکہ اس تفسیر کو سابق تفسیر کے خلاف سمجھا کما لا یخفی

فائدہ:۔ دیگر فقہائے کرامؒ نے عموماً اور فقہاء احنافؒ نے خصوصاً یہ بیان کیا ہے کہ توسل کے موقع پر بحق فلاں کا لفظ استعمال کرنا مکروہ ہے اور اس کی وجہ بھی صرف یہ ہے کہ معتزلہ وغیرہ کے نزدیک نیکیوں پہ بندوں کو ثواب دینا اور بدیوں پر عذاب دینا پروردگار پر ضروری اور حق ہے۔ چنانچہ ملّا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

لا یجب علی اللہ شئ خلافاً للمعتزلۃ (مرقات ج ۱ ص ۹۸)

کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں بخلاف معتزلہ کے کہ وہ وجوب کے قائل ہیں۔

ان کے نزدیک اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو معاذ اللہ تعالیٰ اس کا عدل باقی نہیں رہے گا اور اس کا بخل وجہل وغیرہ لازم آئے گا۔ لیکن اہل السنت والجماعت اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق عائد نہیں ہوتا۔ ہاں محض اپنے ارادہ سے جس حق کا وعدہ کیا ہے وہ بجا ہے اور اس میں نہ تو کلام ہے اور نہ اس سے کسی قسم کا کوئی جبر لازم آتا ہے اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

حَقًّا عَلَیۡنَا نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ (پ ۱۱۔ یونس)

حق ہے ہم پر ہم مومنوں کو نجات دیں گے

اور یہ حق بھی بحسب وعدہ ہے اس معنی میں کوئی قباحت نہیں ہاں یہ سمجھ کر کہنا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق لازم ہے مکروہ ہے چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ

ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق انبیائك او رسلك لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق انتہیٰ اھ

(ھدایہ ج ۴ ص ۲۱۱)

اور یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دعا میں یوں کہے کہ میں بحق فلاں یا بحق انبیاء یا بحق رسل تجھ سے دعا کرتا ہوں کیونکہ مخلوق کا خالق پر (بطور وجوب کے) کوئی حق نہیں ہے۔

اور امام سراج الدین الاوشی الحنفیؒ (المتوفی فی حدود سنہ ۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

یکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان او بحق رسلك وانبیائك الخ

(فتاوی سراجیہ ص۷۲ طبع نولکشور)

یعنی مکروہ ہے کہ دعا میں یہ کہے کہ میں بحق فلاں یا بحق رسل یا بحق انبیاء تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابو حنیفۃؒ وصاحباہؒ یکرہ ان یقول الرجل اسئلك بحق فلان او بحق انبیائك ورسلك وبحق البیت الحرام والمشعر الحرام ونحو ذالك اذ لیس لاحد علی اللہ حق الی ان قال قلت قد ورد ایضًا اللّٰھم انی اسئلك بحق السائلین علیك وبحق ممشای الیك فالمراد بالحق الحرمۃ او الحق الذی وعدہ لمقتضی الرحمۃ۔

(شرح فقہ اکبر ص۱۶۱ و ص۱۶۲ طبع کانپور)

امام ابو حنیفہؒ اور آپ کے صاحبین (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) نے فرمایا کہ یہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دعا میں یہ کہے کہ اے پروردگار میں تجھ سے فلاں کے حق یا تیرے انبیاء کرام اور تیرے رسولوں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور بیت الحرام و مزدلفہ کے حق سے سوال کرتا ہوں یا اسی طرح کے اور الفاظ استعمال کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق (واجب) نہیں پھر آگے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ حدیث میں آیا ہے کہ اے پروردگار میں تجھ سے ان لوگوں کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں جو تجھ سے سوال کرتے ہیں اور تیری طرف اپنے چلنے کے حق کی بدولت سوال کرتا ہوں تو اس حق سے حرمت مراد ہے یا وہ حق جو بحسبِ رحمت اس نے وعدہ کے طور پر اپنے ذمہ لیا ہے

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ کچھ بد باطن فرقے اس کا معنیٰ غلط لیتے ہیں اس لیے یہ لفظ مکروہ ہے ہاں اگر کسی کا عقیدہ صحیح ہو اور حق سے وہ حق مراد ہو جو بحسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اسی معنی میں حضرت مصلح الدین سعدیؒ (المتوفی ۶۹۱ھ) نے یہ لفظ استعمال کیا ہے ؎

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ
کہ بر حال ایماں کنی خاتمہ

علامہ ابو محمد بن عبد اللہ بن ابی جمرہ الاندلسیؒ (المتوفی ۶۹۹ھ) ما حق العباد علی اللہ کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وفیہ دلیل علیٰ ان الحق یطلق علی ما کان من طریق الوجوب وعلیٰ ما کان من طریق التفضل اذا علم المخاطب ذٰلک ولا یجوز ان یطلق لمن لا یعلمہ اھ (بھجۃ النفوس المسمیٰ بجمع النہایہ فی بدأ الخیر والغایۃ ج۱ ص۱۲ طبع مصر)

اور اس میں دلیل ہے کہ حق اس پر بھی بولا جاتا ہے جو بطریقِ وجوب ہو اور اس پر بھی جو تفضّل اور مہربانی کے طور پر ہو جب کہ مخاطب اس کو جانتا ہو اور جس شخص کو اس معنی کا علم نہ ہو تو اس کے لیے یہ لفظ بولنا درست نہیں ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا تو اس کا جواب یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

سوال:۔ دعا میں بحق رسول اللہ و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء و محدثین منع کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

الجواب:۔ بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمایا ہے اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنیٰ مراد رکھتے ہیں سو اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ مشابہ ہو جاوے فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ج۱ ص۶۳ طبع جیّد برقی پریس دھلی)

توسّل بالدعاء اور استشفاع

یعنی کسی بزرگ اور زندہ ہستی کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بطور وسیلہ پیش کیا جائے بایں طور کہ اس سے دعاء کی التجاء کی جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دست بدعا ہو اور حاضرین مجلس بھی اس کے

ساتھ اپنے ہاتھ اٹھا کر خالقِ کائنات کے ہاں عاجزی اور زاری کریں اور دل کی تہہ سے یہ فریاد کریں کہ

؎ دینا ہے اپنے ہاتھ سے اسے بے نیاز دے !
کیوں مانگتا پھرے تیرا سائل جگہ جگہ !

علّامہ آلوسی الحنفی رحمہ لکھتے ہیں۔

الاستشفاع وھو ان یطلب من الشخص الدعاء والشفاعۃ ویطلب من اللہ تعالیٰ ان یقبل دعائہ ویؤید ذلك ان العباس رضی کان یدعو وھم یؤمنون لدعائہ حتّٰی سقوا اھ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۷)

الاستشفاع کا یہ مطلب ہے کہ کسی شخص سے دعا اور سفارش کرائی جائے اور اللہ تعالیٰ سے یہ طلب کرے کہ وہ اس کی دُعا کو قبول فرمائے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عباس رضی دعا کرتے تھے اور لوگ ان کی دعا پر آمین کہتے تھے حتّٰی کہ ان پر بارش برسائی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے عہدِ مبارک میں ایک دفعہ خشک سالی ہوئی اور کافی عرصہ تک بارش نہ ہوئی جس کی وجہ سے لوگ خاصے پریشان ہوئے، اسی اثنا میں :۔

اتی اعرابی من اھل البدو الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یوم الجمعۃ فقال یا رسول اللہ ھلکت الماشیۃ ھلك العیال ھلك الناس فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم یدیہ یدعو ورفع الناس ایدیھم مع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یدعون (الحدیث بخاری ج ۱ ص ۱۴۰)

ایک دیہاتی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی خدمت میں جمعہ کے دن حاضر ہوا تو اس نے کہا کہ یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہو گئے، اہل و عیال تباہ ہو گئے، لوگ خستہ حال ہو گئے پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور دُعا کی اور لوگوں نے بھی آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی۔

اس آنے والے دیہاتی کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے سچّے پیغمبر اور مقبول الدعا ہیں دعا فرمائیں تاکہ بارش ہو اسی روایت میں آتا ہے کہ دعا کا نتیجہ فوراً ظاہر ہوا اور خوب بارش ہوئی اور طحاوی ج ۱ ص ۱۹۰ کی روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ اس آنے والے نے کہا فادع اللہ یغیثنا فرفع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یدیہ الخ

وفی روایة فادع اللہ یسقینا الخ پس آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بارش برسائے سو آپ نے ہاتھ اٹھائے الخ اور تقریباً یہی الفاظ دلائل النبوۃ اصبہانی ج ۲ میں ہیں (ص۳۸۳ ج۲ ۳۸) اور ایسے ہی موقع پر آپ نے جب بلا ہاتھ اٹھائے دعا مانگنا شروع کی تو آنے والوں اور دعا کی درخواست کرنے والوں نے کہا۔

فقالوا یا رسول اللہ ارفع یدیك الخ

یا رسول اللہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کریں

اسی روایت میں آتا ہے کہ پہلے آپ نے تبسّم فرمایا پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی (دلائل النبوۃ اصبہانی ج۲ ص۸۵)

حافظ ابن تیمیہؒ انا کنّا نتوسل الحدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ

وذٰلك ان التوسل بہ فی حیاتہ ھو انھم کانوا یتوسلون بہ ای یسألونہ ان یدعو اللہ فیدعو لھم ویدعون فیتوسلون بشفاعتہ ودعائہ اھ (مختصر الفتاوی المصریہ ص۱۹۶)

یہ توسل آپ کی زندگی میں یوں تھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ آپ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا کی التجا کرتے اور وہ حضرات بھی دعا کرتے تو اس طریقہ سے وہ آپ کی شفاعت اور دعا کا وسیلہ چاہتے تھے۔

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ بن الخطاب (المتوفی ۲۴ھ) کے دور میں بھی ایسی ہی خشک سالی کی تکلیف پیش آئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو توسل کے طور پر پیش کیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ

اللّٰھم انا کنا نتوسل الیك بنبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتسقینا وانا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون۔ (بخاری ج ۱ ص۱۳۷)

اے اللہ بیشک ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بطور توسل پیش کیا کرتے تھے سو تو ہم پر بارش نازل کیا کرتا تھا اور اب ہم تیرے سامنے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے چچا کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں سو تو ہم پر بارش نازل فرما تو ان پر بارش برسائی جاتی۔

اور ایسے مواقع پر جس قدر اہل خیر اور صلاح کو آگے کیا جائے اتنا ہی بہتر ہے چونکہ حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچا تھے اور اس کے ساتھ ایمان اور آپ کی صحبت کے فیض سے بھی مالا مال تھے اس لیے حضرت عمرؓ نے ان کو دعا کے لیے آگے کیا۔

حافظ ابن حجرؒ علامہ عینیؒ اور قاضی شوکانیؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ویستفاد من قصة العباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عباسؓ کے اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی

استحباب الاستشفاع باهل الخير والصلاح و اهل بيت النبوّة الخ (فتح الباری ج ۳ ص ۱۵۱ واللفظ له وعمدة القاری ج ۷ ص ۳۲ ونيل الاوطار ج ۴ ص ۸ ونحوه فی مختصر الفتاوی المصرية ص ۱۹۶)

ہے کہ اہل خیر و صلاح اور خاندان نبوت سے تعلق رکھنے والے حضرات کو بطور توسل پیش کرنا مستحب ہے۔

اور حضرت عباسؓ کی یہ دعا درحقیقت آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی برکت اور آپ کے تعلق کی وجہ سے ہی قبول ہوئی چنانچہ علّامہ تاج الدین سُبکیؒ لکھتے ہیں کہ

فهذه دعوة مستجابة ببركة نبينا محمّد صلی الله تعالیٰ علیه وسلّم اھ (طبقات السبکی ج ۲ ص ۶۹ طبع مصر)

پس یہ دعا ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی برکت ہی سے قبول ہوئی اور ان کی دعا کے الفاظ بھی علّامہ سبکیؒ نے نقل کر دیئے ہیں (ایضًا)

توسّل فعلی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا پہلا بیان وہ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے متاخرین حضرات کا توسل مراد نہیں کہ دعا کرنے والا کسی بزرگ کا نام بطور توسّل پیش کر کے دعا مانگے مثلاً یہ کہ اے پروردگار تو بوسیلۂ فلاں میرا کام کر دے (بلکہ اس سے مراد توسّل فعلی ہے یعنی کسی زندہ کو آگے کر دینا تاکہ وہ دعا کرتا رہے اور قوم دعا میں اس کا ساتھ دے) چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ

قوله اللّٰهم انا كنا نتوسل اليك بنبيّنا صلّی الله عليه وسلّم ليس فيه التوسّل المعهود الذی يكون بالغائب حتّٰی قد لا يكون به شعور اصلًا بل فيه توسل السلف وهو ان يقدم رجلًا ذا وجاهة عند الله تعالیٰ ويأمره ان يدعو لهم ثم يجيل عليه فی دعائه كما فُعِل بعباس رضی الله عنه عم النبی صلّی الله تعالیٰ عليه وسلّم ولو كان فيه توسّل المتأخرين لما احتاجوا باذهاب

اللّٰھم انا الخ کے اس قول سے وہ معہود توسّل مراد نہیں جو غائب سے کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس کا بالکل شعور بھی نہ ہو بلکہ اس حدیث میں سلف کے توسل کا ذکر ہے وہ یہ کہ کسی ایسے شخص کو آگے کیا جائے جس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ ہو اور اس سے التجاء کی جائے کہ وہ ان کے لیے دعا کرے پھر دعا اسی کے سپرد کی جائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عباسؓ سے کیا گیا اور اگر اس سے متأخرین کا توسل مراد ہوتی تو حضرت عباسؓ کو ساتھ لے جانے کی ان کو حاجت ہی نہ پڑتی

عباس رضی اللہ عنہ معھم ولکفٰی لھم التوسل بنبیّہم بعد وفاتہ ایضا او بالعباس رضی اللہ عنہ عند عدم شھودہ معھم اھ

(فیض الباری ج ۲ ص ۳۷۹)

اور ان کے لیے کافی تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے بعد آپ کا توسّل کرتے یا حضرت عباس رض سے ان کی غیر حاضری میں توسّل کر لیتے۔

حضرات متقدمین رح کے اس توسّل میں دعا کرنے والا بمنزلۂ امام ہوتا ہے اور اس کی دُعا پر آمین کہنے والے بمنزلۂ مقتدی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رح لکھتے ہیں کہ

وقد روی عبد الرزاق من حدیث ابن عباس رض ان عمر رض استسقٰی بالمصلّٰی فقال للعباس رض قم فاستسق فقام العباس رض فذکر الحدیث فتبیّن بھذا ان فی القصۃ المذکورۃ ان العباس رض کان مسئولاً وانہ بنزل منزلۃ الامام اذا امرہ الامام بذلک اھ

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸ طبع مصر)

محدث عبد الرزاق رح نے حضرت ابن عباس رض سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رض نے عیدگاہ میں بارش طلب کی اور حضرت عباس رض سے فرمایا کہ آپ کھڑے ہوں اور بارش کی دعا کریں تو حضرت عباس رض کھڑے ہونے پھر آگے حدیث بیان کی اس سے واضح ہوا کہ قصۂ مذکورہ میں حضرت عباس رض مسئول تھے اور وہ بمنزلۂ امام تھے کیونکہ امام (حضرت عمر رض) نے ان کو اس کا حکم دیا تھا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت عباس رض اس دعا میں امام تھے اور حاضرین بمنزلۂ مقتدی تھے علّامہ عینی رح تحریر فرماتے ہیں کہ

وبعدہ استسقٰی عمر رض بمن معہ بالعباس رض عم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فجعلوہ کالامام یسأل فیہ لانہ کان امسّ بالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم واقربھم الیہ رحمًا اھ

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۳۲ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رض نے اپنے ساتھیوں سمیت آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے چچا حضرت عباس رض کے توسّل سے بارش طلب کی سو ان کو امام کی مانند قرار دیا، کیونکہ قرابت کے لحاظ سے وہ باقی تمام حضرات سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے زیادہ پیوستہ اور زیادہ قریب ہے۔

اور یہ واقعہ امام ابو عمر بن عبدالبرؒ نے بھی ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔

ثم قال عمرؓ یا ابا الفضل قم فادع فقال العباسؓ الخ (الاستیعاب علی الاصابة ج ۳ ص ۹۸)

پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے ابوالفضل (یہ حضرت عباسؓ کی کنیت تھی) کھڑے ہو کر دعا کریں سو حضرت عباسؓ نے فرمایا الخ

اس ساری کاروائی سے توسّل فعلی کا ثبوت ملتا ہے جو بقول حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ متقدمین کا توسّل تھا۔ اور ایسا ہی واقعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۶۰ھ) کے زمانہ میں پیش آیا، چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور علّامہ بدرالدین العینیؒ لکھتے ہیں کہ۔

وکذلک استسقٰی معاویةؓ بن ابی سفیانؓ بیزید بن الاسود الجرشی و قال اللّٰهم انا نستشفع الیک بخیارنا یا یزید ارفع یدیک الی اللہ عزوجل فرفع یدیه ودعا ودعوا فسقوا فلذلک قال العلماء یستحب ان یستسقی باهل الصلاح والخیر اھ (زیارة القبور والاستنجاد بالقبور ص ۱۱۳ واللفظ له والبدایة والنهایة ج ۸ ص ۳۲۴ ومختصر الفتاوٰی المصریة ص ۱۹۶)

اور اسی طرح حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ نے یزیدؒ بن الاسود الجرشیؒ کے توسل سے بارش طلب کی اور فرمایا کہ اے میرے اللہ ہم اپنے میں سے بہتر شخص کو تیرے سامنے سفارشی پیش کرتے ہیں (پھر فرمایا کہ) اے یزیدؒ اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے اٹھا۔ تو انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اور لوگوں نے بھی دعا کی تو ان پر بارش برسائی گئی اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اہل خیر و صلاح کے وسیلہ سے استسقاء مستحب ہے۔

اور علّامہ الشیخ سلیمانؒ بن سحمانؒ توسّل کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

فان التوسّل بالنبی فی عرف الصحابة هو التوسّل بدعائه وکذلک لما توسّل عمرؓ بالعباسؓ انما هو بدعائه لقوله قم یا عباسؓ فادع اللہ وکقول معاویةؓ لیزید بن الاسود الجرشی

حضرات صحابہ کرامؓ کے عرف میں توسل بالنبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) توسّل بالدعا ہی تھا (یعنی آپ سے دعا کرانا) اور اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے توسّل کیا تو ان سے دعا کروائی اور فرمایا کہ اے عباسؓ آپ کھڑے ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں

قُمْ یا یزید فادع اللہ ولیس ھذا توسلاً بالذوات لان التوسل بالذوات لم یرد الا بلفظ غیر ثابت لا یصح والتوسّل بالاعمال قد ثبت بالکتاب والسّنۃ الصحیحۃ اھ (البیان المبدی ص۱۱۳)

اور اسی طرح حضرت معاویہؓ نے یزیدؒ بن الاسود الجرشیؒ سے فرمایا تھا کہ اے یزیدؒ کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور یہ توسل بالذوات نہیں کیونکہ توسل بالذوات کے بارے میں کوئی صحیح لفظ ثابت نہیں اور توسّل بالاعمال کا ثبوت کتاب اللہ اور سنّت صحیحہ سے ثابت ہے۔

باقی مضمون تو بالکل صاف اور واضح ہے البتّہ ان کا یہ ارشاد کہ توسل بالذوات کے بارے کوئی صحیح ثبوت نہیں محل نظر ہے اوّلاً اس لیے کہ حضرت عثمانؓ بن حنیف کی روایت بالکل صحیح ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی میں اور اسی طرح بعد از وفات توسّل ہوا ہے وثانیاً ہمارے نزدیک توسل بالذوات اور توسل بالاعمال کا اختلاف صرف نزاع لفظی پر مبنی ہے جیسا کہ اسی کتاب میں اس کی تصریح ہے۔

توسّل قولی

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ پہلے متأخرین کے توسّل میں متردد تھے مؤلف تسکین القلوب ص۲۹ میں فیض الباری کا سابق حوالہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس عبارت سے آپ (یعنی مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ) توسل مروجہ کا رد کرتے ہیں الخ اور مؤلف ندائے حق ص۹۹ میں لکھتے ہیں کہ آپ اس کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے ثابت نہیں الخ اور ص۳۰ میں حافظ ابن تیمیہؒ کا مسئلہ توسل سے انکار اور حضرت شاہ صاحبؒ کا رد لکھتے ہیں (محصلہ) اس سابق عبارت کے پیش نظر ان حضرات کا یہ کہنا اور لکھنا بالکل بجا ہے لیکن حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کا آخری فیصلہ بھی علماء کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے اور عملی طور پر اس سے اغماض جائز نہیں ہے اور جمہور اُمت کا اسی پر عمل ہے کہ آخری قول ہی کا اعتبار ہوتا ہے انما یؤخذ بالآخر فالآخر۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ حدیث وان انتوسل الیک بعم نبیّنا الحدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

قلت وھذا توسّل فعلی لانہ کان یقول لہٗ

میں کہتا ہوں کہ یہ توسّل فعلی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے

بعد ذٰلك قم یا عباس رضؓ فاستسق فکان یستسقی لھم فلم یثبت منہ التوسل القولی ای الاستسقاء باسماء الصالحین فقط بدون شرکتھم اقول وعند الترمذی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علم اعرابیا ھٰذہ الکلمات وکان اعمٰی اللّٰھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ الٰی قولہ فشفعہ فیّ فثبت منہ التوسل القولی ایضاً وحینئذٍ انکار الحافظ ابن تیمیہؒ تطاول انتہٰی (فیض الباری ج ۴ ص ۶۸)

اس کے بعد حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ کھڑے ہوں اور بارش طلب کریں تو انہوں نے لوگوں کے لیے بارش طلب کی تو اس سے توسل قولی ثابت نہیں ہوتا یعنی نیک لوگوں کی شرکت کے بغیر محض ان کے ناموں کی برکت سے بارش طلب کرنا۔ میں کہتا ہوں، کہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو جو اندھا تھا ان کلمات سے تعلیم دی۔ اے اللہ میں تیرے سامنے تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو نبی رحمت ہیں التجاء کرتا ہوں پھر آگے فرمایا اے اللہ تو ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما تو اس سے توسل قولی بھی ثابت ہو گیا۔ لہٰذا حافظ ابن تیمیہؒ کا اس سے انکار زیادتی ہے۔

اس عبارت میں نہ صرف یہ کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے توسل قولی کا اقرار و اثبات ہی کیا ہے بلکہ حافظ ابن تیمیہؒ کا رد بھی کیا ہے اور استدلال میں وہی روایت پیش کی ہے جو راقم اثیم نے تسکین الصدور میں نقل کی تھی جس پر بلاوجہ مؤلف تسکین القلوب نے ص ۴۲، ۴۳ و ۱۱۰ میں اور مؤلف ندائے حق نے ص ۱۹۷ تا ۲۰۲ میں حطمی اور خطمی مدنی اور مدینی وغیرہ کے الفاظ لکھ کر اس سند کے راوی ابو جعفرؒ کے بارے میں مبتدی طالب علموں کو مغالطہ دینے کی ناکام سعی کی ہے نیز یاد رہے کہ ترمذی شریف کی اسی روایت سے توسل کے جواز پر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے بھی استدلال کیا ہے (ملاحظہ ہو فتاوٰی عزیزی ج ۱ ص ۸۹)

کسی کے وسیلہ سے دُعا مانگنا

یعنی کسی مقبول بزرگ اور فاضل ہستی کی ذاتِ گرامی کو (مع ان صفات جمیلہ کے جو اس میں پائی جاتی ہیں) دعا کرنے والا اپنی دعا میں بطور توسل پیش کرے اور اپنی زبان اور اپنے الفاظ میں اللہ تعالٰی سے

اس طرح دعا کرے کہ اے قادر مطلق تو فلاں بزرگ کے طفیل اور اس کے وسیلہ سے (یا اسی طرح کے اور الفاظ ہوں) میری دعا قبول فرما۔ جمہور اہل اسلام کے نزدیک یہ جائز اور صحیح ہے جیسا کہ پہلے باحوالہ عرض کر دیا گیا ہے اور اس کے لیے ایک دلیل حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ (المتوفی سنہ ھ) کی روایت ہے جو حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے چنانچہ امام ترمذیؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے محمود بن غیلانؒ[2] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عثمانؒ بن عمرؒ[3] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے شعبہؒ[4] نے بیان کیا اور وہ ابو جعفرؒ[5] سے روایت کرتے ہیں اور وہ عمارۃؒ[6] بن خزیمہؓ بن ثابت سے اور وہ حضرت عثمانؓ بن حنیف سے وہ فرماتے ہیں کہ :

---

[1] امام ترمذیؒ کا نام مع ولدیت محمدؒ بن عیسیٰؒ بن سورہؒ اور کنیت ابو عیسیٰ تھی الامام اور الحافظ تھے (تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۸۷) صحاح ستہ میں مرکزی کتاب الجامع الترمذی کے مصنف تھے سنہ ۲۷۹ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے [2] امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو خدمتِ حدیث میں مصروف اور صاحبِ سنت دیکھا ہے امام نسائیؒ اور مسلمہؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۶۵) امام بخاریؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ سنہ ۲۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے [3] امام احمدؒ اور ابن معینؒ اور ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام عجلیؒ ان کو ثقہ اور ثبت فی الحدیث کہتے ہیں امام ابو حاتمؒ ان کو صدوق کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں اور امام ابن قانعؒ فرماتے ہیں کہ وہ صالح تھے (تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۴۳) سنہ ۲۰۹ھ میں ان کی رحلت ہوئی ہے [4] علامہ ذہبیؒ ان کو الحجۃ الحافظ اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں (تذکرہ ج ۱ ص ۱۸۱)۔ المتوفی سنہ ۱۶۰ھ) [5] ان کا نام مع ولدیت اور نسبت یوں ہے عمیرؒ بن یزید الانصاریؒ ابو جعفر الخطمی المدنی، امام ابن معینؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے امام ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں محدث ابن نمیرؒ عجلیؒ اور طبرانیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام عبدالرحمٰنؒ بن مہدیؒ ان کو صاحبِ صدق کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۱ ملتقطاً) اصل میں وہ مدینہ طیبہ کے باشندہ تھے بعد کو بصرہ میں چلے گئے تھے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ ھو مدنی قدم بصرۃ (تہذیب ج ۸ ص ۱۵۱) وہ مدنی تھے بصرہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ حدیث کی بعض کتابوں میں ان کو المدنی اور بعض میں المدینی سے یاد کیا گیا ہے اہل علم جانتے ہیں کہ پہلے مدینہ طیبہ کی طرف نسبت کرتے وقت المدنی اور المدینی دونوں تعبیریں درست تھیں لیکن جب خلیفہ ابو جعفر منصور بن المہدیؒ (المتوفی سنہ ۲۳۶ھ) نے بغداد کا نام بدل کر اکیونکہ بغ ایک بت کا نام تھا اور داد کے معنی فارسی زبان میں اُس نے دیا کے ہوتے ہیں تو اس میں دینے کی نسبت بت کی طرف ہوتی ہے اس لیے فقہاء کرامؒ نے اس نام کو پسند نہیں کیا۔ تاریخ بغداد ج ۱ ص ۵۸) مدینۃ السلام رکھا۔ تو اس کے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ان رجلاً ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی قال ان شئت صبرت فھو خیر لک قال فادعہ قال فامرہ ان یتوضا فیحسن وضوءہ ویدعو بھذا الدعاء اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فیّ

ایک نابینا شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اُس نے کہا کہ حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے صحتیاب (اور بینا) کرے آپ نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کروں (اور) اگر تو چاہے تو صبر کر اور صبر ہی تیرے لیے بہتر ہے اُس نے کہا کہ حضرت! آپ دعا فرمائیں! آپ نے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا پڑھے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بعد علماء عربیت نے مدینہ طیبہ اور مدینۃ السلام (یعنی بغداد) کی طرف نسبت میں فرق کیا چنانچہ مشہور لغوی علامہ ابو الفضل محمد بن عمر القرشیؒ لکھتے ہیں کہ:-

اذا نسبت الی مدینۃ الرسول قلت مدنی والی مدینۃ المنصور مدینی والی مدائن کسریٰ مدائنی (صراح ص۵۲)

جب تم مدینہ طیبہ کی طرف نسبت کرو گے تو مدنی کہو گے اور مدینہ منصور کی طرف نسبت میں مدینی اور مدائن کسریٰ کی طرف نسبت میں مدائنی کہو گے

اور امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مدنی اور مدینی مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہے قیاس تو یہ ہے کہ نسبت کے وقت اس میں یاء حذف کی جائے اور جو لوگ یاء کو حذف نہیں کرتے وہ اس لفظ کو اصل پر رکھتے ہیں (شرح مسلم ج۱ ص۱۷۱) یعنی یہ لفظ حرفِ یاء کو برقرار رکھ کر بھی پڑھا گیا ہے۔ مدینی یہ حوالہ ندائے حق ص۳۵ میں بھی موجود ہے لیکن اس کے باوجود راقم کی بلاوجہ صرفی غلطی نکالنے کے لیے شافیہ کا حوالہ ڈھونڈ نکالا ہے کہ نسبت میں یا حذف کی جاتی ہے (شافیہ ص۴۲) بجا ہے راقم نے موافق قیاس کی بحث ہی نہیں چھیڑی اصل نسبت میں بحذفِ یاء ہی سہی لیکن یاء کے ساتھ بھی نسبت وارد ہوئی ہے جیسے علامہ قرشیؒ اور نوویؒ نے فرمایا ہے۔

اور خطمہ انصار میں سے ایک شخص کا نام تھا صراح ص۴۶ میں ہے خطمہ نام مردے از انصار۔ اس لحاظ سے ابو جعفر الخطمی المدنی اور (بعض روایات میں) المدینی ایک ہی ہے اور یہ ثقہ راوی ہے۔

[6] عمارہؒ بن خزیمہؓ کے بارے میں امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور قلیل الحدیث کہتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۷ ص۴۱۶)

(ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷) واللفظ له وقال حسن صحیح غریب ومسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸) وابن ماجہ ص ۱۰۰ ومستدرک ج ۱ ص ۳۱۳ والترغیب والترهیب ج ۱ ص ۲۴۱ قال رواه النسائی وابن خزیمة فی صحیحه ومشکوٰة ج ۱ ص ۲۱۹ والبدایة والنهایة ج ۶ ص ۱۶۶ عن احمد وکتاب الاذکار ص ۱۶۷)

ہوں اور تیری طرف تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو نبی الرحمۃ ہیں کے وسیلہ سے توجہ کرتا ہوں، حضرت! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ پیش کرتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے اے اللہ تو ان کی شفاعت میرے بارے میں قبول فرما۔

امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ اس روایت کو ایک مقام پر بخاری اور مسلم دونوں کی شرط پر صحیح فرماتے ہیں (مستدرک ج ۱ ص ۳۱۳ مع التلخیص) اور دوسرے مقام پر بخاری کی شرط پر صحیح کہتے ہیں (مستدرک ج ۱ ص ۵۲۶) اور تیسرے مقام پر صحیح کہتے ہیں (ج ۱ ص ۵۱۹) علامہ خفاجیؒ فرماتے ہیں وهذا الحدیث مسند صحیح اھ نسیم الریاض ج ۳ ص ۱۰۶ طبع مصر)

علامہ سمہودیؒ فرماتے ہیں صححه البیہقیؒ (وفاء الوفا ج ۲ ص ۴۲۰)

اور حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ

رواه اهل السنن وصححه الترمذی الخ (فتاویٰ ج ۴ ص ۳۷)

اہل سنن نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ترمذیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

الغرض یہ روایت اصولِ حدیث کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے اور ہم نے اس کی اس لیے قدرے تشریح کر دی ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ جو پہلے نقل کیے جا چکے ہیں ان سے اس کی عدمِ صحت کا شبہ پڑتا ہے امام ترمذیؒ کو اس مقام پر شبہ ہوا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سند میں ابو جعفر الخطمی نہیں (وھو غیر الخطمی) ان کے اس وہم کی بناء پر بعض دیگر حضرات کو بھی یہ مغالطہ ہوا کہ یہ اگر الخطمی نہیں تو ابو جعفر الرازی ہوگا یا ابو جعفر المدائنی ہوگا اور یہ دونوں سخت ضعیف ہیں لہٰذا ان کی روایت کا کیا اعتبار؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ راوی ابو جعفر الخطمی ہی ہے چنانچہ امام ابوبکر احمد بن محمد المعروف بابن السنی الدینوریؒ المتوفی ۳۶۴ھ اپنی کتاب عمل الیوم واللیلة ص ۲۰۲ (طبع دائرة المعارف حیدرآباد دکن) میں المدنی وھو الخطمی ہی نقل کرتے ہیں اور اسی طرح مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸ میں بھی ابو جعفر الخطمی ہے۔ اور امام حاکمؒ اور علامہ

ذہبیؒ المدنی الخطمی نقل کرتے ہیں، امام طبرانیؒ بھی ابو جعفر الخطمی ہی نقل کرتے ہیں (معجم صغیر طبرانی ص ۱۰۴) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:-

ابو جعفر الخطمی المدنی (تقریب ص ۲۹۱ وتہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۵۱) ابو جعفر خطمی بھی ہے اور مدنی بھی۔ امام ترمذیؒ اس حدیث کو حسن صحیح الخ سے تعبیر کرتے ہیں اگر یہ الرازی یا المدائنی ہوتے تو وہ تو بڑے کمزور اور پرلے درجہ کے ضعیف بلکہ وضّاع راوی تھے ان کی حدیث کو یہ مقام وہ ہرگز نہ دیتے، معلوم ہوا کہ اس سند میں ابو جعفر امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی ثقہ ہے گو ان کے وہم کے لحاظ سے وہ الخطمی نہ ہو، مگر درحقیقت وہ الخطمی ہی ہے جیسا کہ ہم نے باحوالہ بات ثابت کردی ہے اور ترمذی ج ۲ ص ۲۷۷ طبع مصر میں وھو الخطمی کے لفظ ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ہندی طبع میں غالباً کتابت کی غلطی سے لفظ غیر زائد ہوگیا ہے وھو الحق، ولله الحمد مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ ترمذی میں گو یہی ہے وھو غیر الخطمی مگر باقی علماء خطمی کہتے ہیں پھر خطمی ہی کی تصویب فرمائی وسائر العلماء قالوا ھو ابو جعفر الخطمی وھو الصواب (قاعدہ جلیلہ ص ۸۸ ندائے حق ص ۱۹۹)

یہی وہ روایت ہے جس کے بارے میں امام عزالدین بن عبدالسلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں توسل کی تخصیص کی ہے اور قاضی شوکانیؒ نے اس کا رد لکھا ہے جیسا کہ ان کے حوالہ سے پہلے یہ بات نقل کی جاچکی ہے اس لیے اب اعادہ کی حاجت نہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اس حدیث کا ترجمہ کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں ف اس سے توسل صراحۃً ثابت ہوا اور چونکہ آپ کا اس کے لیے دعا فرمانا کہیں منقول نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دعاء کا جائز ہے، اسی طرح توسل دعاء میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے اور حاصل توسل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت کا ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا بھی موجب جلب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد رکھتے ہیں پس ہم پر بھی رحمت فرما اور توسل بالاعمال میں بھی تھوڑے تغیر سے یہی تقریر ہے کہ یہ اعمال آپ کے نزدیک موجب رحمت ہیں اور ان کا فاعل بھی مرحوم ہوتا ہے اور ہم نے یہ اعمال کئے تھے پس ہم پر رحم فرما اھ (نشر الطیب ص ۲۵۲ جید برقی پریس دہلی)

اور ایک اور مقام پر ایک حدیث کے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ:

عادۃً توسل اہلِ طریق میں مقبولانِ الٰہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع ہے، حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہلِ سلسلہ کے یہاں معمول ہے، اس کی یہی حقیقت اور غرض ہے اھ (التکشف ص۴۲۶)

ان عبارات سے توسل کا صحیح مفہوم اور مراد واضح ہو جاتی ہے اور اس طرح کے توسل میں نہ تو شرک لازم آتا ہے اور نہ کراہت۔ جن حضرات نے اس توسّل کو نصوص کے خلاف سمجھا اور بتایا ہے وہ خود جہل مرکب کا شکار ہیں اور بالکل غیر متعلق نصوص سے اس کا رد کرتے ہیں

چنانچہ قاضی شوکانیؒ مسئلہ توسل کے جواز کی طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اب معلوم ہو گیا کہ جو دلائل منکرین توسل پیش کرتے ہیں مثلاً مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُونَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اور لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ہمارے دعویٰ جوازِ توسل بالنبی والصالحین کے لیے مضر نہیں بلکہ اگر ان آیات کو امتناع توسل کے لیے پیش کیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا کہ محل نزاع اور امتناع توسل سے یہ دلائل بالکل اجنبی ہیں اھ (در نضید مؤلفہ قاضی شوکانیؒ ماخوذ از بوادر النوادر ص۷۶۴ قاضی شوکانیؒ کا یہ طویل مضمون حضرت مولانا عبد العزیز صاحب سہالویؒ المتوفی ۱۳۵۹ھ سابق خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ نے اپنے علمی اور تحقیقی رسالہ العدل ۲۹ رجون ۱۹۲۷ء میں بھی شائع کیا تھا)

چونکہ ابن ماجہ ص۱۰۰ وغیرہ کی اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں یا محمد انی قد توجھت بک الی ربی الحدیث تو اس سے مانعین توسل کو حاضر و ناظر اور علم غیب کا شبہ ہوا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں

اقول اس قصہ میں تو خود فخر عالم زندہ اس عالم میں تھے اور آپ ہی کے حکم سے یہ عمل ہوا تھا۔ آپ اُن کی خدمت میں حاضر تھے تو اس وقت میں تو کوئی ضرورت جواب و توجیہ کی نہیں اور بعد آپ کے معمول ہے تو اسی طرح سمجھ کر ہے کہ آپ کی خدمت میں تبلیغ ہوتی ہے ملائکہ پہنچاتے ہیں علم استقلالی (یعنی بغیر فرشتوں کے پہنچانے کے۔ صفدر) نہ اس میں ہے اور نہ اس عقیدہ

سے پڑھنا اس کا درست ہے تو ایسی حالت میں یہ بھی شرک ہو جائے گا (البراہین القاطعہ ط ۲۱۹)

ایک شبہ

بہت ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو (جیسا کہ امام عزالدین بن عبدالسلامؒ کو بھی ہو چکا ہے) کہ اس حدیث سے جو ثابت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا توسل حیات میں تھا اور اکثریت سے توسل بالاموات ہوتا ہے، لہٰذا یہ حدیث اس مسئلہ سے غیر متعلق ہے۔

اور اس کا ازالہ

اگرچہ سطحی طور پر اس حدیث سے یہ شبہ پڑتا ہے مگر تحقیق کے میدان میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان کی خلافت میں یہی دعا ایک شخص کو بتلائی تھی اور اس نے دعا کی تھی اور ان کا کام بن گیا تھا اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ حدیث کا راوی اپنی مروی حدیث کا مطلب اور مراد دوسروں سے بہتر جانتا ہے اور کسی نے ان پر نکیر بھی نہیں کی لہٰذا اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہے چنانچہ امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے طاہرؒ بن عیسیٰؒ بن قیرس المصری المقریؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے اصبغ بن الفرجؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عبداللہؒ بن وہبؒ نے بیان کیا وہ ابو سعید (شبیبؒ بن سعیدؒ) المکیؒ سے اور وہ روحؒ بن القاسمؒ سے اور وہ ابو جعفر الخطمی المدنیؒ سے اور وہ ابو امامہؒ بن سہلؒ بن حنیفؒ سے اور وہ اپنے چچا حضرت عثمانؓ بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان	ایک شخص حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس ایک
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حاجۃ لہ فکان عثمان	ضروری کام کے سلسلہ میں آیا جایا کرتا تھا، اور
لا یلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلقی	حضرت عثمانؓ (غالباً بوجہ مصروفیت) نہ تو اس کی
ابن حنیف فشکی ذالک الیہ فقال لہ عثمان	طرف توجہ فرماتے اور نہ اس کی حاجت براری کرتے وہ
بن حنیفؓ ایت المیضاۃ فتوضأ ثم ایت المسجد	شخص حضرت عثمانؓ بن حنیف سے ملا اور اس کی
فصل فیہ رکعتین ثم قل اللّٰھم انی اسئلک و	شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا اور
اتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم	وضو کر کے پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ

نبی الرحمۃ الحدیث (معجم صغیر ص۱۰۳ وشفاء السقام ص۱۲۴ و۱۲۵، وفاء الوفا ج۲ ص۴۲۰ تا ۴۲۲)	اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں جو نبی الرحمۃ ہیں الخ

اسی روایت کے آخر میں اس کی تصریح ہے کہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اس دعا کی برکت سے حضرت عثمان رضؓ بن عفان نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اس کا کام بھی پورا کر دیا۔ امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ والحدیث صحیح کہ یہ حدیث صحیح ہے (معجم صغیر ص۱۰۴) اور علامہ منذریؒ بھی اس روایت کو نقل کر کے امام طبرانیؒ کے اس قول والحدیث صحیح کی تائید کرتے ہیں (الترغیب والترھیب ج۱ ص۲۴۲) اور امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے بھی یہ روایت دو سندوں سے روایت کی ہے پھر آگے سند بیان کی ہے (شفاء السقام ص۱۲۵) امام سبکیؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد بھی آپ کا توسل درست ہے (شفاء السقام ص۱۲۴) اور ایسا ہی علامہ سمہودیؒ نے لکھا ہے (وفاء الوفا ج۲ ص۴۲۰) حضرت مولانا تھانویؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

ف اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایہ کے درایۃً بھی ثابت ہے کیونکہ روایت اول کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے اھ (نشر الطیب ص۲۵۳)

اور بریقہ محمودیہ ج۱ ص۲۷ میں ہے

ویجوز التوسل الی اللہ تعالیٰ والاستغاثۃ بالانبیاء والصالحین بعد موتھم	کہ حضرات انبیاء کرام اور صالحین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا توسل جائز ہے

الغرض جمہور جس توسل کے قائل ہیں وہ دلائل کی رو سے بزرگوں کی زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی جائز اور صحیح ہے۔ لاشک فیہ۔

۲ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اور صالحینؒ کا توسل بھی درست ہے۔

جس طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل درست ہے اسی طرح اور صالحینؒ کا

توسّل بھی درست ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابو عبد اللہ محمدؒ بن محمدؒ بن محمدؒ العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاجؒ (المتوفیٰ سنہ ۷۳۷ھ) لکھتے ہیں کہ

بل يبدأ بالتوسل الى الله تعالىٰ بالنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اذ هو العمدة فى التوسل والاصل فى هذه كله والمشرع له فيتوسل به صلى الله تعالىٰ عليه وبمن اتبعه باحسان الى يوم الدين (المدخل ج۱ ص۲۵۵ طبع مصر)

بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے توسل سے دعا شروع کی جائے کیونکہ آپ ہی توسل میں عمدہ اور اس میں اصل ہیں اور آپ ہی نے اس کو مشروع قرار دیا ہے پس آپ سے اور قیامت تک آنے والے آپ کی عمدہ اتباع کرنے والوں سے توسل کیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت تک نیک لوگوں کے توسل سے دعا کرنا درست اور صحیح ہے

علامہ ابن حجر مکیؒ سابق نقل کردہ حدیثِ توسل پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وصححه البيهقىؒ وزاد فقام وروى الطبرانى بسند جيّد انه عليه السلام ذكر فى دعائه بحق نبيك والانبياء الذين من قبلى ولا فرق بين ذكر التوسل والاستغاثة والتشفع والتوجه به صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم او بغيره من الانبياء وكذا الاولياء اھ (حاشية ابن حجر المكىؒ على الايضاح فى مناسك الحج للنووىؒ ص۵۰۰ طبع مصر)

اس حدیث کی امام بیہقیؒ نے تصحیح کی ہے اور اس میں یہ جملہ زائد نقل کیا ہے کہ وہ (تندرست ہو کر) اُٹھ کھڑا ہوا اور طبرانیؒ نے جیّد سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے اپنی دعا میں اس کا بھی ذکر فرمایا کہ اے اللہ! اپنے نبی کے حق سے اور اُن انبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے حق سے جو مجھ سے پہلے گذر چکے ہیں (دعا قبول فرما) اور توسّل۔ استغاثہ۔ تشفع اور توجہ (وغیرہ) میں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم یا آپ کے بغیر اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیاء کرام سے کیا جائے کوئی فرق نہیں ہے

جس طرح یہ الفاظ تقریباً ہم معنٰی ہیں اسی طرح لفظ طفیل برکت۔ جاہ اور حرمت وغیرہ

الفاظ بھی ہیں۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں سب کی طرف خدا کی نظر لطف و رحمت ہوگی تب کچھ عرض کرنے کی جرأت کریں گے اھ ص ۱۶۲ اور قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اھ ص ۳۷۸ اور سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا هٰذِهِ النِّعْمَةَ الْعُظْمٰی بِحُرْمَةِ نَبِیِّكَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ص ۵۷۶ اور پہلے حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ سبکیؒ کے حوالہ سے برکت اور جاہ کے الفاظ بھی نقل کئے جا چکے ہیں اور ان سب الفاظ کے استعمال کی علماء اسلام اجازت دیتے ہیں، لیکن اُسی معنی کے لحاظ سے جس کی بقدر ضرورت بحث پہلے گذر چکی ہے نہ اُس مفہوم کے لحاظ سے جو مشرکین کی مراد ہوتی ہے۔

مسئلہ توسل اور غیر مقلدین حضرات

غیر مقلدین حضرات چونکہ بالعموم اکثر مسائل میں حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کے پیرو ہیں اس لیے بعض حضرات نے مسئلہ توسل کا انکار کیا ہے اور بعض مُقر ہیں شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ وہابیہ توسل بالانبیاء والاولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بعد الوفات ممنوع اور حرام قرار دیتے ہیں یہ حضرات (دیوبند) اس کو نہ صرف جائز بلکہ ارجیٰ للاجابۃ (یعنی اس توسل کے بعد اس دعاء کے قبول ہونے کی زیادہ توقع ہوتی ہے) اور مفید قرار دیتے ہیں شجرات حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ وآداب زیارت وادعیہ مدینہ منورہ اس پر شاہد عدل ہیں جو کہ حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی متعدد تصانیف میں شائع ہو چکے ہیں۔

(نقش حیات ج ۱ ص ۱۰۲)

غیر مقلدین کے مشہور مصنف عالم مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والتوسل بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد	بہرحال آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی

بمماته وكذا التوسّل بغيره من اهل الخير والصلاح بعد مماتهم فلا يجوز واختاره الامام ابن تيميةؒ في رسالته التوسّل والوسيلة اهـ (تحفة الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۳)

طرح دیگر اہلِ خیر اور صلاح کا ان کی وفات کے بعد توسّل جائز نہیں ہے اور اسی کو امام ابنِ تیمیہؒ نے اپنے رسالہ التوسّل والوسیلہ میں اختیار کیا ہے۔

غیر مقلدین حضرات زبانی طور پر تسلیم کریں یا نہ کریں مگر یہ ایک خالص حقیقت ہے کہ جناب قاضی شوکانیؒ اس دور میں غیر مقلدین حضرات کے پیشوا ہیں انہوں نے نہ صرف یہ کہ مسئلہ توسّل کو جائز ہی کہا ہے بلکہ اس کے اثبات پر در نضید رسالہ بھی لکھا ہے جس کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اور غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ (المتوفی ۱۳۲۰ھ) اپنی معروف علمی کتاب معیار الحق کے آخر میں لکھتے ہیں هٰذَا اٰخِرُ مَا اَلْهَمَهُ اللّٰهُ خَالِقُ الثَّقَلَیْنِ عَبْدُهُ الْعَاجِزُ محمد نذیر حسین عَافَاهُ اللّٰهُ فِی الدَّارَیْنِ بِجَاهِ سَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ (معیار الحق ص ۴۱۹ مکتبہ نذیریہ قصور) اس عبارت میں جاہ کے لفظ سے توسّل صراحۃً مذکور ہے اور مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان خان صاحبؒ تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۸۵ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں مسلم ج ۲ ص ۲۸۲ کی روایت میں یوں ہے یا اللہ میں اس (یعنی امام حسنؓ) سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ ہم گنہگاروں کے پاس کوئی نیکی نہیں ہے بجز اس کے کہ امام حسنؓ سے محبت رکھتے ہیں یا اللہ اپنے حبیب کی دعا پوری کر اور ہم کو آخرت کے عذاب سے امام حسنؓ کے طفیل ہمیں بچا دے آمین یا رب العٰلمین انتہیٰ اور اسی طرح وہ اپنی کتاب لغات الحدیث ج ۲ ص ۴۵ میں بھی توسّل کو جائز قرار دیتے ہیں اور نیز وہ ترجمہ بخاری پ ۴ ص ۷۷ کے حاشیہ میں حدیث وانا نتوسل الیک بعم نبینا الحدیث کی شرح میں لکھتے ہیں اس حدیث سے نیک بندوں کا وسیلہ لینا ثابت ہوا بنی اسرائیل بھی قحط میں اپنے پیغمبر کے اہلِ بیت کا توسّل کرتے اللہ تعالیٰ پانی برساتا اس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا توسّل آپ کی وفات کے بعد منع تھا کیونکہ آپ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو دعا سکھائی اس میں یوں ہے یا محمد انی اتوسل بک الی ربی اور اس صحابی

نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ دعا دوسروں کو سکھائی مگر ہمارے اصحاب میں امام ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ اس طرف گئے ہیں کہ اموات و قبور کا توسل جائز نہیں نہ حضرت عمرؓ نے اور نہ کسی اور صحابی نے آپ کی قبر کا توسل کیا اور خلاف کیا ان کا۔ بہت سے اکابر محدثین اور علماء نے اور یہ کہا کہ ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جب اصل وسیلہ کا جواز شرع سے ثابت ہے الخ۔

ہم نے حضرت بلالؓ بن الحارث کا واقعہ صحیح سند سے پہلے عرض کر دیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی ان کو تائید حاصل تھی پھر نہ منقول ہونے کا کیا مطلب؟

الغرض غیر مقلدین کے اہل علم اور ذمہ دار حضرات بھی مسئلہ توسل کا جواز ثابت کرتے ہیں اور اس میں وہ بھی جمہور کا ساتھ دیتے ہیں والحق ما قالہ الجمہور کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔ ید اللہ علی الجماعۃ

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو جمہور کے مسلک اور دامن سے وابستہ رکھے اسی پر ان کی حیات ہو اور اسی پر ان کی وفات ہو۔ آمین ثم آمین۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَجَمِيْعِ مُتَّبِعِيْهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

احقر الناس
ابو الزاھد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ
و
صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

۸ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ
۹ دسمبر ۱۹۷۸ء